تخیلات المان

یعنی

جرمنی اور آیندہ جنگ

ترجمہ

کتاب جنرل ایف۔ فون برن ہارڈی

جسمین

جرمنی کے وہ خیالات جو اس جنگ کی بنا ہین

درج ہین

اور جسکو قاری عبدالولی نے دفتر البیان سے شائع کیا

صرف ٹائٹل

صبح المطابع آسی پریس محمود نگر لکھنؤ مین چھپا

اردو فارسی عربی کی دلچسپ کتابین

القول الصواب فی تحقیق مسئلۃ الحجاب - حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے اس رسالہ مین پردۂ نسوان کی تحقیقات کی ہی اور مخالفین پردہ کے دلائل کا نہایت قابلیت و خوبی سے جواب دیا ہی استدلال عقلی بھی ہی اور نقلی بھی - اسکے دیکھنے سے پردہ کی ضرورت کا فلسفہ سمجھ مین آجاتا ہی اور تمام شبہات رفع ہوجاتے ہین - زبان نہایت سلیس اُردو ہی چھپائی نہایت نفیس - قیمت .... (۱۰/)

قومی درد - ہندوستان کے مسلمانون کی افسوسناک حالت کو عبرت انگیز نظم مین دکھایا ہی پہلے اسکی قیمت ۱۲ر تھی مگر اب تخفیف کردی گئی ہی قیمت .... (۲ر)

مسدس خیالی - بطرز مسدس حالی - آزادی و ہوا پرستی کی اس مین ہجگلنی کی گئی ہی اور ملحدون کی خوب دھجیان اُڑائی ہین - جواہر نصائح کا گنجینہ ہی اور قوم کی ہمدردی کا آئینہ - قیمت .... (۲/)

ارژنگ حضوری - فارسی زبان کا وہ بےمثل منظوم رسالہ جس کے ہر شعر سے حضور نظام کی مسند نشینی اور صحت یابی کی چار چار تاریخین نکلتی ہین - قیمت .... (۱/)

مثنوی ید بیضا - یہ مثنوی اہلی شیرازی کے جواب مین بصنعت ذو بحرین و ذو قافیتین مع تجنیس صحیح فارسی - (۲ر)

ہدیۂ عشاق - (اُردو) حضرت مولانا فضل الرحمن علیہ الرحمہ کے وصال تک کے حالات مع عادات و کرامات اس کتاب مین درج ہین - قیمت .... (۴ر)

عوامل احمدیہ - اُردو - علم نحو کی ابتدائی تعلیم کے لیے یہ رسالہ بہت مفید ہی زبان سلیس عام فہم ہی (۳ر)

اصول فارسی - جسکو حضرت استاذ الاساتذہ مولانا قاضی محمد فاروق چریاکوٹی مرحوم نے طلبای مدارس کے واسطے بزبان سلیس اُردو فارسی قواعد مین مع امثلۂ مشقی بطور املا کے لکھوایا - شائقین کے اصرار سے علامۂ آسی مولانا عبد العلی مدراسی ثم اللکنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو کتاب کی صورت مین بکمال حسن خوبی چھپوایا .... (۲/)

خیر المسالک - ایک تعلیم یافتہ خاتون نے پیری مریدی اور اذکار صوفیہ کے متعلق حضرت شاہ محمد ظاہر علیہ الرحمہ کے رسالہ کا اُردو مین ترجمہ کیا ہی مطالب قابل دید ہین - عبارت صاف شستہ پاکیزہ ہی قیمت صرف (۲/)

تحقیق محکم - اُردو مین تصوف کے دقیق مسائلون کو آسانی سے حل کرکے ثابت کیا ہی کہ طریقت و شریعت کسقدر باہم لازم و ملزوم ہین اور اس باب مین مسلمانون کو کیا اعتقاد رکھنا چاہیے اور کس روش پر چلنا چاہیے قیمت (۱/)

شہادت نامہ کلان (اُردو) مصنفہ حضرت قطب اللہ اقطاب جناب مولانا شاہ حافظ علی انور صاحب قلندر رحمۃ اللہ علیہ کاکوروی - اس سے بہتر اور اسقدر جامع کوئی شہادت نامہ آجتک نہین لکھا گیا - بڑی تحقیق و تدقیق سے کل واقعات شہادت معتبر خانہ حیثیت سے بہم پہونچاکر نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ جمع کیے گئے ہین - اہل ملک کی قدردانی سے پہلی ہی مرتبہ

ملنے کا پتہ - محمد عبد الولی مالک اصح المطابع آسی پریس شہر لکھنؤ

موجودہ جنگ عظیم (جس کے جانسوز شعلے اس وقت برّاعظم یورپ مین بھڑک رہے ہین اور جس نے اس وقت خطۂ یورپ کے گلزار پر بہار کو جہنم کا طبقہ بنا رکھا ہی) تاریخ عالم مین اپنا نظیر نہین رکھتی۔

یہ جنگ بادشاہون کی جنگ نہین ہی بلکہ قومون کی ہی اور یہی وجہ ہی کہ یہ جنگ اسقدر خوفناک اور طویل ہی۔

اسباب جنگ پر بحث کرنا اور یہ بتلانا کہ کون حق پر ہی یہان خارج از بحث ہی۔ اس مبحث پر کئی عمدہ تصانیف موجود ہین اور سب سے مستند خود وہ خط و کتابت ہی جو انگلستان کے وزیر خارجہ سر ایڈورڈ گرے نے شایع کی ہی اور جس پر متعدد ذمہ دار اصحاب نے بھی جو برٹش پارلیمنٹ کے ممبر ہین روشنی ڈالی ہی۔

اسباب جنگ اور حق و ناحق کی بحث پر ملک مین کافی تصنیفات پھیل چکی ہین اور بچہ بچہ اُن سے واقف ہی لہذا اس پر ہمارا کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہی۔ البتہ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہوگا کہ اہل جرمن موجودہ جنگ کو کس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہین اور آیا وہ اُن عظیم الشان محاربات کے لیے پہلے سے تیار رتھے؟ نیز کیا ان بات کا علم تھا کہ کرۂ ارض کی کن عظیم الشان طاقتون سے ان کو برسرپیکار ہونا ہی اور کن طاقتون کی جانب سے ان کو دوستی اور مدد کا بھروسہ ہی؟ اس امر کی بہت ضرورت تھی کہ ہندوستانی پبلک بھی جرمن بیانات سے اچھی طرح واقف ہو جائے اور جان لے کہ اُن کے دماغون کی دیگون مین کن ناپاک خیالات کا اسٹیم تیار ہو رہا ہی جس کے اخراج پر ساری دنیا مین ایک شور برپا ہی اور آسمان و زمین کے طبقے ہل رہے ہین۔

اس امر کے لیے ہم نے مشہور جرمن مصنف جنرل فریڈرک فون برن ہارڈی کی شہرۂ آفاق تصنیف "جرمنی اور آیندہ جنگ" کو منتخب کیا جو موجودہ جنگ سے تین برس پہلے جرمنی مین شایع ہوئی تھی اور جس کا پبلک مین بڑا خیر مقدم ہوا چنانچہ خود انگلستان مین اس کتاب کا انگریزی مین ترجمہ کیا گیا اور اس وقت تک بے گنتی ایڈیشن لاکھون کی تعداد مین نکل چکے اور ہاتھون ہاتھ لیے گئے۔ لہذا ہمین بھی اس کے ترجمہ کا خیال پیدا ہوا اور ہم نے بصرف زرِ کثیر ایک نہایت لائق اور تجربہ کار گریجوئٹ کی بیش قیمت امداد سے اس کتاب کو

اُردو زبان کا جامہ پہنانے کی کوشش کی اور ایک خاص حد تک اس کا لحاظ رکھا کہ مصنف کی عبارت کا اصل مفہوم اور مطلب بدستور قائم رہے۔

ہمین امید ہی کہ ناظرین ترجمے کی مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے لغزشون کو معاف فرمائین گے۔ نیز چونکہ اس کے ترجمے مین نہایت عجلت سے کام لیا گیا ہی اس لیے پورے طور سے نظر ثانی اور مقابلہ کی بھی نوبت نہین آئی۔ انشاءاللہ دوسرے ایڈیشن مین (اگر اس کا موقع آیا) اُن مقامات کا جو فی الواقع نہایت سخت ہین از سرِ نو مقابلہ کر کے پوری تلافی کیجائیگی۔

اُردو مین اپنی قسم کا یہ پہلا ترجمہ ہی جو ناظرین کے سامنے جرمن خیالی دنیا کی پوری تصویر پیش کرتا ہی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی بتلا دینا ضروری ہی کہ اس کتاب کے بعض ابواب جو یورپ کی جدید ترقی و معرکہ آرائی اور اُس کے اصول سے متعلق ہین حقیقۃً قابل قدر ہین۔ اِن اچھوتے خیالات اور علوم کا اُردو مین آجانا نہایت ضروری تھا اور ہمین قوی امید ہی کہ صحیح مذاق رکھنے والے اُردو دان اصحاب اس کے مطالعے سے اپنی معلومات مین بیش قیمت اضافہ فرمائین گے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد پبلک پر یہ اچھی طرح روشن ہو جائے گا کہ روس، فرانس و انگلستان کا موجودہ جنگ مین کیا فرض ہی اور ہماری معدلت گستر سرکار دولت مدار اس جنگ مین کیون شامل ہی اور اس کا موجودہ محاربات مین کیا مقدس مشن ہی۔

یہان پر یہ بھی عرض کرنا ضروری ہر کہ فون برن ہارڈی جو نہ صرف جرمن نژاد بلکہ ہمہ صفت جرمن عصبیت کا دلدادہ اور وطن پرست اہل قلم ہر ہمیشہ اپنے دوسرے ہموطنون کی طرح اس امر کی کوشش کرتا ہر کہ جرمن تہذیب کو برتری اور بزرگی کی شفاف روشنی مین چمکا کر دنیا کی چکا چوند کا باعث ہو اور دیگر اقوام کی تہذیب کو دفتر پارینہ بنا کر طاق نسیان کے تاریک پردہ ہاے گمنامی و بدنامی مین جگہ دے۔ اس وجہ سے اکثر مقامات پر واقعات نفس الامر کی حقیقت پوری طرح ظاہر ہونے نہین پائی۔

ان امور کی بنا پر ترجمے مین اکثر نوٹ وحواشی بڑھانا پڑے تاکہ ہندوستانی پبلک پر اصلیت کا اظہار وانکشاف ہوجائے۔

محمد عبد الولی

جرمنی اور آیندہ جنگ

دیباچہ

جرمنی کے کل محبان وطن میں سنہ ۱۹۱۱ء کے موسم گرما و خزاں میں بڑا جوش پھیلا ہوا تھا کیونکہ سب لوگوں کے دلوں میں یہ اعتقاد راسخ تھا کہ نزاع مراکش کے تصفیہ میں محض کوئی معمولی اہمیت کا تجارت یا نوآبادیوں کا سوال زیر بحث نہیں ہے بلکہ وہ جرمن قوم کے اقتدار اور مستقبل کو معرض خطر میں ڈالنے والی چیز ہے۔ قوم کے جذبات اور گورنمنٹ کے ملکی حکمت عملی میں بڑا اختلاف ہو گیا تھا۔ عام رائے علانیہ اس بات کی طرفدار تھی کہ ہم اپنے دعاوی پیش کریں۔ وہ ہماری سیاسی حالت کے خطرات اور ان قربانیوں کو جو ایک صاف اور روشن پالیسی کا اقتضا تھا سمجھنے سے قاصر تھے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ قوم جو بلاشبہ کثیر تعداد میں خوشی سے ہتھیار اٹھانے پر رضامند تھی وہ ٹیکسوں کا دوامی اور بھاری بوجھ اٹھانے میں اتنی ہی مستعدی کا اظہار کرتی۔ زمانہ حال کے برلن میں جنگی چندوں پر قیل و قال کرنا جرمن ریشتاگ (Reichstag) (جرمن پارلیمنٹ) کی ایسی ہی معروف خصوصیت ہے جیسے کہ وسطی بحث پر گد میں

تھی۔ یہ حالتیں ان صفحات کی اشاعت کے واسطے میرے لیے باعث ترغیب ہوئیں ہیں۔ ان میں سے چند کچھ عرصہ پہلے کے ہی لکھے ہوئے تیار تھے۔

اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہم اپنی قومی اور سیاسی ترقی میں ایک نازک حالت پر پہنچ گئے ہیں ایسے اوقات میں یہ ضروری ہے کہ تین باتوں کے متعلق ہمارے خیالات بالکل صاف ہوں منازل مقصود جن پر ہمیں پہنچنا ہے دشواریاں جن پر ہمیں غالب آنا ہے اور قربانیاں جو ہمیں کرنی ہیں۔ میں نے اپنے ذمہ یہ کام لیا ہے کہ ان معاملات پر جہاں تک کہ ممکن ہے صاف اور دلنشین بحث کروں جس میں ملکی حکمت عملی کا پردہ نہو۔ ظاہر ہے کہ صرف قومی نقطہ خیال کو مد نظر رکھکر یہ ممکن ہے۔

ہمارے سائنس، ہمارے ادب اور ہمارے گزشتہ تکمیلات جنگی نے مجھ میں فخر کے تما یہ اوراک پیدا کردیا ہے کہ میں اُس مہذب قوم کا فرد ہوں جس کا مستقبل باوجود ایام ماضیہ کی کمزوری اور غلطیوں کے شاندار ہونا چاہیئے اور یقیناً ہوگا اور میں نے اپنے اعتقادات اپنے پُرجوش جرمن دل سے قلمبند کئے ہیں میرا عقیدہ ہے کہ اس صورت سے اپنے ناظرین کے دلوں میں قومی جذبہ کی آگ نہایت کامیابی کے ساتھ بھڑکاؤنگا اور قومی غرض کو تقویت پہنچاؤنگا۔

(مصنف)

اکتوبر ۱۹۱۱ء

نوع انسان کی سیاسی اور اخلاقی ترقی کے لیے جنگ کی قدر و منزلت پر زمانہ
حال کی مہذب دنیا کے بڑے بڑے فرقوں نے اس عنوان سے نکتہ چینی کی ہی جس سے
سلطنتوں کی دفاعی قوتوں کے کمزور ہوجانے کا اندیشہ ہی کیونکہ اُن سے جنگی اسپرٹ
کی بیخ کنی ہوتی ہی۔ اس طرح کے خیالات جرمنی میں دُور دُور پھیلائے گئے ہیں اور
معلوم ہوتا ہی کہ ہماری قوم کی پوری تہ سے وہ اعلیٰ درجہ کا جوش جاتا رہا ہی جس پر ہماری
تاریخ کی عظمت کا دارومدار تھا۔ دولت کی ترقی کے ساتھ اُنھوں نے اپنی زندگی کا
حصہ وقت موجودہ پر کر دیا ہی اور اُن میں اُس ساعت کی تصریح کو عظیم الشان خیالات
کی خدمت پر قربان کر دینے کی صلاحیت نہیں ہی۔ اُنھوں نے خوش آیندگی سے اپنی آنکھیں
ہمارے مستقبل کے فرائض اور بین الاقوامی زندگی کے ضروری مسائل کی طرف سے
جو فی الحال حل طلب ہیں بند کر لی ہیں۔ ہم میں بلند پروازی کی کبھی صلاحیت رہی ہی کارنامہ
عظیم نے جرمنی کو سیاسی شقاق اور کمزوری سے نکالکر یوروپین اقوام کے مقابلہ
میں لاکر کھڑا کیا ہی۔ مگر ہم کو اس ورثہ کے لینے اور سیاسات اور کسب کی ترقی کی راہ
پر چلنے کی رغبت نہیں معلوم ہوتی۔ ہم اپنی عظمت سے لرزتے ہیں اور اُن قربانیوں سے
جن کی وہ ہم سے طلبگار ہی جان چُراتے ہیں مگر تاہم اُس دعوے سے جو ہمیں ہمارے

شاندار ماضی سے حاصل ہو دست بردار ہونا نہیں چاہئے۔ (Fitchte) فچ نے اپنے ہموطنوں کی جانچ اس قول سے بہت ٹھیک کی تھی کہ جرمنوں کو کبھی کسی چیز کی تنہا تمنا نہیں ہوتی اُن کو ہمیشہ اُس کی ضد کی بھی آرزو ہونا لازم ہی۔

اگلے زمانہ میں جرمن لوگ بہترین حارب اور یورپ کی نہایت جنگجو قوم تھی۔ عرصہ دراز تک اُنھوں نے بزور شمشیر وعلوئے خیالات اپنے آپ کو بر اعظم کی حکمراں قوم ثابت کیا ہی۔ جرمنوں نے دنیا کے ہر حصہ میں خون بہائے ہیں اور بیشمار میدانہائے جنگ میں فتوحات حاصل کیے ہیں اور سالہائے حال میں اس بات کا ثبوت دیا ہی کہ اخلاف میں اُن کے اسلاف کی جوانمردی اور دلاوری موجود ہی۔ اس جنگی قابلیت کے مقابلہ میں یہ تقابل قابلِ توجہ ہی کہ آج وہ امن پسند اور قریب قریب ضرورت سے زیادہ امن پسند قوم بن گئے ہیں۔ اُن کے جنگجویانہ ادراکات کو بیدار کرنے کے لیے انہیں سختی سے جھنجوڑنے اور اپنی جنگی قوت کا اظہار کرنے کے واسطے مجبور کرنے کی ضرورت ہی۔

اس روشن امن پسندی کے متعدد اسباب ہیں۔

اس کا ماخذ اول جرمن لوگوں کی نیک خصلتی ہی جس کی وجہ سے انہیں اصول سیاسی کے مباحثات اور فرقہ بندی میں ایک حظ حاصل ہوتا ہی مگر معاملات کو انتہائی درجہ پر پہنچانا ناپسند کرتے ہیں اس کا تعلق جرمن طبیعت کی ایک دوسرے خصوصیت سے ہی۔ ہماری غرض منصف مزاجی ہی۔ اور ہمارا یہ عجیب وغریب خیال ہی کہ کُل دیگر اقوام جن سے مبادلہ تعلقات رہتا ہی ہماری غرض میں ہمارے ہمخیال ہیں۔ ہم غیر ممالک کی حکمتِ عملی اور غیر ممالک کے اخبارات کے اطمینان دہ اقوال کو جو امن کے متعلق ہوتے ہیں ہمیشہ اپنے ذاتی خیالات امن سے کم صحیح وسچا نہیں سمجھتے اور ہم سختی سے اس خیال

کی تردید کرتے ہیں کہ دنیا کی انتظامی کل ذاتی فوائد سے چلتی ہے نہ کہ کریم النفسی کے اعلیٰ اغراض سے۔ گیٹی (Goethi) نے خوب کہا ہے کہ "انصاف جرمنوں کی ایک صفت اور جبلت ہے"۔ ہم ہمیشہ یہ فرض کر لینے پر مائل رہتے ہیں کہ سلطنتوں کے نزاعات کا پُرامن حل انصاف کی بنا پر ہے بلا اس صاف ادراک کے کہ بین الاقوامی انصاف کیا شئے ہے۔

علاوہ اُن اسباب کے جو جرمن لوگوں کی روح میں سرایت کیے ہوئے ہیں امن پسندی کی ایک اور وجہ اُن کی خواہش ہے کہ تجارتی معاشرت میں خلل نہ پڑے۔

جرمن لوگ دنیا کی تمام قوموں کے مقابلہ میں فطرتاً کاروباری ہیں۔ ابتدائے جنگ سی سالہ سے قبل ہی جرمنی دنیا میں شاید سب سے بڑی تجارتی طاقت تھی اور پچھلے چالیس سال کے اندر اُس نے اپنی سیاسی قوت کی تازہ توسیع سے تجارت میں حیرت انگیز ترقی کی ہے باوجودیکہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساحل کا ہمارے پاس ہے ہم نے چند سال میں دوسرے درجہ پر دنیا میں سب سے بڑا تجارتی بیڑا تیار کر لیا ہے اور ہمارے نوعمر کارخانے روئے زمین کی سلطنتوں کے بڑے بڑے کارخانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جرمنی کی تجارتی کوٹھیاں دنیا بھر میں قائم ہیں۔ جرمن تجار کرۂ ارض کے ہر حصہ میں سیاحت کرتے ہیں۔ درحقیقت ایک حصہ تھوک فروش تجارت کا جرمنوں کے ہاتھ میں ہے جن میں بہت سے اپنے ملک کے ہاتھ سے جا چکے ہیں۔ اس صورت سے ہماری قومی دولت نے سرعت کے ساتھ ترقی کی طرف قدم بڑھائے ہیں۔

ہمارے تجارتی کارخانوں کے مالکوں اور ملازمین کو گوارا نہیں کہ اِس ترقی

کا انقطاع ہو جائے۔ اُن کا اعتقاد ہی کہ امن تجارت کے لیے ضروری شرط ہی وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ تجارت میں ہم کو آزادانہ مقابلہ کا موقع دیا جائیگا اور اس پر غور نہیں کرتے کہ ہماری فیروزمند جنگیں کبھی ہمارے کاروباری معاشرت میں مخل نہیں ہوئی ہیں اور ہماری سیاسی قوت جو جنگ سے ازسرِنو حاصل ہوئی ہی ہماری تجارتی و کاروباری ترقی کو وجود امکان میں لائی ہی۔

عام جنگی خدمت ہی امن پسندی کی ممد ہی کیونکہ اس زمانہ میں مثل سابق جنگ کا اثر محض معینہ و محدود دائروں میں ہی نہیں ہوتا بلکہ کل قوم مساوات کیساتھ مبتلائے مصیبت ہوتی ہی۔ یہ خیال کہ جنگ بذاتہ جہالت کی نشانی ہی اور حوصلہ مند قوم کے شایان شان نہیں اور یہ کہ کسب کی خوش ترین کلیاں صرف حالت امن ہی میں کھل سکتی ہیں، اُس عالمگیر خیالِ امن کا اثر ہی جو زمانہ کی خصوصیات میں سے ہی۔

اِن آرأ و خواہشات کے مختلف النوع اثر سے معلوم ہوتا ہی کہ ہم نے اُس تعلیم کو طاقِ نسیاں پر رکھدیا ہی جو کبھی قدیم جرمن سلطنت کو فریڈرک اعظم سے حاصل ہوئی تھی اور جس کا استقبال اُسنے جرات و بیباکی سے کیا تھا۔ وہ تعلیم یہ تھی کہ سلطنتوں کے حقوق کا ادعا صرف زندہ قوت کر سکتی ہی" یہ کہ جو کچھ جنگ سے ہاتھ آیا ہی صرف جنگ ہی میں برقرار رہ سکتا ہی اور یہ کہ ہم جرمنوں کو سیاسی اور جغرافیائی حالتوں کی زنجیروں میں جکڑبند ہونے کی وجہ سے اپنے مفتوحات کے قائم رکھنے اور بڑھانے کے لیے بڑی سے بڑی کوششیں درکار ہیں۔ ہم اپنی جنگی تیاریوں کو قریب قریب ناقابل برداشت بوجھ خیال کرتے ہیں اور یہ جرمن ریشٹاگ (پارلیمینٹ) کا خاص فرض ہی کہ اُس کو حتی الامکان ہلکا کرے۔ معلوم ہوتا ہی ہم اس بات کو بھولے ہوئے ہیں

کہ ہماری آراستہ فوج کا ادراکی اضافہ کوئی ناگزیر مصیبت نہیں ہے بلکہ ہماری قومی صحت کے لیے بطور پیش بندی نہایت ضروری شرط ہے اور ہمارے بین الاقوامی اقتدار کی بھی ایک ضمانت ہے ہم جنگ کو قہر سمجھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اس کو کسب اور قوت کی ترقی کا ایک جزو اعظم تسلیم کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے امن کی یہ پُرشور ضرورت و نیز اس کے مسلسل جواز کی دیگر تحریکیں، خواہشیں اور کوششیں جو غیر اظہار پذیر اور بسا اوقات غیر ادراکی ہوتی ہیں جرمن لوگوں کے دلوں میں گہری جگہ لیے ہوئے ہیں اہل جرمنی کے مدۃ العمر کے خواب کی تعبیر جرمن قوموں کے بڑے حصہ کے الحاق اور جرمن سلطنت کی بنیاد پڑنے سے پوری ہو گئی۔ اُس زمانہ سے سب لوگوں کے دلوں میں (بلا استثنائے مؤیدین فرقہ مخالف قوم) طاقت تازہ اتحاد اور اضافی سیاسی قوت کا ایک مفخرانہ ادراک موجود ہے۔ اس ادراک کی پشت پناہی کے لیے یہ مصمم ارادہ ہے کہ ان تحصیلات کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے عام اعتقاد پھیلا ہوا ہے کہ جو حملہ ان فتوحات پر ہوگا اُس سے قوم کی قوم پُرجوش اتفاق کے ساتھ ہتیار لیکر اُٹھ کھڑی ہو گی۔ درحقیقت ہم سب کی یہ تمنا ہے کہ ہم دنیا میں اپنی موجودہ حالت بغیر لڑائی جھگڑے کے قایم رکھ سکیں اور ہم اس گمان میں ہیں کہ ہماری سلطنت کی قوت بلا اُس کے واسطے لڑے ہوئے برابر بڑھتی رہیگی ہم کو دل سے ایسے مقابلہ میں جھجک نہیں ہے مگر ہم اُس کو ایک قسم کے ساکت اطمینان سے دیکھتے ہیں اور دل میں یہ ٹھانے ہوئے ہیں کہ بغیر ضرب لگائے اپنا تنزل گوارا نہ کرینگے فوجی بھرتی کے لیے قوم سے جو اپیل کی جاتی ہے اُس کے جواب میں ہر جانب سے پُرشور صدائے لبیک بلند ہوتی ہے۔ یہ جذبہ بحیثیت ایک غیر ادراکی جوش اور

ارادہ کی دلوں میں نہ صرف شمالی حصہ میں گہری جگہ لیے ہوئے ہی جہاں ایک قابل فخر لائق اور جفاکش قوم نے شاندار روایتوں کے ساتھ پرشیا کے کامیاب جھنڈے کے نیچے نشوونما پائی ہی بلکہ جنوب میں بھی (جہاں کہ لوگوں نے چھوٹی چھوٹی قوموں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے صدیوں تک مصیبتیں جھیلی ہیں) متکبرانہ نخوت اور جرمن نسل کی حوصلہ مندی کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں موجود ہی۔ کہیں کہیں ایسے جذبات حاسدانہ شخصیت کے سایہ میں جو زیادہ امیرانہ اور کثیر سوشل میل جول سے پیدا ہو گئے ہیں خواب غفلت میں نظر آتے ہیں مگر بایں ہمہ اُن میں خفیہ جوش کی روح پائی جاتی ہی۔ اس صورت میں بھی عظیم الشان قومی ادراک کے جراثیم بیداری کے منتظر ہیں۔

ہماری قوم کی سیاسی قوت اگرچہ تحت سطح میں حیاتِ کُلّی رکھتی ہی مگر خارجاً اس امن پسندی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہی۔ وہ اپنے آپ کو بیکار نوٹوں اور سیاسی معاملات کے مباحث میں تباہ کرتی ہی۔ اب ہمارا کوئی صریح التعریف سیاسی اور قومی مقصد نہیں ہی جو تصور کو گرفت میں لائے یا لوگوں کے دلوں کو جنبش دے اور اُن کو متفقہ عمل پر مجبور کرے۔ یہ مقصد جرمن اتحاد کی اُمیدوں کی شکل میں اتحاد کے جدوجہد کے زمانہ تک عالم وجود میں تھا۔ ہماری قوم کی صحیح اور مسلسل نشوونما کے لیے بڑا خطرہ میرے نزدیک اُس کے انحطاط میں معلوم ہوتا ہی اور جسقدر ہماری سیاسی حالت کو دنیا میں خارجی پیچیدگیوں سے تہدید ہو گی اُسی قدر یہ خطرہ بڑھیگا۔

باوجود اس وقت کی پُرامن اُمیدوں کے دلِ عظمیٰ میں بڑی کشیدگی موجود ہی اور

یہ مشکل سے سمجھا جا سکتا ہی کہ اُن کی خواہشات جو آپس میں اسقدر متضاد ہیں اور جو بسا اوقات وحشیانہ
طور پر پیش کی جاتی ہیں ہمیشہ صُلح جویانہ طریقہ سے فیصل ہو سکیں گی۔

قوی ترین قوموں کی اس کشمکش میں جو ابتداءً صلح جویانہ طریقہ اختیار کرتی ہیں حتیٰ
کہ اُن کے نزاعات ناقابل صلح ہو جاتے ہیں۔ ہماری جرمن قوم ہر طرف سے اُلجھی ہوئی ہو
یہ نتیجہ سب سے پہلے ہمارے جغرافیائی موقع کا ہی کہ ہم مخالف حریفوں کے بیچ میں ہیں نیز اسکی
وجہ یہ بھی ہی کہ ہم (جا بہ ہے سب سے آخیر میں لانے والے اور حقیقی نوخیز ہوں) زبردستی اُن
سلطنتوں میں گھسے ہوئے ہیں جو پہلے سے اپنی جگہ لے چکی ہیں۔ اور اب اس دنیا کی حکومت
میں ہمارے حصہ کی بھی بعد اس کے کہ صدیوں سے فہم ودکا کی سلطنت میں ہم سربرآوردہ
رہے ہیں، دعویدار ہیں۔ اس صورت سے ہم نے اُن کے ہزاروں فوائد کو مضرت پہنچائی
ہی اور سخت خصومتیں پیدا کری ہیں۔ سیاسی حالت پر اس کا کیا اثر ہوا ہی اس کی تفصیل
آئندہ باب پر چھوڑ دی جاتی ہی مگر ایک بات بغیر کسی اور لحاظ کے بیان کی جا سکتی ہی۔ اگر
سخت حل موجودہ مشکلات کا اختیار کیا جائے، اگر سیاسی نازک موقع بڑھکر جنگی کارروائی
کی صورت میں ظاہر ہو تو جرمنی کو اُن کل فوجوں کے بیچ میں جو اُن کے مقابل لائی جائینگی
خطرہ ہوگا۔ مگر اس تنازعہ کا انجام جرمنی کے کل مستقبل کے لیے من حیثیت السلطنت و
من حیثیت القوم فیصلہ کُن ہوگا۔ اس تنازعہ سے ہم یا تو بہت زیادہ لے لینگے یا بہت
زیادہ دے بیٹھینگے۔ ہم بڑے خطروں سے گھر جائینگے اور اس جھگڑے سے فتحیابی کیساتھ
اس صورت سے نکل سکتے ہیں اور دنیا میں حکمراں حیثیت قایم رکھنے کے لیے کامیابی سے جنگ
ہفت سالہ جاری رکھ سکتے ہیں تاکہ ہم کو اپنے قیاسی دشمن پر سپاہیوں کی حیثیت سے سبقت
کا موقع ملجائے اور فوج کی مدد جو نبرد آزما ہوگی قوم کی کل مادی اور روحانی قوتوں سے کیجائے

اور فتح کا عزم صرف ہماری فوجوں ہی میں نہو بلکہ کل متحدہ قوم میں جو اپنے تمام عزیز ترین مقبوضات کی خاطر ان فوجوں کو لڑنے کے لیے بھیجتی ہی۔ یہ وہ باتیں نہیں جن سے مجھے جنگ پر تہذیب کے نقطۂ خیال سے غور کرنے کی ترغیب ہوئی یا باعتبار تاریخ اور سب سے بڑی مہذب قوم ہونے کی یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اُس کا تعلق اُن موجودہ اور آیندہ کار ہائے دشوار سے ہی جو خدا نے اہل جرمن کے لیے ودیعت کیے ہیں۔ اس نقطۂ خیال سے اول مجھے امن کی خواہشات پر اُن کے حقیقی اخلاقی اہمیت کے مطابق نظر ڈالنا ضروری ہی۔ ان خواہشات نے معلوم ہوتا ہی ہمارے زمانہ پر تسلط کرلیا ہی اور اہل جرمنی کے دلوں میں زہریلا اثر پیدا ہونے کا احتمال ہی۔ مجھے اس بات کے ثابت کرنیکی کوشش کرنا چاہیئے کہ قوموں کی زندگی میں جنگ محض ضروری عنصر ہی نہیں بلکہ کسب کا ایک ناگزیر جزو ہی جس میں ایک حقیقی مہذب قوم کی قوت اور حیات کا اظہار اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہی۔ مجھے جرمنی کی گزشتہ تاریخی واقعات سے جن کا تعلق موجودہ حالات سے ہوسکتا ہی مسئلہ کے اُن پہلوؤں کو دیکھنا چاہیئے جو ہمیں مستقبل کی نامعلوم سرزمین میں لیجاتے ہیں۔

سلطنتوں کا ماضی ہلاک نہیں ہوسکتا وہ زندہ رہتا ہی اور مخفی قوانین کے مطابق کام کرتا رہتا ہی اور حال بھی اپنے قوی الاثر فرائض عاید کرتا ہی۔ کسی شخص کو واقعات وحالات کے دباؤ سے سر تسلیم خم کرنے کی ضرورت نہیں ہی حتیٰ کہ سلطنتیں مثل فرضی رستوں کے افتراق شوارع پر کھڑی ہوجاتی ہیں۔ وہ چاہے ترقی چاہے تنزل کی راہ اختیار کریں۔ دنیا میں خوش حالی اقوام کی زندگی میں صرف انسانی ادراکی کوشش سے با اثر ہوسکتی ہی لہٰذا ہماری ترقی کے اس افتراق شوارع پر جہاں ہم کھڑے ہیں مجھے ضروری اور نفع دہ معلوم ہوا کہ میں اُن مختلف راہوں پر روشنی ڈالوں جو ہماری قوم کے لیے کھلی ہوئی ہیں۔ ہر ایک

قوم کو اپنے فعل کے قیاسی نتائج کا پورا ادراک ہونا چاہیئے اور اُسی صورت میں وہ اپنی آیندہ ترقی کے عظیم الشان فیصلوں پر غور و خوض کی نظر ڈال سکتی ہے اور آگے کی طرف اپنی قسمت کو صاف نگاہ سے دیکھکر ہر قسم کی قربانیوں کے لیے جن کا زمانہ حال یا مستقبل متقاضی ہو تیار رہ سکتی ہے۔ ان قربانیوں کا انحصار جہاں تک اُن کا تعلق فوجی اور مالی دائرہ میں ہے اس خیال پر ہے کہ حال اور آیندہ میں جرمنی کو کیا جد و جہد کرنا پڑے گی اور کیا حاصل کرنا ہوگا۔ وہ لوگ جو اہل جرمنی کے فرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق میرے ہمخیال ہیں و نیز میرے اس اعتقاد کے کہ اُن فرائض اور ذمہ داریوں کی تکمیل بلا تلوار اُٹھائے نہیں ہو سکتی میرے دلائل و نتائج کا خالص جنگ کی حد کے اندر صحیح اندازہ کر سکتے ہیں اور اُن مالی مطالبات کی بھی کافی جانچ کر سکتے ہیں جو اُس میں مضمر ہیں۔ پوری جنگی ضروریات کا منشا اور اُن کا جواز اُسی وقت قابل تسلیم ہو سکتا ہے جب کہ وہ مدلل طور پر سلطنت کی پوری سیاسی و اخلاقی ترقی سے وابستہ ہوں۔

باب اوّل

جنگ کرنے کا حق

۱۷۹۵ء میں جب سے امینول کانٹ (Immanuel Kant) نے بڑھاپے میں اپنا رسالہ "دوامی امن" پر نکالا تھا بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہوگیا کہ جنگ کُل بھلائیوں کی بیخ کن اور تمام برائیوں کی خلق کُن ہے۔ تاریخی تعلیمات کے باوجود اس بات پر اعتقاد نہیں ہوتا کہ اقوام کے درمیان جنگ کوئی ناگزیر امر ہے۔ ان حضرات کے نزدیک تہذیب کی نشو ونما کا سہرا ایسی قوت کے سر ہے جس کے آگے جنگ کو سر تسلیم خم کرنا واجب ہے۔ مگر انسانی رایوں اور تغیرات زمانہ کی روک ٹوک کے بغیر جنگ نے ہتیاروں کی جھنکار کے ساتھ ملک بملک کوچ کیا ہے۔ اور اپنی تباہ کن نیز ایجادی قوت کا ثبوت دیا ہے۔ نوع انسانی کو یہ بتانے میں کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔ اُسے کامیابی نہیں ہوئی جنگ کے طویل زمانوں نے انسان کو بجائے جنگ کی ضرورت کا یقین دلانے کے ہمیشہ اس خواہش کو تازہ کیا ہے کہ جہاں کہیں ممکن ہو جنگ کو اقوام کے سیاسی تعلقات سے خارج کر دیا جائے۔

یہ خواہش اور اس امید کی اشاعت آج کل دور دور کی گئی ہے۔ قیام امن کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ سیاست کا منتہائے مقصود سوائے اس کے کچھ اور نہونا چاہیئے۔ امن کی اس نامعقول تمنا نے اس زمانہ میں لوگوں کے دلوں پر عجیب و غریب قابو پالیا ہے۔ اس آرزو کا اظہار پبلک طور پر امن کی لیگوں اور امن کی کانگریسوں میں کیا جاتا ہے۔ ہر ملک اور ہر پارٹی کے اخباروں کے کالم اس کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ درحقیقت اس معاملہ میں اسقدر غلو سے کام لیا جاتا ہے کہ کثیر تعداد گورنمنٹیں گو بظاہر یہ کہتی ہیں کہ ہماری پالیسی کا حقیقی منشا قیام امن کی ضرورت ہے۔ اور جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو حملہ آور کو سب میں بدنام کیا جاتا ہے۔ اور کل گورنمنٹیں کچھ تو سچ مچ اور کچھ

جھوٹ موٹ بھڑکتی ہوئی آگ بجھانے میں زور لگاتی ہیں مگر یہ یقینی امر ہی کہ صلح جویانہ خیالات
اُن کے فعل کا ہرگز منشا نہیں ہوتے۔ وہ اکثر امن کی ضرورت سے کام لیتے ہیں مگر اس کے پردہ
میں اپنے سیاسی اغراض کی ترقی مقصود ہوتی ہی۔ ہیگ کانگریسوں کی یہی غرض تھی اور نیز
ممالک متحدہ امریکہ کا عمل بھی اسی پر دال ہی جنھوں نے حال میں دل سے یہ کوشش کی ہی کہ ثالثی
عدالتیں قایم کرنے کے لیے معاہدات کیے جائیں۔

سب سے پہلے اور سب سے آگے تو انگلستان سے مگر جاپان فرانس اور جرمنی سے بھی یہ کہا
جاسکتا ہی کہ اب تک کوئی عملی نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔

مشکل سے یہ خیال کیا جاسکتا ہی کہ ان کوششوں کی محرک حقیقی خواہش امن ہوتی ہی۔ اور
یہ اس طرح معلوم ہوجاتا ہی کہ وہی دول جو بوجہ کمزور تر ہونے کے حملہ کی زد میں ہیں اور اس لیے
بین الاقوامی تحفظ کی سب سے زیادہ ضرورت رکھتی ہیں۔ عدالتہائے ثالثی امریکہ کی تجاویز میں
نظر انداز کردی گئی ہیں۔ اس لیے یہ سمجھا جاسکتا ہی کہ واقعی تجارت کی سیاسی غرض اہل امریکہ
کے لیے ایسی تدابیر اختیار کرنے میں محرک ہوئی اور "دغاباز انگلستان" کو ان تجاویز کے
منظور کرنے کی ترغیب ہوئی۔ ہمارا خیال ہی کہ انگلستان کا ارادہ جرمنی سے مبتلائے جنگ
ہونے کی صورت میں اپنے ساق کے تحفظ کا تھا۔ لیکن امریکہ کی خواہش تھی کہ وہ مطلق العنان
رہے تاکہ وسطی امریکہ میں اپنی فرمانروائی کی پالیسی کو بغیر مزاحمت کے جاری رکھ سکے۔ اور نہر پناما
کے متعلق اپنے منصوبے محض امریکہ کے اغراض کے لیے بلا اشتراک غیرے پورے کرسکے
یقیناً دونوں ممالک یہ اُمید جمائے ہوئے تھے کہ ایک کو دوسری فریق معاہدہ نویس کے
مقابلہ میں فائدہ پہنچے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے واسطے شیر کا حصہ لینے کا متوقع تھا۔ اُصولی
اور پرجوش لوگوں کے خیال میں پریسیڈنٹ ٹافٹ کی کوشش ایک بڑا قدم ہی بودائمی
امن کے راستہ پر آگے بڑھا ہے۔ اور لوگ سرگرمی کے ساتھ اُس سے اتفاق رائے کرتے
ہیں۔ حتیٰ کہ انگلستان کے وزیر خارجیہ نے خالص مصنوعی خیالات سے ممالک متحدہ کی

کارروائی کو بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ سے تعبیر کیا ہی۔ امن کی اس آرزو نے بہت سی قوموں میں اختلاط خون پیدا کردیا ہی اور اُن میں جوش اور سیاسی جرأت کا وہ تنزل معلوم ہوتا ہی۔ جو اپی گونی (Epigoni) قوم سے اکثر ظاہر ہوا ہی۔ ایچ وان ٹریٹس چکی (H. von Treits Chke) کہتے ہیں کہ "ہمیشہ سے خستہ بجھے ہوئے اور فرسودہ زمانوں نے دائمی امن کے خواب کی لذّت اُٹھائی ہی"۔ ہر شخص حدود کے اندر اس بات کو تسلیم کریگا کہ وہ کوششیں جو خطرات جنگ کی بیخکنی اور جنگی مصائب کے کم کرنے کے واسطے قابل پذیرائی ہیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ یہ امر محتاج تردید نہیں ہی کہ جنگ عارضی طور پر کاروباری زندگی میں ابتری پیدا کرتی ہی۔ خاموش نظام خانہ داری کی ترقی میں مخل ہوتی ہی۔ اپنے ہمراہ وسیع السیر مصیبت لاتی ہی اور انسان کی قدیم شقاوت کو زور کے ساتھ ظاہر کرتی ہی۔ لہذا یہ تمام حجت نہایت خوشگوار ہی کہ ایسی جنگیں جن کے اسباب خفیف ہوں ناممکن کردی جائیں اور اُن مصیبتوں کے محدود کرنیکی کوششیں کی جائیں جو لامحالہ جنگ کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مگر کوششیں اُس حد تک ہوں جہاں تک کہ اصلی جنگ کی نوعیت کے موافق ہوسکتی ہیں۔ ہیگ کے ضلع کی کانگریس نے جو کچھ اس محدود دائرہ میں کیا ہی جنگ کی ہر ایک جائز ترقی کے لیے عام شکریہ کی مستحق ہی۔ لیکن اگر غرض یہ ہی کہ جنگ بالکل اُڑادی جائے اور تواریخی ترقی میں اُس کی ضروری جگہہ سے انکار کیا جائے تو یہ بالکل دوسری بات ہی۔

یہ خواہش اُن عام قوانین کے صریح منافی ہی جن کے کل ذی روح تابع ہیں۔ جنگ سب سے زیادہ اہم حیاتی ضرورت ہی۔ وہ نوع انسان کی زندگی میں ایسا نظامی عنصر ہی جو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ بغیر اُس کے صحیح افزایش نہیں ہوسکتی۔ جس سے نسل کی ہر ایک ترقی اور اس لیے کل حقیقی تہذیب باز رہ سکتی ہی "جنگ اُم الاشیا ہی"۔ قدیم دانشمندوں نے ڈارون سے بہت زمانہ پہلے اس کو تسلیم کیا ہی۔ موجودات عالم میں تنازع للبقا ہر قسم کی صحیح ترقی کی بنیاد ہی۔ کُل چیزیں جو کائنات وجود میں ہیں بتلا رہی ہیں کہ ہم متخاصم قوتوں کا نتیجہ ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس انسان کی زندگی میں مجادلہ محض تباہ کن نہیں بلکہ زندگانی بخش اصول ہے۔
گیٹی (Goethe) کا قول ہے کہ "ہٹا دینا یا ہٹا دیا جانا زندگی کا جوہر ہے"۔ اور قوی
زندگی کو غلبہ ہوتا ہے۔ قوی تر کا قانون ہر جگہ جاری و ساری ہے وہ جانیں سلامت رہتی ہیں جو
اپنے واسطے زندگی کے بہترین مواقع حاصل کر لیتی ہیں اور کائنات کی عام نظامی حالت میں
اپنے وجود کو جتلاتی ہیں۔ کمزور تر فنا ہو جاتی ہیں اس مجادلہ کے نظام اور روک کی باگ قوانین
حیات و مخالفانہ قوتوں کے غیر ادراکی حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ نباتاتی و حیواناتی دنیا میں یہ عمل غیر
ادراکی ہلاکت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ نسل انسانی میں اس کا عمل ادراکی طور پر ہو جاتا ہے اور
نظام آئین تمدن کی متابعت سے قوی الارادہ و قوی الدماغ شخص ہر ذریعہ سے اپنے وجود
کے جتلانے کی کوشش کرتا ہے۔ حوصلہ مند لوگ عروج کے لیے جدّ و جہد کرتے ہیں اور اس کوشش میں
انسان محض ادراک حق کی رہنمائی سے دور ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگوں
کے کار زندگانی و مجادلہ زندگانی کا نصب العین کریم النفسی و اعلیٰ اغراض ہوتے ہیں مگر اس سے
کہیں زیادہ کم شریفانہ خیالات مثلاً مقبوضات کی لت، تفریح و اعزاز، حدو تشنگی انتقام انسانوں
افعال کا نصب العین ہوتے ہیں۔ شاید اس سے اور بھی زیادہ زندہ رہنے کی ضرورت ہے جو اعلیٰ
ترکیب کی طبیعتوں کو زندگانی اور تفریح کے مجادلہ میں ڈال کر پستی کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔
اس بارہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ قوم افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور سلطنت
جماعتوں پر۔ جس غرض کا اثر ہر ممبر پر فرداً فرداً ہوتا ہے وہ کل جماعت میں مجموعی حیثیت سے
نمایاں ہوتی ہے۔ وہ چیز جس کے تابع در اصل اقوام کے تعلقات ہیں مقبوضات، قوت اور
فرمانروائی کا مستقل مجادلہ ہے۔ اور حق کا احترام صرف اس حد تک کیا جاتا ہے جہاں تک کہ وہ
انتفاع کے منافی نہ ہو۔ جب تک صفحہ ہستی پر انسانی جذبات و خواہشات رکھنے والے نفوس
سلامت ہیں۔ جب تک ایسی قوتیں عالم وجود میں ہیں جو چستی و چالاکی کے وسیع دائرے کے
لیے جدوجہد کرتی ہیں۔ اس وقت تک مخالفانہ و مجادلانہ خیالات ظہور میں آتے رہینگے اور

جنگ کے مواقع پیدا ہوتے رہینگے۔

قدرتی قانون جس کی صورت میں کل کائناتی فطرت کے قوانین آ سکتے ہیں قانون مجادلہ ہی۔ کل اندرونی سوشل صفات کل خیالات، ایجادات اور انتظامات اور درحقیقت خود سوشل نظام اندرونی سوشل مجادلہ کا نتیجہ ہیں۔ جس میں ایک سلامت رہتا ہی اور دوسرا مردود یا فنا کر دیا جاتا ہی۔ بیرونی سوشل یا بالاتراز سوشل مجادلہ جو سوسائٹیوں، قوموں اور نسلوں کی خارجی ترقیوں میں رہتا ہوتا ہی جنگ ہی۔ اندرونی ترقی یا دوسرے الفاظ میں اندرونی سوشل مجادلہ انسان کا روزانہ کام ہی جو مجادلۂ خیالات، جذبات، خواہشات، سائنس اور چستی و چالاکی سے تعبیر کیا جا سکتا ہی۔ بیرونی ترقی یا بالاتراز سوشل مجادلہ خونی مجادلہ اقوام یعنی جنگ ہی اس مجادلہ کی ایجادی قوت کن اشیا میں ہی؟ نشو و نما اور فرسودگی میں، ایک جزو کی فتح اور دوسرے کی شکست میں۔ یہ مجادلہ خلق کرنے والا ہی۔ کیونکہ وہ باعثِ استخراج ہوتا ہی۔

اس سوشل نظام کے جہاں سب سے زیادہ قابل لوگ سب سے بڑا اثر رکھتے ہیں اندرونی مجادلہ میں سب سے زیادہ حیات کا ثبوت ملیگا۔ بیرونی سوشل مجادلہ یعنی جنگ میں اُس قوم کو فتح نصیب ہوگی جس کا پلۂ میزان سب سے زیادہ جسمانی، دماغی، اخلاقی، مادی اور سیاسی قوت سے بھاری ہوگا اور جو بدیں وجہ سب سے بہتر طریقے پر اپنا تحفظ کر سکے گی۔ ایسی قوم کے لیے جنگ موافق حیاتی صورتیں، وسعت کے لیے بڑے امکانات اور وسیع اثرات فراہم کردیگی اور اس طرح سے نوعِ انسان کی ترقی میں مدد دیگی۔ کیونکہ یہ کھلی ہوئی بات ہی کہ وہ دماغی و اخلاقی اجزا جن سے جنگ میں تفضیلت امر یقینی ہو جائے وہی اجزا ہیں جو ترقی پذیر افزائش کو دائرہ امکان میں لاتے ہیں۔ اُن سے فتح کا تمغہ ملتا ہی کیونکہ اُن میں ترقی کے عناصر موجود ہوتے ہیں عدم جنگ کی صورت میں ادنیٰ اور تنزل پذیر قومیں صحیح اُبھرنیوالی قوموں کے نشو و نما کا گلا گھونٹ دیتی ہیں اور عام تنزل اس کا نتیجہ ہوتا ہی شلجیٹ (von Shelget) کا قول ہی کہ "جنگ اتنی ہی ضروری ہی جتنا کہ فطرت میں عناصر کا مجادلہ"۔ درحقیقت یہ بدیہی امر ہی کہ قوموں اور سلطنتوں میں امنیت کی رقابت جیسی کسی

سوسائٹی کے کل معاشرتی طبقوں میں ہوتی ہی ممکن ہی - اور یہ ایک ایسا مجادلہ ہی جو ضرور نہیں کہ بگڑ کر جنگ کی صورت اختیار کرے - مجادلہ اور جنگ دونوں ایک چیز نہیں ہیں - مگر رقابت اُن حالتوں کی وجہ سے وقوع میں نہیں آتی جو اندرونی مجادلہ کا باعث ہوتی ہیں - اور اس لیے اس کے وہی نتائج نہیں ہو سکتے - افراد اور گروہوں کی رقابت کے اوپر جو حدود سلطنت میں ہیں وہ قانون سے ہے جو ظلم کو حدود معینہ کے اندر رکھتا ہی اور جس کا منشا یہ ہی کہ حق غالب رہے - قانون کے پیچھے قوت سے مسلح سلطنت ہوتی ہی - اُس قوت سے وہ جائز طور پر صرف تحفظ ہی کا کام نہیں لیتی بلکہ سوسائٹی کے اخلاقی و روحانی فوائد کو بھی سرگرمی سے مدد پہنچاتی ہی - مگر کوئی عادل قوت ایسی نہیں ہی جو ظلم کی روک کے لیے سلطنتوں کی رقابت پر تلی ہو - اور اُس رقابت سے ادراکی نیت کے ساتھ نوع انسان کے اعلیٰ ترین مقاصد کو فائدہ پہنچائے سلطنتوں کے درمیان بس زور ہی ظلم کی روک ہی ویا مقتضائے اخلاق و تہذیب ہر ایک قوم کو اپنا اپنا فرض ادا کرنا اور اپنے اپنے مقاصد و خیالات کو مدد پہنچانا لازم ہی - اگر ایسا کرنے سے دوسری سلطنتوں کے خیالات و آرا اور اس کے خیالات و آرا میں تصادم واقع ہو جائے تو اس کو یا تو سر اطاعت خم کرنا لازم ہی یا رقیب قوم یا سلطنت کی فوقیت کو تسلیم کرنا یا سختی سے کام لینا اور حقیقی مجادلہ یعنی جنگ کے مقابلہ میں آنا ضروری ہی تاکہ اس کی رائیں غالب ہیں کوئی قوت ایسی نہیں ہی جو سلطنتوں کے درمیان فیصلہ کر سکے اور اپنے فیصلوں کو منوائے - درحقیقت خرابی و فرسودگی کے ارواح خبیثہ پر حقیقی عناصر ترقی کا غلبہ حاصل کرنے کے لیے سوائے جنگ کے کوئی چارہ نہیں -

یہ ہو سکتا ہی کہ کئی کمزور قومیں کسی کمزور تر قوم کو شکست دینے کے لیے مل جائیں اور مجموعی حیثیت سے اُس کے مقابلہ میں برتر ثابت ہوں - اس کوشش میں کچھ عرصہ تک کامیابی ہو سکتی ہی مگر آخر میں کثیر تر زندہ دلی کو غلبہ ہوگا متحدہ مخاصمین میں خرابی کے تخم موجود ہوتے ہیں اور قوی قوم میں عارضی شکست سے تازہ قوت آجاتی ہی جس سے اُس کو اعدادی فضیلت پر آخر میں فتح

ہوتی ہی۔ جرمنی کی تواریخ اس صداقت کی جیتی جاگتی تصویر ہی۔ لہذا مجادلہ فطرت کا ایک عام قانون ہی اور ذاتی حفاظت خیال جو منجر بہ مجادلہ ہوتا ہی زندگانی کی قدرتی شرط تسلیم کیا گیا ہے وہ انسان جنگجو ہے۔ "نفس کشی جان کو ہاتھ سے دینا ہی خواہ شخصی حالت میں ہو خواہ سلطنتوں کی صورت میں جو افراد کا مجموعہ ہیں۔ سب سے پہلا اور افضل قانون اپنی خود مختار زندگی کا جتلانا ہی۔ صرف خود شناسی سے سلطنت اپنے شہروں کے لئے شرائط زندگی قائم رکھ سکتی ہی اور اُس قانونی حفاظت کا اطمینان دلا سکتی ہی جسکے مانگنے کا ہر شخص کو مجاز حاصل ہی۔ خود شناسی کا یہ فرض محض مخاصمانہ حملوں کے پسپا کر دینے سے کسی طرح پورا نہیں ہوتا اُس کے ساتھ یہ فرض بھی لگا ہوا ہے کہ کل قوم کو جو سلطنت کے دائرہ حکومت میں ہی زندگانی اور ترقی کے امکان کا اطمینان دیا جائے۔

مضبوط، تندرست اور اقبالمند قوموں کے افراد کی تعداد بڑھتی ہی۔ کسی خاص وقت سے وہ اپنی سرحدوں کی مسلسل توسیع چاہتی ہیں۔ ان کو اپنی فاضل آبادی کی رہائش کے لئے نئے ملک کی ضرورت ہوتی ہی۔ چونکہ کرۂ ارض کا تقریبًا ہر ایک حصہ آباد ہی نیا ملک قاعدتًا مالکان کو نقصان پہونچا کر ہاتھ آتا ہی۔ یعنی بذریعہ تسخیر جو اس صورت سے قانونِ ضرورت ہو جاتا ہی تسخیر کا حق عام طور پر تسلیم کیا گیا ہی۔ اور مستخرین کا عملدرآمد نرم ہوتا ہی۔ وہ ممالک جنکی آبادی کثرت سے بڑھ جاتی ہی تارک الوطنوں کی کھیپیں کی کھیپیں دیگر سلطنتوں اور سرزمینوں میں بھیجتے ہیں۔ یہ نئے ملک کے واضعان قوانین کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں بلکہ اصل باشندوں کی نقصان رسانی سے اپنے لئے موافق شرائط زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ فعل تسخیر کے مساوی ہی۔

نوآبادیوں کا حق بھی مسلمہ ہی۔ وسیع اراضیات جو ادنیٰ طبقہ کے غیر مہذب لوگوں سے آباد تھیں اب نہایت مہذب سلطنتوں کے قبضہ میں ہیں اور اُن کے زیر حکومت کر دی گئی ہیں۔ اعلیٰ تہذیب اور اُسی کے موافق اعلیٰ قوت الحاق کی بنیادیں ہیں۔ یہ حق اس میں

شک نہیں بہت ہی مبہم ہی اور اسکا تعین ناممکن ہی کہ کس مقدار کی تہذیب سے الحاق اور قبضہ جائز ہو سکتے ہیں اسلیئے کوئی معقول حد ان بین الاقوامی تعلقات کی معلوم کرنا ناممکن ہی۔ اسی سبب سے بہت سی جنگیں ظہور میں آئی ہیں مسخر قوم تسخیر کے اس حق کو نہیں مانتی اور قوی تر مہذب قوم مسخر قوم کی خود مختاری کے دعوے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہی۔ یہ معاملہ نہایت ہی نازک ہو جاتا ہی درآں حالیکہ مرور زمانہ سے تہذیب کی حالتیں بدل جاتی ہیں محکوم قوم شاید زندگانی کے اعلیٰ طریقے اور خیالات اختیار کرلیتی ہے اور تہذیب کا فرق بدیں وجہ گھٹ جاتا ہی۔ معاملات کی یہ صورت برطانوی ہندوستان میں پختہ ہو رہی ہی۔

آخرالامر حق تسخیر بذریعہ جنگ مانی ہوئی بات ہی۔ یہ ہو سکتا ہی کہ کوئی پھیلنے والی قوم غیر مہذب قوموں سے نئی آبادیاں نہ لے سکے اور باایں ہمہ فاضل آبادی جنھیں انکا اصلی ملک آگے کو کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا برقرار رکھا جائے اُس صورت میں صرف یہی طریقہ ہی کہ ضروری آراضی کو بذریعہ جنگ حاصل کیا جائے۔ اس طرح سے اپنی حفاظت کی تمیز ناگزیر طور پر جنگ اور غیر ملکی زمین کی تسخیر کا باعث ہوتی ہی۔ اُس حالت میں حق فاتح کی طرف ہی نہ بجانب مالک۔ خائف لوگ گیتی کے مصرعوں کا منشا سمجھ سکتے ہیں "وہ جو تمھیں اپنے بزرگوں سے قابض و مالک ہونیکے لئے پہونچا ہی اُسے لیا جانا چاہیئے"۔ طرابلس میں اٹلی کا طرز عمل اسی قسم کا تھا اور جرمنی مراکش کے معاملہ میں اسی قسم کے ارادہ پر اٹھ نہ سکا۔ اِن حالتوں میں طاقت سے حق قبضہ یا تسخیر حاصل ہوتی ہی۔ طاقت ہی افضل ترین حق ہی اور اس مباحثہ کا فیصلہ کہ حق کیا چیز ہے لہٰذا جنگ سے ہوتا ہی۔ جنگ از روئے علم حیات منصفانہ فیصلہ دیتی ہی کیونکہ اُس کے فیصلوں کی بنا خود فطرت پر ہوتی ہی جس طرح کہ خاص خاص حالتوں میں آبادی کی زیادتی جنگ کیلیئے قابل اطمینان دلیل ہوتی ہی اسیطرح صنعت و حرفتی حالتیں خواہی نخواہی یہی نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔

امریکہ، انگلستان و جرمنی میں جو خاص تجارتی ملک ہیں کثیر التعداد کاریگروں اور

عوام الناس کیلئے کارخانوں میں اُجرت کا کام ملتا ہی۔ وہاں کے باشندے کارخانوں کی بنائی ہوئی کُل چیزیں صرف نہیں کرسکتے۔ لہذا کارخانوں کا انحصار زیادہ تر برآمد مال پر ہوتا ہی۔ اُسوقت تک کاروبار اور نوکریاں ملجاتی ہیں جبوقت تک ایسے گاہک ہاتھ آتے ہیں جو خوشی سے انکی تیار کردہ چیزیں لیلیں کیونکہ ان کے مصارف غیر ملک ادا کرتا ہی مگر اس غیر ملک کو اس خراج سے آزاد ہونے اور اپنی کل ضروریات کی چیزیں تیار کرنیکا بیحد خیال ہوتا ہی۔ اسلئے ملکی حرفتیں قائم کرنے اور اُن کو محصولات سے بچانے کے لئے عام کوشش کیجاتی ہی۔ لیکن غیر ملک اسکے برخلاف بازار اپنے ہاتھ میں رکھنے، مقابلہ کرنیوالی حرفتوں کے پامال یا کمزور کرنیکی کوشش کرتا ہی۔ اور اس طور پر اُسے گاہکوں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے یا نئے گاہک پیدا کرنے کی سعی ہوتی ہی۔ یہ ایک تلخ مجادلہ ہی جو دنیا کے بازاروں میں پھیلا ہوا ہی۔ محصولات کی جنگوں میں اُس نے اکثر حالتوں میں مخاصمانہ صورتیں بھی اختیار کرلی ہیں اور آیندہ زمانہ میں یہ مجادلہ یقینی سخت ہوجائیگا۔ بڑے تجارتی ملک ایک طرف باہر والوں پر اپنے دروازے بند کردینگے اور دوسری طرف اُن ممالک میں جو ابھی تک پستی کے درجہ میں ہیں حرفتیں بڑھینگی اور اس طرح یہ ملک سستی محنت اور کثرت ساخت کی وجہ سے بمقابلہ پُرانے حرفتی ممالک کے مال سستا بیچ سکیں گے۔ یہ آخر الذکر سلطنتیں تجارتی دنیا میں اپنے آپ کو معرضِ خطر میں پائیں گی اور برآمدی ملک کے کاریگروں کے حالات معاشرت قابل اطمینان نہ رہینگے۔ ایسی سلطنت کو دلوگوں کے دوسرے ملکوں کو چلے جانے کی وجہ سے، نہ صرف اپنی آبادی کے ایک قیمتی حصہ سے محروم ہونیکا اندیشہ ہی بلکہ بوجہ کمی مال و منافعات مہذب و سیاسی دنیا میں اپنے اقتدار سے گر جانے کا بھی خطرہ ہی اس حالت میں ہم آجکل ترقی کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ ہم اس امکان کو رد نہیں کرسکتے کہ کوئی سلطنت اپنی آبادی کے لئے اُجرتی کام فراہم کرنے کی ضرورت سے جنگ کرنے پر مجبور ہوسکتی ہی۔ اگر مراکش میں بہ نسبت آج کے زیادہ قیمتی فوائد معرض خطر میں ہوتے

اور ہماری تجارت کو واقعی اندلیشہ ہوتا تو جرمنی مراکش کے بازار میں بغیر مجادلہ کے بدقت فرانس کو نہایت عمدہ موقع دینے پر رضامند ہوتا۔ اگر انگلستان کی ہندوستانی تجارت کو جسکا قبضہ میں رکھنا اس کی عالمگیر سلطنت کی بناء ہی کسی حملہ کا ڈر ہوتا تو وہ بھی اس میں شک نہیں جنگ سے نہ جھجکتا جس طرح وہ جنوبی افریقہ میں سونے اور ہیرے کی کانوں کے مالکانہ حق پر لڑا تھا۔ لہذا یہ علم کہ جنگ کا انحصار حیاتی قوانین پر ہی اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ جو کوشش اسکو بین الاقوامی تعلقات سے خارج کرنے کی کیجائیگی بدلائل غیر استوار ہوگی لیکن وہ صرف حیاتی قانون نہیں ہی بلکہ اخلاقی فرض ہی اور اس حیثیت سے تہذیب کا جزو لاینفک ہی۔

جو رائے کا پہلو اس خیال کے بارے میں اختیار کیا گیا ہی اُسکا قریبی تعلق اُس رائے سے ہی جو زندگی کے متعلق عام طور پر ہی۔ اگر ہم کسی شخص یا قوم کی زندگی کو کوئی محض مادی چیز یا ایسا وقوعہ جسکا انجام موت یا جسمانی انحطاط ہو خیال کریں تو ہم کو از روئے منطق سمجھنا پڑیگا کہ انسان کا منتہائے مقصود ایک نہایت خوش و خرم زندگی کا لطف اور حتی الامکان تکالیف جسمانی کا دماغ ہوتا ہی۔ ایسی صورت میں سلطنت ایک قسم کا اطمینان دلانے والا دفتر سمجھا جائیگا اور وہ اس بات کی ضمانت ہوگا کہ ہم زندگی کا لطف بلا اسکے کہ کوئی ہمیں ستائے اعلیٰ پیمانہ پر اُٹھائیں سلطنت کے جبریہ فرایض اطمینان مال و جان تک محدود ہونا چاہیں سلطنت ایک قسم کی قانونی عدالت سمجھی جائیگی اور شخص مخصوص جنگ کو بڑی سے بڑی ممکن التصور بُرائی خیال کرنے پر مائل ہوگا۔ برخلاف ازیں اگر ہم انسانوں اور سلطنتوں کی زندگی کو مجموعی وجود کا محض ایک جزو خیال کریں جسکے انتہائی مقصود کی بنا ر لطف زندگی پر نہیں اور کل لطف کو بوقلموں حالاتِ زندگی کے ضروریات میں سے سمجھیں تو سلطنت کا اہم کام نہایت مختلف صورت میں ظاہر ہوگا۔ سلطنت ہمارے لئے محض ایک قانونی اور سوشل دفتر بیمہ نہوگا۔ سیاسی اتحاد کی ہمارے نزدیک صرف یہی غرض نہ ہوگی کہ فوائد تہذیب

شخص واحد کو حاصل ہو جائیں بلکہ اس سے زیادہ شاندار کام اسکا یہ ہوگا کہ اقوام کے
قوائے دماغی و اخلاقی کو ترقی کے اعلیٰ ارتفاع پر پہونچائے اور انکے لئے دنیا پر وہ اثر
حاصل کرے جسکا میلان انسانیت کی متحدہ ترقی کی طرف ہی۔ ہم سلطنت میں جیسا کہ فچ
(Fitchte) نے بتلایا ہی ایک علامت آزادی کی نسل انسانی کے لئے دیکھیں گے جسکا کام
دنیا میں اخلاقی فرض کو عملی صورت میں لانا ہی ٹریٹش چکی Trietschke کا قول ہے کہ
سلطنت ایک اخلاقی جماعت ہی اسکا فرض ہی کہ نسل انسانی اپنے کسب کردہ علوم سے تعلیم
دے۔ اور اسکی انتہائی غرض یہ ہی کہ قوم اس میں ترقی اور اس کے ذریعہ سے حقیقی خصائل
پیدا کرے۔ یہ قوم اور افراد دونوں کے لئے یکساں اعلیٰ اخلاقی کام ہی۔

یہ اعلیٰ وسعت ترقی کبھی محض شخصیت کے اندر وقوع میں نہیں آسکتی۔ انسان اپنی اعلیٰ
قابلیتوں کو صرف جماعت یا سوشل نظام کے ساتھ جس کی خاطر وہ زندہ ہی اور کام کرتا ہے
شریک ہوکر بڑھا سکتا ہی۔ اس کو خاندان میں، سوسائٹی میں، سلطنت میں رہنا چاہیئے جو شخص
واحد کو اُن تنگ دوائر سے جنمیں وہ اپنی زندگی گذارتا ہی نکال کر عظیم الشان مشترکہ انسانی
فوائد کے لئے کام کرنے والا بناتی ہی۔ صرف سلطنت ہی Schkier macher کی تعلیم
ہی جو شخص واحد کو اعلیٰ درجہ کی زندگی بخشتی ہی۔

اس نقطۂ خیال سے جنگ ایک اخلاقی ضرورت سمجھی جائیگی۔ بشرطیکہ وہ قوم کے نہایت
بیش قیمت فوائد کے تحفظ کیلئے کیجائے۔ فی زمانا لوگ عموماً اس بات کے قائل ہیں کہ جنگ
پولیٹکل مقاصد کے حصول کے لئے کیجاتی ہی لیکن معتقدین مادہ کم از کم اصولاً اُس سے
محترز ہیں۔

اگر ہم سلطنت کا تصور اس اعلیٰ پہلو سے جمائیں تو ہم کو جلد معلوم ہو جائیگا کہ وہ اپنے
شاندار اخلاقی مقاصد تک نہیں پہونچ سکتی تاوقتیکہ اس کی سیاسی قوت نہ بڑھے۔ وہ اعلیٰ
مقصد جو اسکا نصب العین ہی خود اسکی مادی ترقی سے وابستہ ہی۔ صرف سلطنت ہی اثر کے

وسیع دائرہ کے لئے جد وجہد کرتی ہے۔ اُس اثر سے وہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں جن سے نوع انسان نہایت شاندار کمال پر ترقی کرتی ہے۔ کل بہترین انسانی قابلیتوں اور اوصاف کی ترقی کو صرف عمل کے بڑے اسٹیج پر جو سلطنت کی طرف سے مہیا کیا جاتا ہے جولانگاہ مل سکتی ہے۔ مگر جب سلطنت اپنی توسیع قوت سے دست بردار ہو جاتی ہے اور ہر جنگ سے جو اُس کی توسیع کے لئے ضروری ہے ہچکنے لگتی ہے۔ جب وہ قیام زندگی پر قانع ہو کر زیادہ بڑھنا نہیں چاہتی۔ جب امن وچین سے کاہل الوجود شخص کی مسہری پر لیٹ جاتی ہے تو اُسکے شہریوں کی بڑھوار ماری جاتی ہے۔ ہر فرد کی کوششیں رُک جاتی ہیں اور معاملات کی اولوالعزمی نظر سے غائب ہو جاتی ہے۔ تمثیل کے لئے کُل قابل رحم چھوٹی چھوٹی سلطنتیں موجود ہیں اور ہر ایک بڑی سلطنت جسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہوگا اس بلا کا شکار ہو جائیگی۔

ہر قسم کے ذلیل اور ذاتی اغراض امن کے طویل زمانہ میں خروج کرتے ہیں خود غرضی اور سازش کا شور ہوتا ہے اور آرام مجلسی اولوالعزمی کو محو کر دیتا ہے۔ روپیہ کو کثیر اور ناجائز قوت حاصل ہو جاتی ہے اور خصائل حمیدہ کا کماحقہ احترام نہیں ہوتا۔ شلر Schiller کا قول ہے کہ

"پُر امن ایام سے آدمی کی بڑھوار ماری جاتی ہے۔ اسکی جرأت کاہلی اور تن آسانی سے فرسودہ ہو جاتی ہے قانون کمزور کا شکار ہے۔ قانون دنیا کو ایک ہی حالت میں رکھتا ہے۔ لیکن جنگ میں انسان کی قوت ظاہر ہوتی ہے جنگ ہر ذلیل چیز کو شریف بنا دیتی ہے حتی کہ بزدل بھی اپنے نام کو جھٹلا دیتا ہے"۔

جنگیں گو خوفناک چیزیں ہیں لیکن ضروری ہیں۔ کیونکہ وہ سلطنت کو سوسائٹی میں ایک جگہ ٹھہرے رہنے سے بچاتی ہیں کیا اچھا ہے کہ اس طرح سامان دنیا کی ناپائداری کا صرف اعلان ہی نہیں ہو جاتا بلکہ لوگوں کو اسکا ذاتی تجربہ ہو جاتا ہے۔ یہ سبق صرف جنگ ہی دے سکتی ہے۔ جنگ بمقابلہ امن قومی زندگی کی تحریک اور قومی قوت کی توسیع میں بہ نسبت کسی

اور ذریعہ کے جو تاریخ کو معلوم ہی زیادہ مدد دیتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے پیچھے بہت سی مادی و دماغی مصیبت لاتی ہی۔ مگر اسی کے ساتھ انسانی خصلت کی نہایت شریفانہ قوتوں کو جگاتی ہی آجکل کی حالت کے ساتھ یہ بات مخصوص ہی کیونکہ اس زمانہ کی جنگ کو محض شاہنشاہوں اور گورنمنٹوں کا معاملہ نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ وہ کل قوم کے متحدہ ارادہ کا اظہار ہی۔

تمام چھوٹے چھوٹے ذاتی فوائد اغراض جنگ کے سنگین فیصلہ کے سامنے کچھ بھی نہیں رہتے۔ مشترک خطرہ سب کو مشترک کوشش میں متحد کر دیتا ہی اور جو شخص قوم کے اس فرض سے جی چراتا ہی ٹھکرایا جاتا ہی۔ اس اتحاد میں ایک نجات بخش قوت شامل ہوتی ہے جو قومی زندگی میں دائمی مسرت افزا نتائج پیدا کرتی ہی۔ ہمیں فرانسیسی جرمن جنگ کی اتحادی قوت اور اُنکے تواریخی نتائج یاد دلانیکی ضرورت ہی وحشیانہ واقعات جو ہر جنگ کا جزو لاینفک ہیں اصلی نتیجے کے خیال کے سامنے دُور بھاگ جاتے ہیں۔ کل جعلی شہرتوں کی نقاب جو امن سے طویل جادو کی آغوش میں پرورش پاتی ہیں اُٹھ جاتی ہی۔ بڑے بڑے لوگ اپنی موزوں جگہہ لے لیتے ہیں۔ طاقت، صداقت اور عزت پھر عود کر آتی ہے اور اُن سے کام لیا جاتا ہی ہزاروں موثر خصوصیات اُس مقدس قوت کی جو ایک سچی جنگ شریف قوموں میں پیدا کرتی ہی، شہادت دیتی ہیں فریڈرک اعظم نے جنگ کے اثر کو تسلیم کیا ہی۔ اُس کا قول تھا کہ "جنگ سے تمام خوبیوں کو نہایت زرخیز میدان ملجاتا ہی۔ ثابت قدمی، رحم، بلند ہمتی، دلاوری اور ترس ہر لحظہ ان کے اندر چمکتے ہیں۔ ہر لحظہ ان میں سے کسی نہ کسی خوبی کے کام میں لانیکا موقع ملتا ہی"۔

جسوقت کہ سلطنت پکار کر یہ کہے کہ میری جان تک معرض خطر میں ہی، سوشل خود غرضی اور فرقہ بندی کی دشمنی دبجانی چاہیئے۔ ہر شخص خودی کو بھول جائے اور یہ سمجھے کہ میں پوری جماعت کا ایک فرد ہوں۔ اسکو جاننا چاہیئے کہ میری اپنی جان کل جماعت کی بہبودی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جنگ سرفراز کرنے والی چیز ہی کیونکہ سلطنت کے بڑے

قبائل کے سامنے شخصیت معدوم ہوجاتی ہے۔ جماعت کے ممبروں میں ایک دوسرے سے محبت ایسی شان کے ساتھ کہیں نمایاں نہیں ہوتی جیسی جنگ میں۔ یہ خواہش کہ انسانوں میں دلاوری متروک ہوجائے اخلاق کی بڑی برگشتگی ہے۔"

حتیٰ کہ شکست کا نتیجہ بھی اچھا ہوسکتا ہے۔ وہ اکثر کمزوری اور مصیبت پر قضا وقدر کا حکم لگا دیتی ہے۔ لیکن وہ اکثر صحیح تازہ زندگی کا بھی باعث ہوتی ہے۔ اور نئے اور قوی انتظام کی بنیاد ڈالتی ہے (Wilhem von Humbolt) کا قول ہے "جو اثر جنگ کا قومی خصائل پر ہوتا ہے اُس میں میں ایک نہایت صحت بخش عنصر دیکھتا ہوں جس سے نسل انسانی بنتی ہے"۔

ایک فرد واحد کا کوئی فعل اس سے زیادہ شریفانہ نہیں ہوسکتا کہ کارہائے زندگی کی بنا اپنے اصلی اور سچے خیالات پر رکھے اور اپنی زندگی اُس کام کے لئے وقف کردے جو وہ کررہا ہے یا ذاتی اخلاق کے نصب العینوں پر فدا کردے علیٰ ہذا القیاس قوموں اور سلطنتوں کا اعلیٰ کمال یہ ہے کہ اپنی خودمختاری اور اپنی ناموری کے قائم رکھنے میں اپنی پوری قوت کی بازی لگادیں۔

مگر ایسے خیالات جنگ ہی میں عمل پذیر ہوسکتے ہیں۔ قومی خصائل میں وہ تحریک جو ان خیالات کا ماخذ ہے پیدا کرنے کے لئے جنگ کا امکان درکار ہے۔ اور صرف اسیطرح اخلاقی قوتوں کی پوری ترقی سے قومیں تہذیب کے اعلیٰ فرائض کا حق ادا کرسکتی ہیں۔ ایک دماغی اور مضبوط قوم کا اس سے برا انجام نہیں ہوسکتا کہ وہ امن کے اطمینان دہ لطف سے کاہل الوجودانہ زندگی کی میٹھی نیند سوجائے۔

اس نقطۂ خیال سے امن کی کوششیں جونہی کہ انکا اثر سیاسیات پر پڑنے لگے قومی صحت کیلئے بیحد مضر ہیں۔ وہ سلطنتیں جو مختلف لحاظوں سے اس بارہ میں ہمیشہ اظہار مستعدی کرتی ہیں اپنی طاقت کو جڑ سے کھو رہی ہیں۔ مثلاً ممالک متحدہ امریکہ نے جون ۱۹۱۱ء میں امن عالم کے خیالات کو اُٹھایا تھا تاکہ اطمینان سے اپنی توجہ روپیہ پیدا کرنے اور دولت کے

لطف میں صرف کر سکیں اور تین سو ملین ڈالر جوان کو بری و بحری فوج پر خرچ کرنے پڑتے ہیں بس انداز ہو جائیں اس سے وہ بڑے خطرے میں پڑ گئے ہیں اور یہ فی الحقیقت انگلستان یا جاپان کے ساتھ جنگ کے امکان سے نہیں ہے بلکہ محض اس وجہ سے کہ وہ نہیں چاہتے کہ اپنے برابر کے قوت والے دشمنوں سے بھڑنے کا موقع آئے اور اس طرح اُن سیاسی جذبات سے دُور رہنا چاہتے ہیں جنکے بغیر قومی خصائل کی اخلاقی ترقی ناممکن ہے۔ اگر اس راستے پر انھوں نے اور آگے قدم بڑھائے تو ان کو اس پالسی سے بہت نقصان اُٹھانا پڑیگا۔

علاوہ بریں عیسائیانہ نقطۂ خیال سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں۔ عیسائیت کی بنا درحقیقت قانون محبت پر ہے "سب چیزوں سے زیادہ خدا سے محبت کرو اور اپنے پڑوسی سے مثل اپنی ذات کے" باعتبار تعلقات مابین الدول اس قانون کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے کیونکہ سیاسیات میں اسکا نفاذ تصادم فرائض کا باعث ہوگا۔ اُس محبت کے معنی جس کا اظہار کسی شخص کیطرف سے غیر ملک کے لئے ہو یہ ہونگے کہ اس شخص کو اپنے ہموطنوں سے محبت نہیں ہے۔ ایسا نظامِ سیاسی لامحالہ انسانوں کو گمراہ کر دیگا۔ عیسائی اخلاق ذاتی اور سوشل ہے اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے سیاسی نہیں ہوسکتا۔ اُس کی غرض فرد کی اخلاقی ترقی ہے تاکہ جماعت کے فائدہ کے لئے کریم النفسی کے ساتھ کام کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اُس میں تاکید ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ مگر دشمنی کا خیال دُور نہیں کیا گیا ہے۔ خود عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے "میں دنیا میں امن کی رسالت نہیں لایا ہوں بلکہ تلوار کی" اُنکی تعلیم عام قانون مجادلے کے خلاف دلیل میں ہرگز پیش نہیں کیجا سکتی۔ عیسائی مذہب سے زیادہ لڑنیوالا کوئی مذہب نہیں تھا۔ لڑائی یعنی اخلاقی لڑائی اُسکا عین جوہر ہے۔ اگر ہم عیسائی مذہب کے خیالات سیاست کی طرف منتقل کر دیں تو ہم سلطنت کی قوت کا پایہ انسانی اخلاقی ترقی کی غرض سے منتہائے بلندی تک پہونچا سکتے ہیں اور مخصوص حالتوں میں وہ قربانی ہو سکتی ہے جسکی جنگ مقتضی ہے۔ لہٰذا عیسائی مذہب کی رو سے ہم جنگ کو بذاتہٖ نامقبول نہیں سمجھ سکتے بلکہ ہمکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ وہ اخلاقاً

و تاریخاً جائز ہے۔ ماسوا اس کے مخالف یعنی خاص مادی نقطہ خیال سے ہمکو یہ فرض کرنے کا حق نہیں ہے کہ جنگ بالکل ممنوعہ شئے ہی اس رائے کا ہر ایک متنفس یقیناً اس کو ناخوشی کی نظر سے دیکھے گا کیونکہ اس کی جان اور عافیت ہاتھ سے جاتی ہی مگر سلطنت بحیثیت سلطنت مادی نقطہ خیال سے جنگ کرنیکا فیصلہ کر سکتی ہی بشرطیکہ اس کو اس بات کا یقین ہکو انسان یا کسی متنفس کی قربانی سے جماعت کے حالات زندگی میں بہتری پیدا ہو جائیگی۔

نقصان مقابلتاً چند افراد تک محدود رہتا ہی اور چونکہ اصلی خیال کل مادی فلسفہ کا خود غرضی کی طرف رہنمائی کرتا ہی اس لئے کوئی وجہ نہیں ہی کہ لوگوں کی کثرت تعداد قلت رائے کو اپنے فوائد پر قربان نہ کردے۔ اسلئے وہ لوگ جو مادی نقطہ خیال سے جنگ کی ضرورت سے منکر ہیں اُسکی مصلحت کو ذاتی فائدہ کے خیال سے تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جنگ صرف صریحی ضرورت ہی نہیں بلکہ وہ ہر نقطہ خیال سے جائز ہی۔ عملی قاعدے جو حامیانِ خیال امن نے جنگ کے روکنے کے لئے پیش کئے ہیں قطعی بے اثر ثابت ہوتے ہیں بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہی کہ ہر جنگ سے حقوق کی پامالی ہوتی ہی اور نہ صرف اعلیٰ اظہار تہذیب بلکہ حقیقی بہبودی بھی ہر ایک قوم کی ان حقوق کے پورے طور پر جتلانے میں ہوتی ہی۔ اور اس بنا پر وقتاً فوقتاً یہ تجاویز پیش کیجاتی ہیں کہ وہ تنازعات جو مختلف ممالک کے درمیان پیدا ہوں پنچایتی عدالت سے فیصل ہوں اور اس طرح سے جنگ کو ناممکن کردیا جائے وہ سیاست دان جو بغیر طرفداری کسی فریق کے اِن تجاویز کے امکان پر سچے دل سے یقین کرلے حیرت انگیز طور پر کوتاہ نظر ہی۔ اس ضمن میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ اس پنچایتی عدالت کے فیصلہ کی بنا کس استحقاق پر ہی اور کونسی منظوریاں اس بات کی ضمانت ہیں کہ فریقین اس فیصلے کو مان لینگے ؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہی کہ ایسا استحقاق نہ ہی نہ ہو سکتا ہی۔ استحقاق کا خیال و

پہلو لئے ہوئے ہی۔ اوّل اُس میں استحقاق کا ادراک مضمر ہی یعنی اصلی احساس بُرے اور بھلے کا۔ دوسرا وہ استحقاق جو سوسائٹی اور سلطنت کا مقرر کردہ ہی خواہ وہ تحریری یا قدیم روایات سے جو زبان زد خلائق ہوں ثابت ہوتا ہو۔ پہلے معنی میں وہ غیر معین محض ذاتی تصور ہی۔ دوسرے معنی میں وہ تغیر پذیر اور قابل ترقی ہی۔ استحقاق مجوزہ قانون بذاتہ استحقاق حاصل کرنے کی کوشش ہی۔ اس معنی میں استحقاق سوشل مقاصد کا نظام ہے جو جبر یہ حاصل ہوتا ہی۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ تحریر میں کل خاص باتیں کسی خاص حالت کی آجائیں اجرائے استحقاق قانونی میں ہمیشہ ترمیم ہونی لازم ہی تاکہ کم و بیش انصاف سے تطابق ہو جائے کسی خاص معاملہ کے تصفیہ میں ایک طرح کی آزادی معدلت گستری کو ملنا چاہیئے۔ رائج الوقت قانون خیالات کے مقررہ اور محدود دائرہ میں بہت کم قطعی طور پر مبنی بہ انصاف ہوتا ہی۔ اس استحقاق کا تصور بھلائی اور بُرائی کے ادراک کی پیچیدہ نوعیت سے اور بھی زیادہ دھندلا ہو جاتا ہی بھلائی اور بُرائی کا بالکل اور ہی دوسرا ادراک متنفسوں میں خواہ لوگ ہوں یا قومیں بڑھ جاتا ہے اور یہ ادراک بہت سی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہی اور لوگوں کے دلوں میں قانون رائج الوقت کے ساتھ اور بسا اوقات ان کے خلاف رہتا ہی عیسائی ممالک میں قتل ایک سنگین جرم ہی۔ ایسے لوگوں میں جہاں انتقام خون ایک مقدس فرض ہی وہ اخلاقی فعل سمجھا جا سکتا ہی اور اُس سے غفلت جرم خیال کیجاتی ہی۔ بھلائی کے ان مختلف خیالات کا تطابق ناممکن بات ہی۔

ابہام کا سبب ایک اور بھی ہی۔ ایک قوم کا اخلاقی ادراک مختلف فرقہائے فلسفہ کے تغیر پذیر خیالات کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہی۔ رائج الوقت قانون اس اندرونی ترقی اور اس اخلاقی ادراک کے نمو کے ساتھ کبھی نہیں چل سکتا وہ پیچھے رہجاتا ہی۔ ایسے صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ لوگوں کا اصلی اخلاقی ادراک مقرر کردہ قانون سے ٹکرا جاتا ہی۔ قانونی مراسم پُرانے ہو جاتے ہیں مگر معدوم نہیں ہوتے (Mephistopheles) (میفس ٹافیلز) کے

تمسخرانہ الفاظ سمجھے ہوتے جاتے ہیں۔

"قوانین جیسا ہر شخص کو معلوم ہے بالکل مثل موروثی بیماری کے بھیجے جاتے ہیں وہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہیں اور دبے پانوں ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتے ہیں عقل کو وہ خبط کر دیتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ بری بات یہ ہے کہ وہ بھلائی کو برائی بنا دیتے ہیں"۔

چنانچہ کوئی قطعی حقوق اُن لوگوں کے لئے ہی نہیں قائم کئے جاسکتے جنکے خیالات خانگی اور سوشل میل جول میں متحد ہیں۔ قانون سلطنت کا تصور بالکل ٹھیک معنوں میں ناممکنات سے ہے اور وہ ناقابل برداشت صورتیں پیدا کرنے کا باعث ہوسکتا ہے۔ سخت اور کڑے اصول کی اصلاح قانون مقررہ کی مجربہ ترقی اور رحم و اعانت سے (جنکو خود قوم نے جائز رکھا ہے) ہونی چاہیئے۔ اگر صرف کشتی (duel) ہی دو شخصوں میں انصاف کے مفہوم کا فیصلہ کرے تو قوموں اور سلطنتوں کے پیچیدہ تعلقات میں عام بین الاقوامی قانون کس قدر زیادہ ناممکن العمل ہو جائیگا۔ ہر ایک قوم اپنے اپنے حق کے خیال کو ظاہر کرتی ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے معیار اور مقاصد رکھتی ہے جو یقینی ناگزیر ہوتے ہیں اور اُسکے خصائل و تاریخی زندگی سے نکلتے ہیں۔ یہ مختلف خیالات معقولیت کی شان لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور دوسری قوموں کے خیالات مخالف ہوسکتے ہیں اور اسلئے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایک کے حق کو دوسرے کے حق پر ترجیح ہے۔ انسان کے حقوق عالمگیر نہ کبھی ہوئے ہیں نہ ہوں گے۔ البتہ کہیں کہیں خاص تعلقات بین الاقوامی قوانین کے تابع کئے جاسکتے ہیں مگر قومی زندگی کا بہت بڑا حصہ قانون کی زنجیروں سے آزاد ہے۔ اگر کوئی ایسی کوشش کی بھی جائے۔ اگر کوئی لبسیط بین الاقوامی دستور العمل مرتب بھی کیا جائے۔ تو کوئی خود دار قوم اپنے ذاتی خیالِ حق کو اُس پر قربان نکریگی ایسا کرنے سے وہ اپنے اعلیٰ معیاروں سے ہاتھ دھو بیٹھی گی اور اپنے ادراک انصاف کو ناانصافی سے پامال کرانا گوارا اور گویا اپنے آپ کو ذلیل کرنا پسند کریگی۔

پنچایتی معاہدات ایسی حوصلہ مند قوم کے لئے نہایت ہی مضر ہونے چاہئیں جو امن اپنے

سیاسی و قومی منتہا پر نہیں پہونچی ہے اور اپنی قوت کے بڑھانے کی طرف کوشاں ہے
تاکہ عزت سے دنیا میں اپنا فرض ادا کرے ہر ایک ثالثی عدالت کی کوئی خاص سیاسی
حیثیت ہونا لازم ہے جس کو اُسے قانون کی عطا کی ہوئی حیثیت سمجھنا چاہیئے اور ہر
قسم کے تغیرات ضروری سے ضروری جن پر کل معاہدہ کرنے والے فریق متفق نہیں ہیں
مداخلت بیجا سمجھے جانے چاہیئں۔ اس طریقہ سے ہر ترقی پذیر تبدیلی رُک جاتی ہے اور
ایک قانونی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو بآسانی اصلی صورت معاملات سے ٹکرا سکتی اور
نوجوان و قومی سلطنت کی توسیع میں روڑا اٹکا سکتی ہے۔ جس سے ایسی سلطنت کو فائدہ
پہونچے جو تمدن کی پستی میں ہے۔ یہ باتیں دوسرے فیصلہ کن سوال کا جواب ہیں ثالثی فیصلہ
کی تعمیل اُس صورت میں کہ کوئی سلطنت اُس کے ماننے سے انکار کرے کیونکر کرائی جا سکتی
ہے؟ وہ قوت کہاں ہے جو اس بات کی ضمانت ہو کہ مجوزہ فیصلہ کی تعمیل اسکے سنانیکے بعد
ہو جائیگی امریکہ میں الیہو Elihu Root روٹ سابق وزیر سلطنت نے ۱۹۰۸ء میں اعلان
کیا تھا کہ عدالت عالیہ عدلِ بین الاقوامی مجوزۂ ہیگ کانفرنس دوم عام رائے کے اصرار
سے صریح و واجب العمل فیصلے دیگی۔ موجودہ لیڈران تحریک امریکائی امن اس خیال سے
متفق معلوم ہوتے ہیں۔ بچوں کی سی سمجھ سے ان کو اس بات کا یقین معلوم ہوتا ہے کہ
عام رائے اس خیال کی ضامن ہے جبکو امریکہ کے سرمایہ دار اپنی ذات کے لئے نہایت
نفع بخش سمجھتے ہیں۔ اُن کو اسکی مطلق حس نہیں ہے کہ نوع انسان کی ترقی کے مشاغل مادی
بہبودی تجارت و کسب زر کے علاوہ اور بھی کچھ ہیں۔ واقعی امر یہ ہے کہ عام رائے کا متفق
ہونا بعید بات ہے اور حقیقی جبر صرف بذریعہ جنگ کام میں لایا جا سکتا ہے مگر یہاں جنگ ہی
وہ چیز ہے جس سے احتراز کیا جاتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک ثالثی عدالت جدا جدا ممالک کے
تنازعات کے بیچ میں پڑتی جبکہ روما کی سلطنت عالم وجود میں تھی۔ ایسی سلطنت نہ پیدا
ہو سکتی ہے نہ ہوگی اگر پیدا ہو بھی تو وہ مثل ایک عام لیگ امن کے انسان کی اُس کل ترقی

کے لئے بلائے بے درماں ہوگی جسکا انحصار مختلف گروہوں کے اغراض مخالفانہ وآزادانہ رقابت پر ہی۔ جب تک کہ ہم موجودہ نظام سلطنت کے اندر رہتے ہیں۔ جرمن شاہی دیوان صدر نے تیس مارچ ۱۹۱۱ء کو ریش ٹاگ Reichstag کی مجلس ہیں اثنائے تقریر میں یکبارگی یہ پردہ فاش کردیا کہ ثالثی معاہدات مابین الاقوام ایسے قانونی نتائج تک محدود ہونا چاہئیں جو صاف اور محقق ہوں اور یہ کہ عام ثالثی معاہدہ مابین الممالک دائمی امن کے لئے ضمانت نہیں ہوسکتا۔ ایسے معاہدہ سے البتہ صرف یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ دو معاہدہ کرنے والی سلطنتوں میں کوئی بڑی ترغیب امن شکنی کی تصور میں نہیں آسکتی۔ اسلئے اُس سے صرف پُرانے تعلقات مستحکم ہوگئے" اگر یہ تعلقات بدل گئے۔ اگر اُن دو قوموں کے درمیان جھگڑے جنکا اثر اُن کی قومی زندگی پر پڑتا ہے بڑھ گئے اور جنھوں نے اُنھیں تلملادیا تو ہر ثالثی معاہدہ مثل آتش گیر چیز کے جل جائیگا اور سوائے دھوئیں کے کچھ باقی نہ رہیگا"

یہ یاد رکھنے کی بات ہی کہ ثالثی عدالت کا اسی فیصلہ اپنے اثرات نتائج میں جنگی فیصلہ کو پھر کبھی نہیں لاسکتا حتی کہ اُس سلطنت کے متعلق بھی جس کی طرفداری میں وہ فیصلہ ہی۔ تمثیلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ سلیشیا (Silesia) ثالثی عدالت کے فیصلہ سے نہ کہ لاثانی جوانمردی کی جنگ سے فریڈرک اعظم کو ملتا تو کیا اس صوبے کا ملنا پرشیا اور جرمنی کے لئے اُتنا ہی اہم ہوتا جتنا کہ جنگ کیحالت میں کوئی شخص اسکو نہیں مانیگا۔

قوت کا مادی اضافہ جو فریڈرک کے ملک کو سلیشیا کے ملنے سے حاصل ہوا ہی کم قدری کی نگاہ سے دیکھے جانیکے قابل نہیں ہی۔ مگر کہیں زیادہ اہم یہ بات تھی کہ اس ملک کو قوی ترین یورپین متفقہ قومیں فتح کرنے سے عاجز رہیں اور اُس نے اپنے اقتدار سے ظاہر کردیا کہ اُسکا گھر آزاد دماغی و مذہبی ترقی کا مسکن ہی جنگ ہی نے پرشیا کی قوت کی بنیاد ڈالی اور اس قوت سے شکوہ و اعزاز کی وہ میراث پائی جسکی بابت اب پھر کوئی بحث نہیں

ہوسکتی۔جنگ نے اس پرشیا کو سخت مثل فولاد بنادیا۔جس کی وجہ سے نیا جرمنی یورپ کی قومی سلطنت اور آیندہ کی دولتِ عالم بنگیا۔ یہاں جنگ نے ایک بار پھر اپنی خلق کرنے والی قوت کا ثبوت دیا اور تواریخ کے سبق پڑھنے سے ہمکو یہی نتیجہ متواتر ملیگا۔

ان کل دلائل سے ہم کو معلوم ہوجائیگا کہ نہایت متضاد صورتوں سی جو کوشش جنگ کی منسوخی کے لئے کی گئی ہیں احمقانہ ہی نہیں بلکہ کلیتہً خلاف اخلاق ہیں اور نسل انسانی کے واسطے کلنک کے ٹیکے سے زیادہ وقیع نہیں۔ اس کل مباحثہ کا خلاصہ کیا ہی؟ یہ انسان کو حق اور اپنے اعلیٰ مادی مقبوضات اور اپنی جسمانی زندگی کو اعلیٰ معیاروں پر قربان کرنے اور بذریعہ اُن کے اعلی کریم النفسی حاصل کرنے کے امکان سے محروم کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ یہ اسلئے پیش کیا گیا ہے کہ قوموں اور سلطنتوں کے بڑے تنازعات عدالتہائے ثالثی سے دُور ہو جائیں یعنی انتظامات سے ایک یکطرفہ محدود رسمی قانون بجائے تواریخ کے فیصلوں کے قائم کرنے کی تجویز ہے۔ اس کل خیال میں قدرتی قوانین ترقی پر گستاخانہ مداخلت ہی جو بالعموم انسانیت کے لئے نہایت مصیبت انگیز نتائج پیدا کرسکتی ہے۔غیر محدود مقابلہ کی بندش سے جسکی آخری اپیل ہتیار اُٹھانا ہے کل حقیقی ترقی کے جلد رُک جانیکا اور ایک اخلاقی و دماغی سکون واقع ہونے کا جس کا انجام ترقی معکوس ہی یقین ہی علی ہذالقیاس جب لوگوں میں اعلیٰ معیاروں پر، قومی خصائل وسیاسی خودمختاری کے قیام پر، قومی بہبودی کے خیال سے فرمانروائی وملکی توسیع پر، اقوامی اتحاد میں علی قدر مراتب تہذیب اقوام کسی معین اثر پر، تحکمانہ وسیاسی جبر سے دماغی آزادی پر، جھنڈے کی عزت پر، جب خوشی کے ساتھ اعلیٰ مادی نعمتیں جان، تندرستی، جائداد و آسایش نثار کرنے کی صلاحیت جاتی رہتی ہی تو جاری ترقی کا سلسلہ منقطع اور تنزل امر

لابدی ہوجاتا ہے اور داخلی وخارجی بربادی کچھ دنوں کی بات رہجاتی ہے۔ تواریخ
اس بارہ میں غیر متیقن آواز سے گویا نہیں ہے۔ وہ بتلاتی ہے کہ جوانمردی ترقی کی
ضروری شرط ہے۔ جہاں اُبھرتی ہوئی تہذیب اور بڑھتی ہوئی مادّی خوشحالی کے
ساتھ جنگ بند ہوجاتی ہے۔ فوجی قابلیت میں انحطاط آجاتا ہے اور کل حالتوں میں
خودمختاری قائم رکھنے کا عزم بالجزم چھوڑ دیا جاتا ہے وہاں قومیں اپنے تنزل سے
قریب ہورہی ہیں اور اپنی حیثیت کو سیاسی یا قومی اعتبار سے برقرار نہیں رکھ
سکتیں" کوئی قوم صرف اُس حالت میں اپنی مضبوط جگہہ سیاسی دنیا میں قائم رکھنے
کی توقع کرسکتی ہے جب قومی خصائل وجنگی روایات ہر ایک پر بار بار عمل کرتے
رہیں" یہ الفاظ (Clausewitz) کلازوٹز بڑے فلسفی جنگ کے ہیں اور اُنکا قول
بلاخوف تردید درست ہے۔

امن کی یہ کوششیں اگر اپنے منزل مقصود پر پہونچ جائیں تو عام تنزل ہی کا باعث
ہونگی جیسا ہر جگہہ فطرت میں ہوتا ہے جہاں قیام بقا کے مجادلہ سے بحث نہیں ہوتی
بلکہ ان میں بلاواسطہ مضرت رسانی وکمزوری کا اثر ہوتا ہے۔ پیغمبران امن قوم کے
بڑے بڑے فرقوں کو کوششوں کے جادو میں پھانستے ہیں اور اس صورت سے کمزوری
کا عنصر قومی زندگی کے اندر پہونچاتے ہیں وہ خودمختاری کے جائز قومی فخر کو بیکار کرتے
ہیں اور ایک کمزور با لوقت پالسی کی پرورش اُس کو اعلیٰ انسانیت کے چکاچوند سے
گھیر کر اور اُسکی کمزوری کے چھپانے کے لئے بظاہر شاندار وجوہات لاکر کرتے ہیں وہ ان کے
غیر محتاط دوستوں کا کام اس طرح انجام دیتے ہیں جس طرح پرشیا کی پالسی نے جو عام امن
کے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی ۱۸۰۵ء و ۱۸۰۶ء میں دیا تھا اور جس سے سلطنت تباہی
کے کنارہ آگئی تھی۔

حقیقی انسانیت کے مقاصد دو پہلو رکھتے ہیں۔ ترقی خصائل کی یقینی ضمانت کیلئے ایک طرف

تو دماغی، اخلاقی، فوجی قوتوں نیز سیاسی قوت کی ترقی ہے۔ دوسری طرف اُن اعلیٰ
خیالوں کی عملی تکمیل ہے۔ جو قانون محبت کے موافق افرادی و مجموعی زندگی میں ہوتی ہیں۔
میرے نزدیک یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے کہ اُن کوششوں کا جو جنگ کے دبانے کے
لئے کیجاتی ہیں مقابلہ سوشل جمہوری مزدوری پیشہ جماعت کی کوششوں سے کروں جو موخرالذکر
کوششوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ دونوں جماعتوں کے مقاصد یوٹوپین ہیں۔ منتظم مزدوری پیشہ
جماعت ایسے معیار کے لئے جدوجہد کرتی ہے جس کا پورا ہونا صرف تصور پر مبنی ہے۔ دراں حالیکہ
مزدوری کی شرح اور کام کے اوقات کل حرفتی دنیا کے واسطے بین الاقوامی طور پر
طے ہوگئے ہیں۔ اور دراں حالیکہ معاشرت کا صرفہ ہر جگہہ مساوی طریقے پر قاعدہ کی
زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے جبتک یہ حالت رہیگی معیار مزدوری کا تعین بین الاقوامی
بازار کی قیمتوں سے ہوگا۔ جو قوم اس بات پر خیال نہ کرے گی اور مزدوری اور کام
کے اوقات بلا اس لحاظ کے مقرر کرے گی تو اُس کو اُن قوموں کے بین الاقوامی تجارتی
مقابلہ میں جو زیادہ دیر اور کم شرح سے کام کرتی ہیں اپنی حیثیت کھو بیٹھنے کا اندیشہ
ہے۔ مزدوری پیشہ فرقو میں کام کا انحطاط اور انتہائی مصیبت اسکا لابدی نتیجہ ہوگا
برخلاف ازیں حرفتوں کی بین الاقوامی حالت مقابلہ کے اخراج اور روک سے بُری
اشیا کے بننے کا اور مزدوری پیشہ لوگوں کے اخلاقی حیثیت سے گرجانیکا باعث ہوگی
عام اور دوامی امن کی اسکیم کی بھی یہی حالت ہے اُس کے عمل کا امکان جیسا ہمیں
معلوم ہوچکا صرف ایسی سلطنت میں ممکن ہے جو تمام عالم پر چھائی ہوئی ہو اور یہ ایسقدر
ناممکن ہے جس قدر کہ مساوی انتظام دنیا بھر کی حرفتوں کا ناممکن ہے۔ وہ سلطنت جو
ہمسایہ ممالک کے مختلف الصور خیالات کا پاس نہ کرے گی اور عام امن کے خیال کو اپنی
پالسی کا دستور العمل بنانا چاہیگی ضرور اپنے آپ کو مہلک ضرر پہونچائیگی اور اپنے زیادہ
مستعد اور جنگجو پڑوسیوں کا شکار ہوجائیگی۔ خوش قسمتی سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ امن کی یہ کوششیں

شمشیر بکف دنیا میں جہاں صحیح خود ستائی اب بھی بہت سے ممالک کی راہبر ہے اپنے آخری درجہ پر نہیں پہونچ سکیتی (Treitschke) ٹریٹس چکی کا قول ہے کہ خدا اس کی نگہبانی کریگا کہ جنگ ہمیشہ نسل آدم کے لئے ایک قوی دوا رہیگی۔

تاہم جرمنی میں ہم لوگوں کے لئے یہ خواہشات کوئی بڑا خطرہ نہیں ہیں۔ ہم جرمن لوگوں کا رجحان ہر قسم کے غیر علمی خوابوں کے لطف کی طرف ہی۔ قومی فطری جذبہ کی صحت جو فرانس میں ہی اب ہمارا عام وصف نہیں رہا ہے ہم میں سیاسی ضرورتوں کے حقیقی احساس کی کمی ہے۔ ایک گہرا سوشل اور مذہبی خلیج جرمن لوگوں کو مختلف سیاسی گروہوں میں متفرق کئے ہوئے ہی آپس میں جو ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں۔

سیاسی دنیا میں سینہ بسینہ چلے آنے والے جھگڑے ابھی تک جاری ہیں۔ ان کی کھل بلی نے کمزوری، قضیہ ونامستعدی کا ایک نیا عنصر ہماری قومی اور فریقانہ زندگی کے منقسم گروہوں میں پیدا کر دیا ہی۔

یہ امر بحث طلب نہیں ہی کہ ان خیالات کے بہت سے حامیوں کو اُن کے پورا ہونے کے امکان کا سچے دل سے گمان ہی۔ اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ اُن سے عام نفع پہونچ رہا ہے مگر یہ بھی اتنی ہی سچی بات ہی کہ امن کی اس تحریک سے بسا اوقات نہایت خود غرضانہ سیاسی تدابیر پر پردہ ڈالنے کے سوا کوئی اور کام نہیں لیا جاتا اُس کے ظاہری بنی آدم کے فائدہ کے اعلیٰ خیال میں اُسکا خطرہ ہی۔ لہذا ان خیالی تجاویز کی مخالفت میں ہر ذریعہ سے کام لینا چاہیئے۔ عام جلسوں میں اُن کی قلعی کھولی جائے۔ اور بتانا چاہیئے کہ وہ سیاسی سازشوں کے لئے پردہ ہیں۔ ہمارے ہموطنوں کو یہ جاننا چاہیئے کہ قیام امن کی پالسی کا مقصود نہ ہوسکتا ہے۔ نہ اُس کے ہونیکا امکان ہی۔ بڑی سلطنت کے مقاصد صاف اور صریح ہوتے ہیں۔ اُس کو وہ صلح جویانہ تدابیر

حاصل کرتی ہے۔ تاوقتیکہ یہ ممکن اور نفع بخش ہو۔ اُس کو صرف اسی بات کا ادراک ہونا چاہیئے کہ اہم معاملات میں جنکا یقینی اثر قوم کی پوری ترقی پر پڑتا ہی ہتیار اُٹھانا سلطنت کا مقدس حق ہی۔ بلکہ اس اعتقاد کو قومی ادراک میں تازہ رکھنا بھی لازم ہے۔ ناگزیری اعلیٰ خیال و برکت جنگ پر اُس کو لابدی اور محرک قانون ترقی سمجھکر زور دینا چاہیئے۔ خیال جنگ کا مقابلہ گویتی (Goethe) کے مردانہ الفاظ سے کیا جائے۔

"پُرامن دن کے خواب ؟ جو دیکھنا چاہے دیکھے۔ جنگ ہمارا نعرۂ اجتماعِ فوج ہی۔ فتح کی طرف آگے بڑھو۔"

باب دوم

جنگ کرنے کا فرض

پرنس بسمارک نے جرمن ریشتاغ میں بار بار کہا ہے۔ کہ کسی شخص کو عمداً جنگ کو وقوع میں لانیکی اہم ذمہ داری اپنے اوپر نہ لینا چاہیئے۔ اُن کا قول تھا کہ وہ واقعات پہلے سے پیش نظر نہیں ہوسکتے جو کل صورتِ معاملہ کو بدل دیتے ہیں، اور جنگ اور اُس کے متعلقہ خطروں اور ہیبت ناک کارروائیوں کو فضول ثابت کر دیتے ہیں، اور اُنھوں نے اپنی کتاب "خیالات و یادداشت" میں اپنا منشا ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے "فاتحانہ جنگیں بھی اُس حالت میں جواز کا فتوٰے حاصل کر سکتی ہیں، جب وہ کسی قوم پر آپڑیں۔ اور ہماری نظر تاش کے اُن پتّوں پر جو مشیّتِ ایزدی کے ہاتھ میں ہیں ایسی گہری نہیں پڑسکتی کہ ذاتی اندازہ سے آیندہ تاریخی ترقی کی بابت حکم لگا سکیں۔" ہمیں اس بات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آیا پرنس بسمارک کا یہ مقصود تھا کہ اُن کا قول کلیۃً اصول سمجھا جائے۔ یا اُنھوں نے اس کو امن کی پالیسی کا تتمہ سمجھ کر زبان سے نکالا تھا۔ جس پالیسی پر وہ اتنے عرصہ تک عامل رہے، اُس کے اصلی منشا کا اندازہ مشکل ہے۔ کسی قوم پر جنگ وارد کرنے کی مختلف توضیحیں ہوسکتی ہیں۔ ہمارے خیال میں محض خارجی دشمن ہی ہمیں نبرد آزما ہونے پر مجبور نہیں کرتے۔ بلکہ ملکی اندرونی معاملات اور مجموعی سیاسی حالت کے دباؤ سے بھی کسی مدبر پر جنگ نازل ہوسکتی ہے۔

پرنس بسمارک کا عمل ہمیشہ ٹھیک اپنی تقریر کے الفاظ کے موافق نہ تھا۔ یہ بات اُن کی عظمت کے خاص دعوے میں پیش کی جاتی ہے کہ فیصلہ کن موقع پر اُن میں اپنی ہی تجویز سے جنگ شروع کرنے کی جرأت موجود تھی۔ وہ خیال جو اُنھوں نے اس سے بعد کی تقریروں میں ظاہر کیا ہے میری رائے میں

سیاسی عمل کا عام عائد ہونے والا اصول ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ہم اُس کو ایسا خیال کریں تو ہم نہ صرف اپنے بڑے جرمن شہزادے کے خلاف جائینگے، بلکہ سیاسیات سے خودمختاری کے اُس فعل کو خارج کردینگے۔ جو تحریک کا حقیقی سبب ہے۔

سیاسی تدبّر کی حقیقی عظمت، قوانینِ فطرت کے اصول کے مطابق معاملات کی پیش بینی و نیز اُن قوّتوں کے احساس پر جن کو مدبر اپنے فائدہ کے لئے کام میں لاتا ہے مبنی ہے۔ حقیقی مدبر اُن جنگوں سے جو خاص حالتوں میں ناگزیر ہوتی ہیں، نہیں جھجکتا۔ بلکہ مناسب موقع سے اگر کامیاب نتیجہ کی اُمید ہوتی ہے تو اُن کا فیصلہ قوی ارادہ کے ساتھ جنگ سے چکا دیتا ہے۔ اس صورت سے تدبر مشیت ایزدی کا آلہ ہو جاتا ہے جو انسانی ارادے کو اُس کے مقاصد پر پہونچانے کے لئے کام میں لاتی ہے "اُن تواریخی واقعات کے بانی ہوتے ہیں" جیسا پرنس بسمارک کے کارناموں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نہایت خراب سیاسی حالت کی گتھی امن سے سلجھ سکتی ہے اور ممکن ہے کسی ایک شخص کی موت کسی بڑے حوصلہ کا خیال، کسی کاہل الارادہ شخص کی علٰحدگی اُس کی اصلیت کو بدل دے لیکن قومی زندگی کے بڑے جھگڑوں کا فیصلہ ایسی آسانی سے نہیں ہو سکتا۔ وہ شخص جو معاملہ کو آخری نتیجہ پر لانا چاہتا ہے، پردۂ خفا میں چلا جائے۔ اور سیاسی نازک موقع اُس وقت ٹل جائے۔ مگر متنازعہ فیہ امور پھر بھی باقی رہیں گے، اور پھر جھگڑوں کا باعث ہونگے۔ اور بالآخر جنگ کا بستر طلبکہ اُن کا سبب واقعی بڑے اور نہ طے پانیوالے معاملات ہوں۔ شاہ انگلستان ایڈورڈ ہفتم کی علٰحدگی کی پالسی جس کو اُنھوں نے اعلیٰ تدبر سے جرمنی کے خلاف جاری کیا تھا، بیٹھ گئی۔ مگر جرمنی اور انگلستان کی مخاصمت جس کی بنا دونوں قوموں کے مخالفانہ فوائد و دعاوی پر ہے۔ اب بھی موجود ہے۔ اگرچہ ملکی حکمت عملی جو جھگڑے کے کل اسباب پر روغنِ قاز ملتی ہے، کچھ عرصہ کے لئے کشیدگی کے کم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ جس سے جرمنی کو معتدبہ نقصان اُٹھانا پڑے ہیں۔

یہ ایک ناپائدار تجویز ہے۔ کہ سیاسی عمل کا انحصار غیر مقررہ امکانات پر ہونا چاہیے۔ اس صورت

سے ایک نہایت مبہم جزو بے قاعدہ طور پر سیاسیات میں داخل ہو جائے گا۔ جو پہلے سے اور بہت سے جھگڑوں میں اُلجھی ہوئی ہے، اور اس طرح سے اس کا انحصار کم و بیش اتفاقات پر ہو گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس بڑے عملی سیاست داں بسمارک کا منشا یہ نہ تھا۔ کہ اُس کے الفاظ متعلق بہ عمل جنگ سیاسی کی توجیہ اُس معنی میں کی جائے جو آجکل اکثر اُن کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ایک کمزور غرض کے لئے بڑے آدمی کی سند مل جائے۔ صرف وہ شرائط جو محقق ہیں اور جن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سیاسی عمل کے لئے قول فیصل ہو سکتے ہیں۔ سیاسی فیصلہ کے جواز کے لئے ہم کو اُس کے امکانی نتائج پر خیال نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اُس کی غایت و غرض محرک کے فرض کردہ مقاصد، اور ان لحاظات کی سچائی وقار اور غیرت پر جو محرک فعل ہوئے ہیں نظر کرنا چاہیے۔ اُس کی عملی منزلت کا اندازہ۔ کل حالت کو صحیح صحیح سمجھنے اور ہر دو فریق کی قوت کا پورا تخمینہ کرنے اور ممکن الوقوع نتائج کی پیش بینی۔ القصہ مدبرانہ بصیرت و چستی فیصلہ سے ممکن ہے

اگر مدبر کا عمل اس اسپرٹ سے ہو گا، تو اُس کو خاص حالتوں میں نہایت عمدہ موقع پر جنگ شروع کرنے کا مسلمہ حق حاصل ہو جائے گا۔ اور اپنے ملک کے لئے آغاز کا قابل افتخار استحقاق فراہم کرنے کا موقع ملجائے گا۔ اگر کوئی جنگ جس پر کوئی وزیر رضامندی سے مستعد نہیں ہوتا کچھ عرصہ بعد، زیادہ ناموافق حالتوں میں لابدی طور سے وقوع میں آنے والی ہے۔ تو اُن وقیع قربانیوں کی ذمہ داری جو اُس وقت کرنا پڑینگی، اُن لوگوں پر ہے، جن کی فیصلہ کن عملی سیاسی قوت و ہمت نے مناسب وقت پر جواب دیدیا تھا۔ ان لحاظوں کے مقابلہ میں یہ خیال کہ جنگ کبھی وقوع میں نہ آنی چاہیے قائم نہیں رہتا۔ مگر بایں ہمہ ہمارے زمانہ میں اس خیال کے بہت سے حامی ہو گئے ہیں۔ بالخصوص جرمنی میں۔

حتیٰ کہ وہ مدبرین سلطنت جن کا خیال ہے کہ جنگ کو بالکل نظر انداز کر دینا ناممکن ہے۔ اور جو یہ یقین نہیں رکھتے کہ اقوامی زندگی سے اعتدال خارج کیا جا سکتا ہے۔ یہ رائے دیتے ہیں کہ

اُس کے نزولِ اجلال کو حتی المقدور معرض التوا میں رکھنا چاہیئے۔ وہ لوگ جو اس خیال سے متفق ہیں، قریب قریب وہی رائے رکھتے ہیں، جو حامیان خیال امن کی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جنگ کو بالکل ایک مصیبت سمجھتے ہیں، اور اُس کی ایجادی یا اصلاحی اہمیت سے چشم پوشی کرتے یا اُس کو حقیر جانتے ہیں۔ اس خیال کے موافق اُس جنگ کو جو ناگزیر تسلیم کرلی گئی ہے جتنے عرصہ تک ممکن ہو معرض التوا میں رہنا چاہیئے اور کسی مدبر کو ضروری وجائز خواہشات کا بزور شمشیر پورا کرنے کے لئے مستثنی طور پر اچھے موقعوں سے کام لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ایسے اصول نہایت آسانی سے اس چھوٹے اور تباہ کن خیال کو پھیلاتے ہیں۔ کہ قیام امن ہر پالسی کا آخری مقصد یا کم از کم خاص فرض ہے۔

ایسے خیالات کا جواب جو دغاباز انسانوں کے دماغ سے نکلتے ہیں صاف اور ٹھیک ہے۔ کہ خاص حالتوں میں جنگ کو وقوع میں لانا مدبر کا صرف حق ہی نہیں بلکہ اخلاقی وسیاسی فرض ہے جہاں کہیں ہم تاریخ کے صفحے لوٹ کر دیکھیں گے، ہم کو اس بات کے ثبوت ملیں گے کہ اُن جنگوں کے نتائج جو ٹھیک وقت پر دلیرانہ عزم سے شروع کی گئی ہیں، نہایت اچھے نکلے ہیں۔ کیا سیاسی حیثیت، اور کیا تمدنی حیثیت سے کمزور پالسی ہمیشہ باعث ضرر ہوتی ہے۔ کیونکہ مدبر ضروری جنگ کا خطرہ مول لینے کے لئے مطلوبہ مضبوطی سے عاری تھا۔ کیونکہ اُس نے سیاسی حکمت عملی سے ناقابلِ صلح دشمنوں کے جھگڑے طے کردینے کی کوششیں کیں، اور موقع کی سنگینیت اور معاملہ کی حقیقی اہمیت کے بارے میں اپنے آپ کو دھوکے میں رکھا۔ ہمارے تازہ تاریخی انقلابات اس کی بین مثالیں ہیں۔

الیگزانڈر اعظم نے پرشیا کی قوت کی بنا کامیاب اور دیدہ ودانستہ مول لی ہوئی جنگوں سے ڈالی۔ فریڈرک اعظم اپنے جلیل القدر مورث کے قدم بقدم چلا۔ اُس نے دیکھا کہ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں اور دول عظمیٰ کے بیچ میں میری سلطنت کی درمیانی حیثیت ہے۔ اور عزم کیا کہ اس بے قاعدہ حالت کو معین شکل میں لائے۔ سرزمین سلطنت کی توسیع پرشیا کے لئے خود مختار رہنے اور عزت کے ساتھ "بادشاہت" کا بڑا نام رکھنے کے واسطے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اُس کی توسیع ہو اور وہ نئے سانچے

میں ڈھالی جائے۔ بادشاہ نے اس سیاسی ضرورت کے لئے صرف کی منظوری دی۔ اور آسٹریا کو
دعوت جنگ دینے کا دلیرانہ ارادہ کیا۔ جتنی جنگیں وہ لڑا اُن میں سے ایک بھی اُس پر جبراً عائد
نہیں کی گئی۔ اور نہ کسی کو اُس نے ممکن عرصہ تک معرض التوا میں ڈالا۔ اُس نے ہمیشہ حملہ آور ہونے
اپنے دشمنوں پر پیش قدمی کرنے اور اپنے لئے کامیابی کے عمدہ مواقع حاصل کرنے کی دل میں ٹھان
رکھی تھی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اُس نے کیا کچھ حاصل کیا۔ یورپین اقوام اور بالعموم نوع انسان کے
نشو ونما کی کل تاریخ بدل جاتی۔ اگر بادشاہ اُس دلیرانہ قوتِ فیصلہ سے جو اُس سے ظاہر ہوئی
عاری ہوتا۔

فریڈرک ولیم سوم کے عہد سلطنت میں جو ترقی ہوئی وہ بالکل اور ہی قسم کی تھی۔ اُس کی
ابتدا ۱۸۰۵ء کے سال کمزوری سے ہوئی جس کی بار بار یاد دہانی قوم کے لئے تکلیف دہ ہے۔
یہ بدیہی امر تھا کہ نپولین سے جنگ ہمیشہ کے لئے نہیں ٹل سکتی تھی۔ بایں ہمہ باوجود اس کے
کہ فرانس نے اپنی غیر جانبداری توڑ ڈالی تھی، پرشیا کی گورنمنٹ نے متحدہ روسی و آسٹروی فوج
کی مدد میں سستی کی، اور امن قائم رکھنے کی کوشش میں بڑا اخلاقی نقصان اُٹھایا۔ کل انسانی اندازہ
کے مطابق ۱۸۰۵ء کی جنگ میں پرشیا کی شرکت سے اتحادیوں کو یقینی فضیلت حاصل ہوئی۔
غیر جانب داری پر قائم رہنا ۱۸۰۶ء کے پُر شور نزاع کا سبب ہوا، اور یہ بہ حیثیت سلطنت پرشیا
کے آخری تنزل کا باعث ہوتا۔ اگر اُس کے رگ و ریشے میں وہ اخلاقی اوصاف موجود نہ ہوتے
جو فریڈرک کی جنگوں نے اُن میں بھر دیئے تھے۔ شکست کے تاریک ترین موقع پر اُن میں نہایت
چمک تھی۔ باوجود سیاسی تنزل کے فریڈرک کی فتوحات کے اثرات نے اُس جوش کو قائم رکھا
تھا جو شاہ ممدوح نے اپنی سلطنت اور رعایا میں پیدا کیا تھا۔ یہ بات صاف طور سے رعایائے
پرشیا و دیگر جرمنوں کے مختلف پہلو سے نپولین کے زمانۂ استبداد میں نمایاں ہے۔ وہ قوت
جو اہل پرشیا نے دراز و جلیل القدر جنگوں میں حاصل کی تھی وہ بمقابلہ امن کے مادّی برکات
کے زیادہ قیمتی ثابت ہوئی۔ وہ ۱۸۰۶ء کی شکست سے شکستہ نہ ہوئی اور اُس نے ۱۸۱۳ء کی

شجاعانہ بجا لیکو ممکن کیا۔ اور جرمن کی اتحادی جنگیں بھی اسی قسم کی جنگیں ہیں۔ جو باوجود ہزاروں قربانیوں کے اچھا نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ عدم استقلال و سیاسی کمزوری سے جو پروشیا کی گورنمنٹ نے ۱۸۴۸ء میں دکھائی، اور جس کی انتہا ۱۸۵۰ء میں آلموٹز کی ذلت سے ہوئی، پروشیا کی سیاسی و قومی اقتدار کو بڑی اذیت ہوگئی تھی۔ برخلاف ازیں خاموش اور اکی قوت جس سے کہ وہ پھر بہ حیثیت قوم ولیم اول و بسمارک کی سرکردگی میں اپنے فرائض سے دوبدو ہوئی۔ جلد کثیر مقدار میں ظاہر ہوئی۔ ایک غیر مستحکم حیثیت کو اصلی حالت ترقی پر لانے کی غرض سے اور جرمنوں کے واسطے صحیح کیفیاتِ زندگی حاصل کرنے کے لئے اتحادی جنگیں وقوع میں لاکر بسمارک نے اہل جرمن کی زمانہ دراز کی تمنا کو پورا کیا۔ اور جرمنی کو اول درجہ کی دولت کے مرتبہ پر پہونچا دیا۔ فوجی کامیابیوں اور سیاسی حیثیت نے جو بہ زور شمشیر حاصل ہوئیں۔ لاثانی مادی بہبودی کی بنا ڈالی یہ مشکل سے خیال میں آسکتا ہے، کہ اہل جرمن کی ترقی کسقدر قابل رحم ہوتی۔ اگر یہ جنگیں غور کردہ پالسی سے وقوع میں نہ لائی جاتیں۔

تازہ ترین واقعاتِ تاریخ بھی یہی تبلاتے ہیں۔ اگر ہم جاپانی نقطۂ خیال کو منصفانہ نظر سے دیکھیں۔ تو ہم کو معلوم ہوگا کہ روس سے جنگ کرنے کا عزم محض دلیرانہ ہی نہ تھا۔ بلکہ سیاستاً عاقلانہ اور اخلاقاً جائز تھا۔ روسی دیو کو دعوتِ جنگ دینا بڑی دلاوری تھی۔ مگر محض فوجی حالتیں موافق تھیں، اور جاپانی قوم کو جو تیزی سے تہذیب کے بلند رتبے پر پہونچ گئی تھی۔ اپنی تکمیل ترقی اور اپنی کثیر مستعدی کے واسطے نئے راستے نکالنے کے لئے وسیع دائرۂ اثر درکار تھا۔ جاپان اپنے نقطۂ خیال سے مشرقی ایشیا میں فائق مہذب قوت ہونے کے ادعا کا، اور روس کی رقابت کی تردید کا مجاز تھا۔

جاپانی مدبرین کو نتیجے نے حق بجانب ثابت کیا۔ فاتحانہ جنگ نے جاپانی رعایا اور سلطنت کے لئے وسیع تر مواقعاتِ زندگی پیدا کردئے، اور ایک ضرب نے اُس کو اس پایہ پر پہونچا دیا۔ کہ بین الاقوامی سیاسیات میں وہ فیصلہ کن جزو بن گیا۔ اور وہ سیاسی اہمیت دیدی جو یقیناً بڑی مادی ترقی

کا باعث ہو گی۔ اگر یہ جنگ کمزوری یا دوستیِ خلائق کے فریب وہ خیالات کی وجہ سے ٹال دیجاتی تو یہ فرض کرنا قرینِ عقل ہے۔ کہ معاملات کی صورت بالکل دگرگوں ہو جاتی۔ ضلع آمور اور کوریا میں روس کی بڑھنے والی قوت جاپانی رقیب کو ہٹا دیتی، یا کم از کم قوت کی اس بلندی پر پہونچنے سے روکدیتی جو اس جنگ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی، جو فوجی شجاعت اور سیاسی پیش بندی دونوں لحاظ سے شاندار رہے۔

جنگ کا موزوں وادراکی استعمال بہ حیثیت الہ سیاسی ہمیشہ خوشگوار نتائج پیدا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات تا تیاری کی مول لی ہوئی لڑائی قوم کے لئے زیادہ مفید ہے۔ بہ مقابلہ اس کے کہ بلا لڑے ہوئے اہم فوائد کو حوالہ کر دیا جاوے۔ اس کی مثال حال کی سلطنتِ برطانیہ کے مقابلہ میں چھوٹی ریاست ہائے بوئر کی جنگ ہے۔ اس لڑائی میں ریاستوں کو لابدی شکست ہوئی۔ یہ پہلے سے معلوم تھا کہ ایک مسلح کسانوں کی جماعت انگلستان اور اس کی نوآبادیوں کی متحدہ فوج کا استقلال کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، اور یہ کہ کسانوں کی فوجیں بالعموم بھاری نقصانات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں، مگر تاہم اگر کل علامات گمراہ کن نہیں ہیں۔ تو بوئروں کا خون آزادی و بہبودی کا پیش خیمہ ہوگا۔ باوجود زیادہ کمزوری کے اُنھوں نے دلیرانہ مقابلہ کیا۔ پریسیڈنٹ اسٹین لو تھا۔ اور ڈیوٹ جیسے لوگوں سے مع اپنے جوانمرد ساتھیوں کے بہت سے عظیم الشان جنگی کارہائے نمایاں سرزد ہوئے۔ کل قوم متحد ہو کر بالاتفاق لڑنے کے لئے اُس آزادی کے واسطے اٹھ کھڑی ہوئی جس کی تعریف میں بائرن نے کہا ہے۔ "کیونکہ آزادی کی جنگ جب ایک دفعہ شروع ہو جاتی ہے۔ اور وراثت میں خون آلودہ باپ سے بیٹے کو پہونچتی ہے۔ چاہے کئی بار اس میں شکست ہو جائے ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے"

قابل قدر اخلاقی فوائد جو ترقیات مابعد میں معدوم نہیں ہو سکتے۔ اس جنگ سے حاصل ہوئے ہیں۔ بوئروں نے بہ حیثیت قوم اپنی جگہ قائم رکھی ہے۔ ایک اعتبار سے انھوں نے اپنے آپ کو انگریزوں سے افضل ثابت کیا ہے، کیونکہ بہت سی شاندار فتوحات کے بعد انھوں نے ایک

پیس ڈالنے والی برتر فوج کی اطاعت قبول کی۔ اُنھوں نے شہرت و قومی احساس کا ایک ذخیرہ فراہم کیا۔ جس نے باوجود مغلوب ہو جانے کے آن کو ایسی قوت بنا دیا ہے جو قابل بھروسہ کے ہے۔ اس ترقی کا نتیجہ یہ ہے کہ بوئر جنوبی افریقہ میں سب سے بڑھی ہوئی قوم ہے اور یہ کہ انگلستان نے ان کو خود اختیاری گورنمنٹ دینا بہ مقابلہ اس کے کہ آن سے ہمیشہ برسر جنگ رہے زیادہ پسند کیا۔ اس سے متحدہ آزاد ریاستہائے جنوبی افریقہ کی بنیاد پڑ گئی۔ باوجود افسوس ناک اختتام جنگ کے پریسیڈنٹ کروگر جس نے اس جنگ کے جواز کا فتویٰ دیا تھا سیسل روڈس کے برخلاف کل زمانوں میں ایسا عظیم الشان، دور اندیش مدبر جنوبی افریقہ مشہور رہے گا جو باوجود ناموافق مادّی مواقع کے جانتا تھا کہ بیش بہا اخلاقی اوصاف کی باعتبار اہمیت کس طرح قدر کی جاتی ہے تاریخی تعلیمات نے اس خیال کو پختہ کر دیا ہے۔ کہ آن جنگوں کے نتائج جن کی آگ دور اندیش مدبروں نے مشتعل کی ہے۔ ہمیشہ نہایت خوشگوار ہوئے ہیں۔ مگر جنگ ہمیشہ ایک شدید صورت سیاسی تحریک کی ہوتی ہے جس کی ذات میں صرف شکست کا ہی خطرہ نہیں ہوتا، بلکہ ہر صورت میں اس کے لئے بڑی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں۔ اور اُس سے بے اندازہ مصیبت نازل ہوتی ہے۔ وہ شخص جو جنگ کا بانی ہوتا ہے۔ اپنے اوپر بڑی ذمہ داری لیتا ہے۔

لھذا یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بغیر نہایت وزنی اسباب کے ایسے فیصلہ پر نہیں آسکتا۔ بالخصوص آجکل کے زمانہ میں کہ قومی فوجیں موجود ہیں، پوری صفائی نظر اس فیصلہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ کیونکر اور کب اس ارادے کو اختیار کیا جائے۔ اور کونسے سیاسی اغراض مسلح فوج کے استعمال کو جواز کے دائرہ میں لاسکتے ہیں۔

پس اس سوال پر خوب غور کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کا قابل اطمینان جواب سلطنت کے لازمی فرض منصبی کے جانچنے سے مل سکتا ہے۔ اگر یہ فرض منصبی اس میں ہے کہ شہریوں کی اخلاقی و ذھنی اعلیٰ ترقی کو میدان اور نسل انسانی کی اخلاقی تعلیم میں مدد ملے تو اُس صورت میں ضروری ہے کہ سلطنت کے افعال اخلاقی قوانین کے مطابق ہوں۔ مگر سلطنت کے افعال کی جانچ

کسی شخصی اخلاق کے معیار سے نہیں ہو سکتی۔ اگر سلطنت اس معیار کے مطابق چلنا چاہے تو اکثر اوقات اُس کو اپنے ذاتی خاص فرائض کے خلاف جانا پڑیگا۔ سلطنت کے اخلاق کو اُس کے مخصوص جوہر سے بالکل اسی طور پر بڑھنا چاہیئے، جس طرح کہ شخصی اخلاق شخص مخصوص کی ذات اور اُس کے فرائض سوسائٹی میں جڑ پکڑتے ہیں۔ سلطنت کے اخلاق کی جانچ سلطنت کی نوعیت اور خود اُس کے وجود سے ہوتی ہے نہ کہ کسی فردِ واحد کے۔ مگر سلطنت کا لبِ لباب قوت ہے اور اُس شخص کو جس میں اتنی جرأت نہو کہ اس سچی بات کے مقابلہ میں آسکے، سیاسیات میں دخل دینا لازم نہیں ہے۔"

machiavelli (میکے ویلی) پہلا شخص تھا جس نے یہ کہا کہ ہر پالیسی کا گُر قوت کا بڑھانا ہے۔ مگر اس لفظ کے جرمنی کی اصلاح کے زمانہ سے اور معنی ہوگئے ہیں جو اُن معنی سے مختلف ہیں جس میں اُس کو فلارنس کے چالاک باشندہ نے لیا ہے۔ اُس کے نزدیک قوت خود بذاتہٖ قابل آرزو چیز تھی۔ ہمارے نزدیک سلطنت کا مقصد بالذات جسمانی قوت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اعلیٰ فوائد کے تحفظ اور ترقی کے لئے قوت ہے۔ قوت کا جواز اس طرح ہونا چاہیئے کہ اُس کا استعمال بنی نوع کے اعلیٰ فائدہ کے لئے کیا جاوے۔ کسی فرد واحد کے ذاتی اخلاق کے قیاس کا انحصار اس سوال پر ہے کہ آیا اُس نے اپنی فطرت کو پہچان کر کمال کے اعلیٰ سے اعلیٰ ممکن الحصول درجہ پر پہونچا دیا ہے یا نہیں۔ اگر یہی معیار سلطنت پر عائد کیا جائے تو اُنکا اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاقی فرض اپنی قوت کا بڑھانا ہوگا۔ شخص واحد کو اعلیٰ جماعت پر جس کا وہ ایک فرد ہے اپنے آپ کو قربان کر دینا چاہیئے۔ مگر انسان کی وسیع تر جماعت میں سلطنت بذاتہٖ سب سے اعلیٰ تصور ہے۔ اس لئے نفس کُشی کو اس معاملہ سے کوئی دخل نہیں ہے۔ عیسائیت کا فرضِ قربانی کسی اعلیٰ چیز کے لئے سلطنت کے واسطے نہیں ہے کیونکہ اُس سے اعلیٰ تر دنیا کی تاریخ میں کوئی چیز نہیں۔ لہذا وہ اپنے آپ کو کسی اعلیٰ تر چیز پر قربان نہیں کر سکتی۔ جب سلطنت دیکھتی ہے کہ اس کا تنزل آنکھیں پھاڑے سامنے کھڑا ہے ہم واہ واہ کرتے ہیں یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ گرتی ہے۔ اور تلوار اُس کے ہاتھ میں ہے غیر قوم کے لئے قربانی صرف خلاف اخلاق ہی نہیں۔ بلکہ اُس سے خود حفاظتی کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو سلطنت کا سب سے اعلیٰ

مقصود ہے۔" سیاسی اخلاق کی بنیادوں کے بیان کا طریقہ میں نے اس سے بہتر نا ممکن سمجھا ہے
کہ اپنے بڑے قومی مورخ کے الفاظ میں بیان کر دیا جاوے۔" مگر ان نتائج پر ہم دوسرے رستے
سے بھی پہونچ سکتے ہیں۔ شخص واحد صرف اپنی ذات کا ذمہ وار ہے۔ اگر خواہ کمزوری، خواہ اخلاقی
اسباب سے وہ اپنے نفع کی طرف سے غافل رہے تو وہ صرف اپنی ذات کو ضرر پہونچاتا ہے۔ اُس کے
افعال کے نتائج اُسی پر لوٹ کر آتے ہیں۔ سلطنت کی صورت میں معاملہ کی حالت بالکل مختلف ہے
وہ کسی جماعت کی شاخ در شاخ اور اکثر مخالف فوائد کی وکیل ہے۔ اگر وہ کسی وجہ سے اُن فوائد
کی جانب سے غفلت کرے تو وہ بہ حیثیت قانونی شخصیت کے صرف اپنے خیالات ہی فاسد نہیں کرلیتی
بلکہ وہ بہت سے نجی کے فوائد کو جن کی وہ وکیل ہے ضرر پہونچاتی ہے۔ اس دور تک پہونچنے والے ضرر
کا اثر صرف ایک ہی متنفس پر جو صرف اپنی ذات کا ذمہ دار ہے نہیں پڑتا۔ بلکہ متنفسوں کے اتبار
اور جماعت پر بھی ہوتا ہے۔ لہذا سلطنت کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ بہ حیثیت محافظ و ترقی دہندہ
فوائد اعلیٰ اپنے خاص فرض کے ساتھ وفادار رہے۔ اس فرض کو وہ پورا نہیں کر سکتی۔ تاوقتیکہ اُس میں
ضروری قوت نہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ قوت کا بڑھانا اس نقطۂ خیال سے بھی سلطنت کا سب سے پہلا اور سب سے
ضروری فرض ہے۔ معاملہ کا یہ رُخ ایک خاصا معیار پیش کرتا ہے۔ جس سے سلطنتوں کے افعالِ اخلاقی
کی جانچ ہو سکتی ہے۔ اہم ترین سوال یہ ہے کہ سلطنت نے اس فرض کو کہاں تک انجام دیا ہے۔ اور
اس ذریعہ سے کہاں تک جماعت کے فوائد کی خدمت کی ہے؟ اور یہ صرف مادّی معنی میں نہیں ہے
بلکہ اعلیٰ تر معنی میں ہے کہ مادّی فوائد صرف اُس حالت میں جائز ہیں کہ اُن سے سلطنت کی قوت
کو ترقی ہو۔ اور اس طریقے سے بالواسطہ اُس کے اغراض کو نفع پہونچے۔

باعتبار پیچیدگی حالاتِ تمدنی یہ ظاہر ہے کہ بیشمار نجی فوائد کو جماعت کے فائدہ پر قربان ہونا
چاہیئے اور چونکہ انسان کی تمیز محدود ہے اس لئے لازمی ہے کہ جماعت کے فوائد کا خیال غلط بھی ہو جائے
تاہم سلطنت کی قوت کا بڑھانا سب سے پہلی اور اور سب سے مقدم غرض ہونا چاہیئے اور مدبر کی پالیسی کا

دستور العمل" کل سیاسی گناہوں میں کمزوری کا گناہ سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہے۔ وہ روح القدر کا سیاسی گناہ ہے"۔ سیاسی اخلاق کی اس حجت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ از روے منطق وہ ہمیں جیزوئٹ کے اصول پر پہونچا دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ نتیجے کے حاصل ہو جانے سے ذرائع بھی جائز ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کہ اس کی روسے سلطنت کی قوت بڑھانے کے لئے ہر قسم کی تدابیر کام میں لائی جا سکتی ہیں۔

ایک نہایت سخت مسئلہ اس سوال سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کس حد تک سیاسی اغراض کے لئے جو بذاتہ اخلاقی ہیں ایسے ذرائع جو انفرادی زندگی میں قابل الزام ہو سکتے ہیں استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے کوئی قابل اطمینان حل دستیاب نہیں ہوا ہے اور میں اس موقع پر مجبور نہیں ہوں کہ کسی حل کی کوشش کروں۔ جنگ جس سے اسوقت مجھے سروکار ہے بذاتہ قابل الزام ذریعہ نہیں ہے۔ مگر وہ قابل الزام ہو سکتا ہے اگر خلاف اخلاق یا لچر اغراض اختیار کرے جن کو کوئی نسبت جنگی تدابیر کی متانت سے نہو۔ اس موقع پر مجھے اپنے خاص مضمون سے ذرا انحراف کرنے کی اور مختصراً چند باتوں پر بحث کرنے کی ضرورت ہے جو سیاسی اخلاق کے سوال سے متعلق ہیں۔ اخلاق سیاسی و اخلاق شخصی کے بیچ میں خلیج اس قدر وسیع نہیں ہے۔ جس قدر عام طور پر فرض کر لی گئی ہے۔ سلطنت کی قوت بالکل اُن اجزا پر نہیں ہے جن سے مادی قوت مرکب ہے وہ زمین، آبادی، دولت۔ اور زبردست بری و بحری فوج پر نہیں ہے۔ اُس کا قیام زیادہ تر اخلاقی عناصر پر ہے جو باہم دگر مادی عناصر سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ قوت جس سے کوئی سلطنت اپنے اغراض کو ترقی دیتی اور غیر سلطنتوں میں اپنے شہریوں کے حقوق کی وکالت کرتی ہے، اور اُن کی حمایت میں موقع بہ موقع شمشیر بکف ہو جانے سے بھی نہیں جھجکتی۔ اُس کی قوت کا اصلی جزو ہیں۔ بمقابلہ کل ایسے ممالک کے جو ایسی حالت میں معاملات کو نازک موقع تک نہیں پہونچنے دیتے۔ علی ہذا القیاس ایک قابل اعتبار و قابل احترام پالسی اتحادیوں اور نیز دشمنوں سے معاملات کرنے میں طاقت کا عنصر ہے۔ اس صورت سے عمداً دھوکا دینا مدبر کا فرض نہیں ہے۔ سیاسی نقطۂ خیال سے وہ کل ایسے

عہد و پیمان سے بچ سکتا ہے۔ جس کا حصر اُس کی ایمانداری پر کر دیا جائے اور ایسا کرنے سے وہ اپنے ملک کی شہرت اور قوت کی اُتنی ہی خدمت کرے گا، جتنی سیاسی دھمکیوں سے علیحدہ رہنے اور کل سیاسی اصول و قواعد کے چھوڑ دینے سے ممکن ہے۔

پرانے زمانہ میں ظالم حاکم کا قتل اخلاقی فعل سمجھا جاتا تھا۔ اور جیزدُٹ فرقے نے قتل شاہ کے جواز کی کوشش کی ہے۔ اس زمانہ میں سیاسی اخلاق کے نقطۂ خیال سے سیاسی قتل پر سب جگہ نفرین کی جاتی ہے۔ یہی حالت پہلے سے سوچے ہوئے سیاسی دھوکے کی ہے۔ وہ سلطنت جو فریب وہ قاعدوں کو کام میں لائے گی، جلد بدنامی کی پستی میں گر جائیگی۔ وہ شخص جو اخلاقی اغراض کے لئے خلاف اخلاق ذرائع اختیار کرتا ہے اضدادی خواہشات میں پھنسا ہوا ہے۔ اور اس غرض کو جس کا حصول مقصود ہے رد کرتا ہے۔ کیونکہ عملاً وہ اُس کا منکر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص اپنے کل ارادے اور آخری مقاصد سے حریف کو مطلع کر دے کہ اس معاملہ میں وہ اپنی ذاتی رائے قائم کرنے سے باز نہ رہے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ عمداً جھوٹ بولے یا چالاکی سے دھوکے دے۔ ایک لطیف صفائی قلب ہر جگہ بڑے مدبر کی خصوصیت رہی ہے۔ چالبازیاں اور دورنگی ملکی حکمت عملی کی حقیر اسٹپر ہے۔ المختصر دو سلطنتوں کے تعلقات کو اکثر حالتوں میں جنگ مخفی کہنا چاہیئے جو عارضی طور پر پُرامن رقابت میں ہو رہی ہے۔ ایسی حالت مخاصمانہ تدابیر اور مکر و فریب کے بھی کام میں لانے کو جائز کر دیتی ہے۔ چنانچہ خود جنگ کے یہی معنی ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں ہر دو فریق اُن قبیح ذرائع کو کام میں لانے کے لئے تُلے ہوتے ہیں۔ باوجود ان تمام باتوں کے میرا گمان ہے کہ عاقلانہ و دانشمندانہ حکمت عملی سے تصادم مابین ذاتی و سیاسی اخلاق دفع ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ مدعائے مطلوبہ میں کوئی اخفا نہ کیا جائے، اور یہ سمجھا جائے کہ کام میں آنے والے ذرائع اور اُس مدعا کی آخری اخلاقی نوعیت میں تطابق ہونا چاہیئے۔

مسلّم حقوق سے اکثر سیاسی عمل میں خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ مگر جیسا ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں یہ ہرگز آزاد حقوق نہیں۔ یہ انسان کی ایجاد ہیں۔ لہذا ناقص اور تغیر پذیر ہوتے ہیں۔

بعض مواقع پر آن میں اور حالاتِ واقعی میں تطابق نہیں ہوتا۔ اس صورت میں "جتنا زیادہ قانون اُتنی ہی زیادہ خرابی"، کا اُصول صادق آتا ہے۔ اور حق کی خلاف ورزی اخلاقاً جائز معلوم ہوتی ہے۔ یارک کا فیصلہ عہد ٹاروکین کے متعلق صریحاً خلاف ورزی حق تھا، مگر وہ اخلاقی فعل تھا۔ کیونکہ اتحاد فرانس و پروشیا جبریہ صورت سے عمل میں آیا تھا، اور سلطنت پروشیا کے کل اہم اغراض کے خلاف تھا، وہ حقیقتاً غیر صادق و مخربِ اخلاق تھا۔ ان باتوں سے معلوم ہوا کہ بد اخلاق حالت کے روک دینے کا ہمیشہ مجاز حاصل ہے۔

جنگ کو سیاسیات کا ایک ذریعہ بنانے کی بابت ہماری دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آخری ذریعہ کا استعمال صرف اس صورت ہی میں سلطنت کا فرض نہیں ہو جاتا ہے کہ اُس پر حملہ ہو، بلکہ اُس صورتمیں بھی کہ دوسری سلطنتوں کی پالیسی سے کسی خاص سلطنت کی قوت کو دھکی دیجائے اور امن کا طرزِ عمل اُس کے اقتدار کی حفاظت کے لئے ناکافی ہو۔ اس قوت کی بنا جیسا ہم کو معلوم ہو چکا ہے مادی بنیاد پر ہے۔ مگر اُس کا اظہار اخلاقی حیثیتوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے جنگ اس حالت میں جبکہ سلطنت کے اخلاقی اثر کی جانب سے تعصب پیدا ہوتا ہوا معلوم ہو، گو قوت کی مادی بنیاد معرض تہدید میں نہ آئی ہو ایک ضروری چیز معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت سے بظاہر خفیف اسباب خاص حالتوں میں نہایت جائز اسباب ہو سکتے ہیں۔ اگر سلطنت کی عزت اور اس لئے اُس کا اخلاقی اقتدار معرض خطر میں ہو۔ یہ اقتدار اُس کی قوت کا لازمی جزو ہے۔ حریف کو اس گمان کا کبھی موقع نہ دینا چاہئے۔ کہ اس اقتدار کے جتانے میں ارادے کی کمی ہے۔ چاہے اس کے محسوس کرانے میں تلوار ہی اُٹھانی پڑے۔

جنگ یا امن کا فیصلہ کرنے میں دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ آیا امر متنازعہ فیہ سلطنت کی قوت کے لئے اس درجہ اہم ہے کہ لڑنے کا عزم اُس سے جواز کا قومی حاصل کر سکتا ہے۔ آیا ناگزیر خطرات و مصائب جنگ سے سلطنت کے اغراض کو زیادہ مضرت پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ بہ مقابلہ اُن نقصانات کے جو اعلان جنگ نہ کرنے کی صورت میں انسانی اندازہ کے

موافق پیدا ہونا ضروری ہیں۔ ایک اور امر قابل لحاظ یہ ہے کہ آیا معاملات کی عام حالت سے کوئی معقول توقع فوجی کامیابی کی پائی جاتی ہے مصلحت کے ان لحاظوں کے ساتھ معاملہ کے چند اور اہم پہلوؤں پر بھی غور کرنا لازم ہے۔

یہ ہمیشہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ سلطنت کے لئے جائز نہیں کہ اُس کی نظر صرف زمانہ حال پر رہے۔ اور وہ موجودہ نسل کے محض موجودہ فائدہ پر لحاظ رکھے۔ ایسی پالیسی ضروری نوعیت سلطنت کے اجزائے ترکیبی کے خلاف ہوگی۔ اُس کے طرز عمل کی باگ اُن اخلاقی فرائض کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے جو اُس پر واجب ہیں جو ایک درجہ طے کرنے کے بعد دوسرے اعلیٰ تر درجہ کا پتہ دیں۔ اور حال کو استقبال کے واسطے تیار کریں۔ " سلطنت کی سچّی عظمت یہ ہے کہ وہ ماضی کا سلسلہ حال و استقبال سے ملائے۔ لہذا کسی شخص واحد کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ سلطنت کو اپنے حوصلہ مندانہ خواہشات کے حاصل کرنے کا آلہ سمجھے "

اس صورت سے قانون ترقی سیاسیات میں جزو خاص ہو جاتا ہے۔ اور جنگ کے فیصلہ میں اس لحاظ کا وزن بمقابلہ اُن قربانیوں کے جو لازمی طور پر زمانہ حال میں گوارا کرنی پڑینگی، زیادہ ہونا چاہیئے۔ زیلرنے کبھی گیٹی کو لکھا تھا کہ " میرے تصور میں یہ بات نہیں آتی۔ کہ کوئی فعل نیک بلا قربانیوں کے ہو سکتا ہے۔ کل حقیر افعال کا نتیجہ ہمارے مدعا کے برعکس ہوگا "

دوسرا قابل لحاظ نقطۂ خیال بالکل وہی ہے جس پر زیلرنے زور دیا ہے۔ عظیم الشان مدعا بلا بڑے دماغی و مادّی وسائل کو خطرے میں ڈالے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور کسی کامیابی کے یقین کی پوری اُمید نہیں ہو سکتی۔ ہر مہم کا مفہوم زیادہ یا کم ہمت مردانہ ہوتا ہے۔ شہری زندگی کے روزانہ تعلقات باہمی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور سیاسیات میں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُن میں ہم کو اُن قوی ترین دشمنوں کا خیال کرنا چاہیئے۔ جن کی قوت کا اندازہ مبہم طور پر ہوتا ہے۔ نسبتاً خفیف معاملات میں معاہدات اور آپس کی رضامندی سے بہت کچھ ہو سکتا ہے اور مراعات باہم دگر قابل اطمینان حیثیت پیدا کر سکتی ہیں۔ ایسے مسئلوں کا

عمل ملکی حکمت عملی کے دائرے سے متعلق ہے۔ مگر جب اہم مسائل زیر بحث ہوتے ہیں تو صورت معاملات بالکل اور ہوتی ہے یا جب مدمقابل رعایت کا طلب گار ہوتا ہے۔ مگر خود کسی عایت کی ذمہ داری نہیں کرتا اور کھلم کھلا فریق ثانی کو نیچا دکھانے پر تلا ہوتا ہے اُس صورت میں عمالِ حکمتِ عملی کے لئے خاموش رہنے کا وقت، اور جلیل القدر مدبرین کے لئے عمل کا موقع ہے۔ مردوں کو ہر چیز کی بازی لگا دینے کی ٹھان لینا چاہئے، اور وہ جنگ کے سخت فیصلہ سے جان نہیں چُرا سکتے۔ ایسے معاملات میں اگر دشمن کے مقابلہ میں کسی جھجک سے کام لیا جائیگا، یا کوئی اہم اغراض ترک کئے جائینگے، یا عارضی تصفیہ کی کوشش کی جائیگی تو اس سے نہ صرف سیاسی اقتدار کو اور عارضی اور حقیقی قوت کو اکثر نقصان پہونچے گا۔ بلکہ یہ اغراض سلطنت کے لئے دائمی مضرت کا باعث ہونگے۔ جس کی شدت کا احساس صرف آیندہ نسلوں کو ہوسکتا ہے۔ صلح جویانہ تعلقات کی شکست ہمیشہ یہ حالت پیدا نہیں کرتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محض جنگ کی دھمکی اور حسب ضرورت صاف اعلان نیتِ جنگ سے دشمن دب جاتا ہے۔ مگر یہ نیت بالکل صاف ہونا چاہئے کیونکہ "مراسلاتِ جنگ بغیر اسلحہ ایسے ہی ہیں جیسے کتاب موسیقی بغیر ساز"، جیسا کہ فریڈرک اعظم کا قول ہے۔ "وہ چیز جس کے سامنے دشمن کے ارادے کو جھکنا پڑتا ہے۔ آخر کار قوم کی اصلی طاقت ہے۔ لہذا جب اپنے دعاوی کی طرف توجہ دلانے میں جنگ کی دھمکی سے کام نہ چلے تو جنگ شروع کردی جاوے۔ یہ فرض غیر مشروط ہے اور لڑنے کا حق جنگ کرنے کا فرض ہوجاتا ہے جو قوم اور مدبر دونوں پر یکساں واجب ہے۔

سب سے آخر میں ایک تیسری بات قابل غور ہے۔ ایسے مواقع بھی ہوسکتے ہیں کہ جن میں جنگ محض پاس غیرت کے لئے ہونا چاہئے۔ خواہ انہیں کامیابی کی توقع نہو۔ اس کی ذمہ داری بھی لینا پڑتی ہے۔ کم از کم یہ خیال فریڈرک اعظم کا تھا۔ اُس کے بھائی ہنری نے جنگ کولن کے بعد فرانس کو روپیہ دیکر صلح کرنے کی غرض سے اُس کو مارکوئیس ڈ و پامپیڈ ور

کے آگے سرنگوں ہونے کا مشورہ دیا۔ بعدازاں جنگ کونرس ڈارف کے بعد اُس کی حالت بالکل مایوسانہ ہوگئی۔ مگر بادشاہ نے جنگ سے دست بردار ہونا گوارا نہ کیا۔ وہ بہتر جانتا تھا کہ ملکی عزت و اخلاقی منزلت کے لئے کیا مناسب ہے اور اُس نے شمشیر بدست مرنے کو ھتک آمیز صلح پر ترجیح دی۔ پریسیڈنٹ روزویلٹ نے جو پیام بنام کانگرس ممالک متحدہ امریکہ ۳؍دسمبر ۱۹۰۶ء کو بھیجا ہے۔ اُس میں بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار ہے۔ مردانہ وار رگوں میں جوشش پیدا کرنے والے یہ الفاظ تھے کہ "جنگ باغیرت لوگ اور باغیرت قوم کے لئے صرف جائز ہی نہیں، بلکہ اس وقت فرض ہے جبکہ حصول امن بغیر ایمان چھوڑے یا قومی بہبودی کی قربانی کئے ممکن نہو۔ جنگ برحق انجام کار قوم کی روح کے لئے کہیں بہتر ہے۔ یہ مقابلہ نہایت کامیاب صلح کے جوظلم یا ناانصافی پر مہر قبولیت لگانے سے حاصل ہوئی ہو۔ . . . . . . یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جنگ میں شکست کھانا بھی بالکل ہی نہ لڑنے سے بہتر ہے۔"

ان مختلف آرا کو یکجا کرکے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اعلیٰ معنی میں مصلحت کا نتیجہ اس فیصلہ میں ہونا چاہیئے۔ کہ آیا ایسی جنگ اختیار کی جائے جو بذاتہٖ اخلاقاً جائز ہے۔ یہ فیصلہ اس بات سے سہل تر ہو جاتا ہے، کہ توقعات کامیابی ہمیشہ سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔ جبکہ اعلان جنگ کا وقت سیاسی و جنگی حالت کے مناسب رکھا جاسکے۔

اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ خارجی پالیسی کی ہر کامیابی بالخصوص جب مظاہرۂ قوتِ فوجی سے حاصل ہوئی ہو۔ خارجی معاملات میں سلطنت کی قوت کو مرتفع ہی نہیں کردیتی بلکہ داخلی گورنمنٹ کی ناموری کو بڑھا دیتی ہے، اور اس طرح سے بہتر طریقے پر اپنے اخلاقی مقاصد اور مہذب فرائض کے پورا کرنے کی اُس میں صلاحیت پیدا کردیتی ہے۔

اس صورت میں کسی شخص کو اس مسئلہ پر کاوش نہوگی کہ بعض حالتوں میں جنگ سے سیاسی آلہ کا کام لینا سلطنت کا اخلاقی وسیاسی فرض ہے۔ جبتک کل انسانی ترقی وکل قدرتی

افزائش کی بنا قانون جدال پر ہے۔ نہایت اچھے موقعوں پر ایسے جدال میں پاؤں اڑانا ضروری ہے۔
جب کسی سلطنت کو یہ وقت پیش آئے۔ کہ وہ اپنی جنگی تیاریاں جو دشمنوں کی قوت نے مجبوری سے کرائی ہیں۔ زیادہ جاری نہ رکھ سکے۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ رقیب سلطنتیں قدرتی اسباب سے اتنی آگے بڑھ جائینگی۔ کہ کمزور کے لئے پیچھے ہٹنا ممکن نہوگا۔ جب اس بات کے علامات سامنے ہوں کہ ایک حملہ آور اتحاد قوی تر دشمنوں کا عمل میں آئیگا۔ جو حملہ کرنے کے لئے مناسب وقت کے منتظر ہیں۔ تو ان صورتوں میں سلطنت کا اخلاقی فرض من جانب رعایا یہ ہے کہ مجادلہ شروع کر دیا جائے۔ دراں حالیکہ توقعات کامیابی پریشان ہوں۔ مگر اس سلطنت کے جنگ جویانہ قوت میں فضیلت کے عناصر پائے جائیں تو اپنے سیاسی اغراض کی ترقی کے لئے عمدہ موقعوں سے کام لینا ضروری ہے۔ اگر اس بات کی توقع ہو کہ نسبتاً خفیف قربانی سے عظیم الشان فوائد حاصل ہونگے۔ تو خطرۂ جنگ کا مقابلہ اور بھی مستعدی سے کیا جا سکتا ہے۔
ان فرائض پر صرف ایک زبردست ثابت قدم اور مستعد پالیسی کاربند ہو سکتی ہے وہ پالیسی جس کے خیالات غیر مبہم ہوں جو سلطنت کی کل زندہ قوتوں میں جوش پیدا کر سکے اور ان کو ایک مرکز پر لا سکے اور شلر کے مصرعوں کی صداقت کا احساس رکھتی ہو۔

"جس موقع کو تم نے ایک دفعہ ہاتھ سے نکال دیا پھر صدیوں تک وہ ہاتھ نہیں آئیگا"

تاریخ کا فیصلہ اُس مدبر کو ملزم ٹھہرائے گا جس نے مردانہ فیصلہ کی ذمہ داری نہیں لی، اور آئندہ کی اُمیدوں کو حال کی ضرورتِ امن پر قربان کر دیا۔

یہ ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں اس سوال کا جواب نہایت مشکل ہے۔ کہ آیا کسی خاص سلطنت کے معاملہ میں ایسی صورتیں ہیں۔ جن سے جنگ کرنے کا عزم جواز کا فتویٰ حاصل کر سکے۔ یہ دقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس فعل کی تواریخی اہمیت پر بھی لحاظ کرنا لازم ہے اور فوری نتیجہ ہی اُس کے جواز کی آخری جانچ ہے۔ جنگ ہمیشہ آخری فیصلہ آسانی نہیں ہوتا بعض ایسی کامیابیاں ہیں جو چند روزہ ہوتی ہیں اور قومی زندگی کا اندازہ صدیوں میں ہوتا ہے۔ آخر فیصلہ صرف زمانہ ہائے دراز کی جانچ سے ہوتا ہے
اُس شخص میں جس کی بلند و ذمہ دار قسمت نے اُس کو ایک عظیم الشان سلطنت کی تقدیر کا ناخدا بنایا اپنے ہم عصروں کے فیصلے نظر انداز کرنے کی صلاحیت ہونا چاہیئے۔ گر اپنی پالیسی کے مقاصد کے متعلق اُس کی رائیں اُنکی رایوں سے صاف ہوں۔ اور پورے زور کے ساتھ اُس کو کانٹ کی یہ تعلیم

پیش نظر رکھنا لازم ہے۔" اس طرح عمل کر کر بڑے ارادہ کا اصول ایک عام قانون دستور العمل کا بھی کام دے۔"

اُس کو سلطنت کی نوعیت و مقصد کا صاف تصور ہونا چاہیئے۔ جس کو اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاقی نقطہ خیال سے دماغ میں رکھنا اُسکا فرض ہے۔ وہ اور کسی طریقہ سے اپنی پالسی کے قواعد قائم نہیں کر سکتا۔ اور قوانین اخلاق سیاسی سے مانوس نہیں ہو سکتا۔ نیز اُس کو قوم کے خاص فرائض کا جس کی قسمت کی باگ اُس کے ہاتھ میں ہے۔ صاف تصور رہونا لازم ہے۔ تدبر کا انتہائی مقررہ مقصود سمجھکر اُن فرائض کو صاف اور معین صورت میں باقاعدہ کرنا چاہیئے۔ جب اس نکتہ پر اُس کے خیالات بالکل صاف ہو جائیں تو اُس وقت ہر مخصوص حالت میں وہ اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا باتیں سلطنت کے حقیقی اغراض کے مطابق ہیں سیاسیات کا راستہ صاف کرنے اور ناگزیر جنگ کے لئے موافق مواقع حاصل کرنے کی آمید سے وہ صرف اسی وقت باقاعدہ طور پر کام کر سکتا ہے۔ اور اسی وقت وہ دل سے اُس نقطہ خیال پر پہونچ سکتا ہے جس کو لیوتھر نے خشن و جری الفاظ میں بیان کیا ہے۔ جب جنگ کا گھنٹہ بج جاتا ہے۔ اور نبرد آزمائی کا فیصلہ اُس کے مقابل ہوتا ہے۔ "لوگ اکثر تحریر و تقریر میں ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جنگ بڑی مصیبت ہے مگر اُن کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ وہ چیز جس کا دفاع جنگ سے ہوتا ہے۔ کس قدر بزرگ تر مصیبت ہے خلاصہ یہ ہے کہ جنگ کے معاملہ میں لوگوں کو قتال۔ آتشزدگیوں۔ لڑائیوں اور دھاووں وغیرہ کا خیال نہ کرنا چاہیئے یہ تو حقیر اور احمق لوگوں کا فعل ہے جو محض بچوں کی آنکھوں سے جراح کو دیکھتے ہیں جو ہاتھ کاٹتا ٹانگ پر آری چلاتا ہے مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ وہ کل جسم کے تحفظ کے لئے ایسا کرتا ہے۔ اس لئے جنگ یا تلوار کے معاملہ کو مردوں کی آنکھوں سے دیکھنا لازم ہے اور یہ سوال پوچھنا ضروری ہے کہ اس قتال و ہیبت ناک واقعات کی وجہ کیا ہے۔ تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ معاملہ بالذات خدا کی طرف سے برگزیدہ معاملہ ہے۔ اور دنیا اُس کی اتنی ہی احتیاج و ضرورت رکھتی ہے۔ جتنی کھانے یا پینے یا کسی اور کام کی۔"

لہذا اس فیصلہ کے لئے کہ جرمن پالسی کو کونسی راہیں اہالیان جرمنی کی ترقی اغراض کے لئے اختیار کرنا چاہیئے اور اُن کے کیا امکانات ہیں۔ ہم کو سب سے پہلے حل طلب مسائل سلطنت و تہذیب کے اندازہ کی کوشش کرنا چاہیئے، اور یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ کونسے سیاسی اغراض ان مسائل سے مطابقت رکھتے ہیں۔

جرمنی کی تواریخی ترقی پر ایک سرسری نظر۔

کسی متنفس شہری کی زندگی صرف اُس صورت میں قابل قدر ہی کہ وہ اُس سے حصولِ مقاصدِ عظیم الشان میں ادراکی طور پر اور مستعدی سے کام لے۔ یہی اصول قوموں اور سلطنتوں پر عاید ہوتا ہی۔ گویا قومیں اور سلطنتیں مجموعہ انسانی کے افراد ہیں جنکی قابلیتیں و اوصاف مخصوصہ ایک دوسرے سے بجد مختلف ہیں جن میں مختلف تحصیلات کی صلاحیت ہی اور جن سے کہ انسانی زندگی کی بڑی ترقی میں گوناگوں کام نکلتے ہیں۔ آجکل ہماری قوم کے وسیع دائروں میں مادّی فلسفہ کا سکہ جاری ہی۔ اسکے نقطہ خیال سے مندرجۂ بالا اصول قابل قبول نہیں ہی۔ اس کی رو سے دنیا کے کل واقعات مقرّرہ قاعدوں کا ضروری نتیجہ ہیں آزاد ارادہ محض ضرورت کا نام ہی جسنے ادراکی صورت اختیار کر لی ہی۔ اسکو تئے مشاہدی اور دماغی ادراک کے فرق سے انکار ہی۔ اور اخلاقی آزادی کے تصوّر کی بناء ادراک پر ہی۔

سائنس کے اعتراض کے سامنے یہ فیصلہ نہیں ٹھہر سکتا۔ وہ ہر جگہہ بلا پابندی قاعدہ انسان کے ناکافی ذہنی ادراک کے تنگ حدود کے اندر مفید معلوم ہوتا ہی۔ وجود عالم قانون سبب کے خلاف ہی۔ بے پایانی و مداومت ہمارے دائرہ تصور سے خارج ہیں۔ کیونکہ تصورات کا حصر جگہہ اور وقت پر ہی قوت محرکہ و قوت ارادیہ کی نوعیت ضبط بیان میں نہیں آسکتی۔

قوائے محرکہ اور اشیا کی حقیقی نوعیت ہماری سمجھ سے علحدہ ہو جاتی ہی۔ انسانی نقطۂ خیال سے عالم کی باقاعدہ تشریح ناممکن ہی۔ اگرچہ کوئی قابل ثبوت تیقن اس اصول کا نہیں ہی مگر اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہی کہ ایک ادراکی انتظام ترقی کے موافق جو دائمی تبدیلی کے گھومنے والے چکروں سے ہو رہی ہی دنیا کی کل روحانی قوانین سے چل رہی ہی مگر یہ قوانین خارج از فہم انسانی ہیں حتی کہ انسان کی تدریجی ترقی بھی ایک مخفی اخلاقی قاعدہ کی پابند ہی۔ بہرحال تہذیب اور عام اخلاقی خیالات کی اشاعت سے ہمکو پاک اور اعلیٰ زندگی کیطرف ترقی کا احساس معلوم ہوتا ہی۔

درحقیقت ہر جدا افرادی حالت میں تدبیر اور ارادہ کا ثبوت ناممکن ہی کیونکہ ہمارا "کل" کا خیال نہایت محدود اور بے قاعدہ ہوتا ہی۔ مگر اپنے محدود علم اشیا کے اندر اور واقعات کی ضرورت اندرونی کے حدود میں ہم کم از کم مشیت ایزدی کے کھلے ہوئے سطحی اصول سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور اسی کو ہم اصول ترقی کہتے ہیں اس طرح سے ترقی اور مزید جستجو میں ہمکو مفید مدد ملیگی مشیت ایزدی کا قول وارادہ لوگوں اور سلطنتوں کی جنس و نسلوں کے تاریخی نشو و نما میں خوب ظاہر ہوتا ہی۔ گوئٹھے نے ایک موقع پر Zelter زیلٹر کو خط میں لکھا تھا "کہ حق بات کا پایہ صرف اُس کی تاریخ سے بلند ہوتا ہی۔ اور وہی اُس کی پشت پناہ ہی جھوٹی بات کا پایہ اُس کی تاریخ سے گرتا ہی اور وہی اُس کی خراب کرنے والی ہی"

لوگوں اور نسلوں کی ساخت سلطنتوں کی ترقی و تنزل۔ قوانین معاشرت عام ہم میں یہ تمیز پیدا کرتے ہیں کہ وہ قوتیں کیا ہیں جو خلق کرنے۔ قایم رکھنے اور بھلائی پہنچانے کا اثر رکھتی ہیں اور وہ قوتیں کیا ہیں جن سے شیرازہ بکھر جانا اور انجام کار لابدی تنزل واقع ہوتا ہی۔

ہم یہاں عام قوانین کے عمل پر نظر ڈال رہے ہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سلطنتیں

وہ ذاتیات ہیں جنہیں بالکل مختلف انسانی اوصاف ودلیعت کیے گئے ہیں جنکی نوعیت عجیب اور مخصوص ہوتی ہی۔ اور یہ مشینی اوصاف سلطنتوں کی اجتماعی ترقی میں بالکل جدا اجزا ہیں۔ تحریکات و اثرات جداجدا قومی ذاتیات پر بالکل مختلف اثر رکھتے ہیں ہمکو تاریخ ماہرِ علم روحانی نہ کہ ماہر علم حیوانات کے طریقہ پر سیکھنا چاہیئے۔ اگر کسی قوم کا عام میلانِ ترقی معلوم کرنا ہی تو اسی کے نقطۂ خیال سے اُس قوم کی جانچ کرنا چاہیئے ہمکو اہلِ جرمنی کی تواریخ کا مطالعہ اُس رابطہ کیساتھ جو اُس کو دیگر سلطنتہائے یورپ کی تواریخ سے ہی کرنا چاہیئے۔ اور یہ سوال کرنا چاہیئے کہ اُس کی ترقی نے ابتک کون سے راستے اختیار کیے ہیں۔ اور زمانہ گزشتہ ہماری آیندہ پالیسی کے لئے کس قسم کی رہنمائی فراہم کرتا ہی۔ جبسے اُن کا تاریخ میں ظہور ہوا ہی اہل جرمنی نے اپنے آپکو اوّل درجہ کی مہذب قوم ثابت کیا ہی۔

جب وحشی قوموں کے حملوں نے سلطنت (Rome) روما کا شیرازہ بکھیر دیا تو دو خاص عنصروں نے مغرب کے مستقبل کو نئے سانچے میں ڈھالا یعنی عیسائیت و اہل جرمنی آقاؤں اور غلاموں کی سلطنت میں عیسائیت نے ملکیات کے متعلق کل لوگوں کی جماعت کے لئے مساوی حقوق کی تعلیم دی سگر اعلیٰ درجہ کا اخلاقی قانون مرتب کیا۔ اور ایسی قوم کو جس کا نقطۂ خیال صرف تعیش کیطرف تھا عاقبت کی طرف متوجہ کیا اور جتلایا کہ عقبیٰ ہی زندگی کا آخری مقصد ہی اس تعلیم نے انسان کی قدر بحیثیت انسان بڑھا دی اور شخصیت کی اخلاقی ترقی کو مطابق قوانینِ ضمیرِ شخصی کل ترقی کی ابتدا ٹھہرا دیا۔ اس صورت سے اُس نے بتدریج دنیائے قدیم کے فلسفہ کو بدل دیا جس کے اخلاق کی بنا محض تعلقات سلطنت پر تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ کثیر الآبادشمالی حصہ سے جرمنوں کے غول کے غول کثیر تعداد میں سلطنت (Rome) روما اور قدیم دنیا کی دیگر تنزل پذیر قوموں پر فتح کے جھنڈے ہاتھ میں لئے ہوئے ٹوٹ پڑے۔ یہ ٹڈی دل اپنی قومیت کو صاف اور اپنی

حیثیت کو باعتبار سیاسی قوت کے قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔ انکی قائم کردہ سلطنتیں چند روزہ
تھیں حتیٰ کہ اُس زمانہ میں بھی لوگوں کو اس بات کی تمیز تھی کہ ادنیٰ تہذیب کے لئے اعلیٰ تہذیب
کے مقابلہ میں ٹھہرنا بڑا مشکل کام ہے۔ جرمن لوگ آہستہ آہستہ مفتوحہ اقوام میں گھل مل گئے۔ مگر
جرمن عنصر نے ایک نئی روح اِن قوموں میں پھونکدی اور نشوونما کے نئے موقع پیدا کر دیئے
جتنا جرمن خون کا میل زیادہ تھا اُتنی ہی زیادہ قوت وصلاحیت تہذیب نوخیز قوم سے
ظاہر ہوئی اس عرصہ میں اس نوتعمیر شدہ دنیا کے اندر بڑے بڑے دشمن پیدا ہوگئے۔ جرمنوں
اور روما والوں اور اُن کی مفتوحہ اقوام سے لاطینی نسل بتدریج نکلی جس نے اپنے آپ کو
جرمنوں سے علحدہ کرلیا۔ جرمن (Alps) آلپس کے شمالی اضلاع candinavia
اسکینڈی نیویا میں غیر مخلوط رہی۔ اسی کے ساتھ عالمگیر سلطنت کا خیال جو دنیائے قدیم نے
اختیار کیا تھا برابر دلوں میں لہلہاتا رہا۔

مشرق میں سلطنت بائزنٹائن (Byzantine ۱۴۵۳ء تک قائم رہی۔ مگر مغرب
میں آخر شاہنشاہ روما کو (Odoacer) اوڈوسر نے ۴۷۶ء میں تخت سے اُتار دیا۔ اٹلی
یکے بعد دیگرے مشرقی (Got hs) گاتھوں اور (Lambards) لامبرڈوں کے
قبضہ میں آچکی تھی۔

(Visigoths) ویسی گاتھ (Spain) ہسپانیہ میں اور (Franc)
فرانک وبرگنڈی (Bu rgandy) والے (Gaul) گال میں اپنی سلطنت
قایم کر چکے تھے۔

آخرالذکر سمت سے ایک نئی سلطنت کا آفتاب طلوع ہوا۔ چارلس اعظم نے اپنے قوت بازو
سے سلطنت فرانک (Franc) کو گال (Gaul) کے حدود سے بہت آگے
بڑھادیا سیکسنس (suoxes) کی اشاعت وریزی سے وہ کل ملک پر درمیان رائن
(Rhine) والیب (Ælbe قابض ہوگیا۔ لامبرڈوں کی (Lambardu

فتح سے اُس نے اٹلی کی شاہنشاہی حاصل کی اور آخر میں مغربی سلطنت روما Rome
کو پھر زندہ کرنے کی کوشش کی ۔ سنہ میں روما (Rome) میں اُسکے سر پر تاجِ شاہی رکھا
گیا ۔ چارلیس کے جانشینوں نے اُس کے دعوے کو نہ چھوڑا مگر سلطنت فرانک Franc
کچھ ہی عرصہ بعد پارہ پارہ ہوگئی ۔ اُس کی تقسیم میں مغربی نصف حصہ وہ تھا جو بعد کو فرانس
کے نام سے موسوم ہوا اور مشرقی فرانکی حصہ سلطنت بعد کا جرمنی ہوگیا ۔ دراں حالیکہ مغربی
فرانک کی سلطنت کے ممالک اٹلی و اسپین (Spain) میں جرمنوں نے اپنی زبان و رسومات
کو ترک کر دیا تھا اور آہستہ آہستہ اہل روما کے ساتھ مخلوط ہوگئے تھے مشرقی فرانکی سلطنت کے
باشندوں اور بالخصوص سکسن اور انکی ہمسایہ قوموں نے اپنی جرمن خصوصیاتِ زبان
اور رسومات کو قائم رکھا تھا ۔ ایک زبردست جرمن سلطنت کا ظہور ہوا جس نے چارلیس
اعظم کے مغربی سلطنت روما کے دعوے کو تازہ کر دیا (Otto) آٹو سب سے پہلا شاہ
جرمن تھا جس نے یہ بارگراں اپنے سر پر لیا ۔ یہ اُس کو اور اسکے جانشینوں کو روما کے
پادریوں کے ساتھ جھگڑوں میں اُلجھانے کا باعث ہوا ۔ یہ پادری صرف گرجا ہی کے پیشوا نہیں
بننا چاہتے تھے بلکہ اٹلی کے حاکم اور اُس ملک پر اپنا مدعیانہ حق ثابت کرنے کیلئے انھیں
پُرانے دفاتر کے جھٹلانے میں بھی کوئی باک نہ تھا ۔

پاپاؤں نے اس حق کو قائم کر دیا مگر اُنھوں نے اس پر ہی بس نہ کی ۔ بوجہ سکونت روما
جو سلطنت عالم کا مقدس مقام تھا اور بسبب پیشوائی کلیسہ جسکو عمومیت کا دعویٰ تھا انھوں نے بھی
اپنے طریقہ پر ایک عالمگیر سلطنت کا خیال دلمیں جما یا ۔ یہ خیال انسانی دماغ کے نہایت دلیرانہ
تصورات میں سے تھا اور اسکے یہ معنی تھے کہ قریب قریب محض روحانی قوتوں کے زور سے
شاہنشاہی عالم پناہی کی بنیاد ڈالی جائے اور اُسی سے اُس کو قائم رکھا جائے ۔ لامحالہ
دعاوی پوپوں اور سلطنت کے درمیان فسادات کا باعث ہوئے ۔ آزادی خواہشاتِ
دنیاوی دعاوی سلطنت روحانی سے ٹکرا گئی ۔ ان دو قوتوں کی منحوس کشمکش فضیلت میں

جس سے جرمن سلطنت کو بھاری نقصانات اُٹھانا پڑے شاہی غرض کو شکست ہوئی شاہی قوتِ سلطنت کثرت سے مختلف اور خود مختار حصوں کو مجموعی حیثیت سے ایک جنس نہ کرسکی اور ریاستوں کی خود غرضانہ شخصیت کی سرکوبی میں قاصر رہی۔ آخری اسٹافر (Staufer) نیپلس (Naples) میں چارلیس آنٹروکے تبر سے مرا جو کلیسہ کا آوردہ تھا۔ جرمن رُوما سلطنت کا اچھا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ جرمن قوّت پاش پاش زمین پر پڑی ہوئی تھی اسکے بعد ایک زمانہ طوائف الملوکی کا آیا۔ اہل جرمن کے اُن خراب خصوصیات خود بینی وانحطاطِ حُبّ الوطنی نے اس تباہی کو پوست بہ استخوان کردیا۔ اہل جرمن کی دماغی زندگی بھی بگڑ گئی۔ شاہی قوّت کے عنفوانِ جوانی میں جب وہ قابل (Staufers) اسٹافرس کے ہاتھوں میں تھی جرمن نظم کا شروع مستند زمانہ تھا۔ ہر جرمن ملک نظموں سے گونج رہا تھا۔ جرمن جذبات کا اظہار جوش بذریعہ گیتوں اور نظموں کے کیا جاتا تھا جو ممنین یا فرحت بخش ہوتے تھے۔ مگر سلطنت کی ناپیدگی سے آلۂ موسیقی کا ہر تار خاموش ہوگیا اور حق کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہر سیاسی حالات کی ناشائستگی اور ہر نوبگت سے سر نہ اُٹھا سکے لوگوں کی مادی بہبودی البتہ بہتر ہوگئی اور اُن میں حیرت انگیز ترقی ہوئی جب داخلی معاملات ذرا دائرہ انتظام میں آگئے Hanseatic League ہینسی ایٹک لیگ کا جھنڈا دور دور شمالی سمندروں میں لہراتا پھرتا تھا اور بڑے تجارتی راستے جن سے مغرب و مشرق میں اتصال ہوگیا تھا (Venice) وینس و (Genoa) جینوا سے جرمنی میں ہوکر جاتے تھے۔ مگر پہلی سیاسی قوت پھر نصیب نہیں ہوئی۔

مگر جابرانہ حکومت کی آتش نفرت ابھی تک اون اہل جرمنی کے دلوں میں سلگ رہی تھی جنھوں نے کلیسائی اختیارات کے آگے سرِ تسلیم خم کرلیا تھا۔ اور ایک بار پھر اُسکا ظہر کرنا لازمی تھا اور اس مرتبہ روحانی سلطنت میں جب انھیں زیادہ دنیا داری آتی گئی کلیسا کا بہت سا اثر لوگوں کے دلوں سے زائل ہونا شروع ہوگیا۔ دوسری طرف ایک شستہ تحریک

ہمدردیٔ انسان کے متعلق اُٹھ کھڑی ہوئی جو بتایئد جوشِ قدامت باعتبار نوعیت خود
کلیسا کے یقینی مخالف تھی - جرمنی میں اُس کا پُرجوش اتفاق کے ساتھ استقبال کیا
گیا اور ہر شخص جس کے خیالات اور اُمیدوں کا مرکز آزادی تھے ان میں شریک ہوا
Ulrich von Hutten الرچ وان ہٹن کا نعرۂ جنگ "میں نے اس فعل کی جرأت کی ہے"
جرمنی کے کل اضلاع میں زور سے گونج گیا - اس صورت سے ایک معنی میں ہمدردیٔ انسان
Reformation ریفارمیشن (اصلاح مذہب) کا پیش خیمہ تھا -

اصلاح مذہب چونکہ اہل جرمن کے دل کی تہ میں ہی اُس نے یورپ کی بنیادوں کو
ہلا دیا Aryan Gaths (آرین گاتھ) اور کٹر کلیسا کے درمیان جب جھگڑا ہوا تھا
تو اہل جرمن نے روحانی آزادی کی خاطر مذہبی لڑائی میں اپنا خونِ دل بہایا تھا - اس مرتبہ
پھر اُنھوں ہی نے ایسا کیا - اس موقعہ پر روحانی آزادی کے ساتھ قومی خود مختاری بھی شامل
تھی - جنگہائے ایران کے زمانہ سے کوئی ایسا جھگڑا نہیں ہوا تھا جو نتائج ترقی انسانی سے
زیادہ مملو ہو - اس معاملہ میں اہل جرمنی قریب قریب پابند ہو گئے اور کل سیاسی اقتدار کھو بیٹھے
سلطنت کے بڑے بڑے قطعات غیر سلطنتوں کو دے بیٹھے - جرمنی صحرا ہو گیا - مگر اس موقع پر کلیسا
فتحیاب نہیں رہا جیسا Aryan Gath (آرین گاتھ) اور (Stanfer) اسٹاؤفر
کے مقابلہ میں رہ چکا تھا - یہ سچ ہے کہ وہ بالکل پژمردہ نہیں رہا وہ بایںہمہ ایک زبردست
قوت رہا اور خود اس جھگڑے سے اُس نے تازہ قوت جلب کر لی - سیاسی حیثیت سے
رومن (کیتھولک) سلطنتوں نے اسپین کی سرکردگی میں مسلمہ فضیلت حاصل کی -
مگر دوسری طرف مذہبی آزادی کا حق قائم ہو گیا - یہ نہایت اہم عنصر تہذیب اصلاح شدہ
کلیساؤں میں انسان کے لئے رکھ چھوڑا گیا تھا - اور اُس زمانہ سے ابتک بھی کل ترقی کی بنا
رہا ہے - اگرچہ West Phalia (وسٹ فیلیا) کی صلح کے بعد مذہبی آزادی کا احساس
کرانے کیلئے طویل جھگڑوں کی ضرورت رہی ہے - لاطینی نسل کی سلطنتیں جرمن خیالاتِ آزادی کے

دبانیکے لئے اب قوی دعاوی پیش کرتی ہیں جو مشعر بر شاہنشاہی عالم ہیں۔ پہلے اسپین بعد ازاں فرانس فضیلت پر دونوں میں گتھم گتھا ہوئی اسی کے ساتھ انگلستان کے اندر اُن جرمنوں میں جو انگریزوں میں جذب ہو گئے تھے ایک اوّل درجہ کی Protestant پروٹیسٹینٹ قوت بڑھ رہی تھی اور نئے ممالک کی دریافت کے زمانہ نے جو اندازِ اصلاحیت (Reformish) سے متعلق ہوئے اور غیر مشکوک راستے انسانی عقل اور انسانی مستعدی کے لئے کھول دیئے۔ سیاسی معاشرت میں بھی تازہ تحریک ہوئی۔ بتدریج تارک الوطنوں کے غول کے غول جوق جوق امریکہ کے نو دریافت شدہ اضلاع میں گئے۔ شمالی حصہ جرمنوں کی طرف آیا اور جنوبی لاطینی نسل کے حصہ میں پڑا۔ اس صورت سے بڑی نوآبادسلطنتوں کی اور اس کے ذیل میں عالمگیر سیاسیات کی بنیاد پڑی۔ جرمنی اس بڑی تحریک سے خارج رہا کیونکہ اُس نے اپنی قوتوں کو کلیسائی تنازعات اور مذہبی جنگوں میں بیکار ضائع کیا۔ برخلاف ازیں انگلستان نے ( ) ممالک زیریں و آسٹریا کی شرکت میں بذریعہ جنگہائے مسلسل فرانس کو دبائے رکھا اور اُس کے حوصلۂ شاہنشاہی کو اُبھرنے نہ دیا ان جنگوں سے انگلستان بڑھکر دنیا میں اوّل درجہ کی نوآبادیانہ و بحری قوت ہو گیا جرمنی بڑے قطعات اراضی کھو بیٹھی اور اس سے زیادہ اُس نے سیاسی قوت کا نقصان اُٹھایا وہ متعدد کمزور جُدا جُدا سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی تھی ان سلطنتوں کے دل جرمن غرض کے ساتھ مشترک ہمدردی سے بالکل خالی تھے مگر اس تقسیم ہی نے اُس کو تازہ قوت بخشی پروٹیسٹینٹ قوت کا مرکز پرشیا کے شمالی حصہ میں قایم ہو گیا۔ صدیوں کی جنگ و جدال کے بعد جرمنوں نے سلاف قوم کو نکالا جو بکثرت مشرق کی طرف گھس پڑے تھے بڑے بڑے قطعات اراضی اُن سے چھینے اور اُنکو بالکل اپنی میں جذب کر لیا اس جنگ سے مثل اُس جنگ کے جو اراضی کے سنبھالنے میں کرنا پڑی ایک زبردست نسل پیدا ہوئی جسے اپنی طاقت کا احساس تھا۔ اس طاقت سے اُنھوں نے اپنی قوت کو ساحلہائے بالٹک تک پھیلا دیا اور کامیابی کے ساتھ جرمن تربیت کا سکہ

شمال بعید میں جمایا آخر میں جرمن قوم کو سویڈن والوں کے مقابلہ میں بھی فتح ہوئی جو بالٹک پر
تسلط کرنا چاہتے تھے اُس جنگ میں الیکٹر اعظم نے ایک زبردست سیاسی قوت کی بنا ڈالی
اور یہ قوت بتدریج بڑھ کر جرمنی میں ایک با اثر قوت مدرکہ ہو گئی۔ پروٹسٹنٹ جرمنی کی پیشوائی
روزافزوں ترقی کے ساتھ اس سلطنت کے ہاتھ میں آگئی اور کیتھولک آسٹریا کے لیئے بتدریج
ایک مدمقابل پیدا ہو گیا یہ آخرالذکر سلطنت جرمنی سے نکلی تھی اور بڑھ کر ایک خود مختار دولت
بنگئی تھی جس کی فضیلت صرف جرمن آبادی ہی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اہل ہنگری وسلافی قوم کی
وجہ سے بھی تھی۔ جنگ ہفت سالہ میں پرشیا بہ مقابلہ آسٹریا و جرمنی سے علیحدہ ہو گئی اور
بہ حیثیت ایک خودمختار سلطنت کے فرانس اور روس کے مدمقابل ہوئی لیکن ابھی ایک اور
تاریک دن جرمنی کے لئے دھرا ہوا تھا جب اُس نے ایک بار پھر ترقی کی کوشش کی۔ فرانس
میں شخصی حکومت نے اپنی ذاتی خودغرضانہ مقاصد پورے کرنے کے لئے قوم کے کل وسائل
ترقی مسدود کر دیئے تھے استبدادی مقولے نے کہ "یہ میرا ہے" انتہائی درجہ پر پہنچکر خیالات میں
خوفناک نفرت پیدا کر دی اور یہ نفرت ۱۷۸۹ء کے انقلاب میں انتہائے کمال کو پہونچ گئی اور
اُس نے یورپ میں ہر جگہہ بالخصوص جرمنی میں زمانہ وسطی کے مٹے ہوئے آثار کو پاش پاش
کر کے نکال پھینکا۔ جرمن سلطنت بحیثیت جرمن سلطنت ناپید ہو گئی صرف سلطنتوں کے ٹکڑے
باقی رہگئے جن میں پرشیا میں حقیقی قوت باقی رہی۔ فرانس میں نپولین کے زمانہ میں ایک بار پھر
عالمگیر سلطنت کے تصور کی آگ بھڑکی اور اس نے اپنا عقابی پھریرا اٹلی۔ مصر۔ شام۔ جرمنی
اور ہسپانیہ پر اُڑایا اور حتیٰ کہ روس کے اُن میدانوں پر بھی جس نے سلافی مشرق کے تدریجی
سیاسی جذب اور پولینڈ (Poland) سویڈن (Sweden) ٹرکی (Turkey)
اور پرشیا (Prussia) کی جنگوں سے آہستہ آہستہ توسیع حاصل کر کے یوروپین اقوام میں بڑی
جگہہ لیلی تھی پھیل گیا۔ آسٹریا کو جو مختلف اقوام کا غیر منظم مجموعہ ہو گیا تھا نپولین نے مغلوب کر لیا
پرشیا بھی جس کی تمام قوت خواب امن نے سلب کر لی تھی اُس کے حملہ سے بیٹھ گیا۔

مگر جرمن اسپرٹ نے تازہ قوت کے ساتھ قعر مذلت سے خروج کیا۔ پاک و زبردست ترین غضب کا طوفان پروٹیسٹینٹ (Protestant) شمال سے اُٹھا۔ جنہاے آزادی نے منور جوش کے ساتھ پرشیا و جرمنی کے لئے سیاسی زندگی کے امکانات واپس لئے اور آگے کو وسیع ترقی کے واسطے راستہ ہموار کر دیا۔

جب اہل فرانس مذہبی و دنیاوی استبدادی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اُنکی زنجیریں توڑ چکے اور اپنے حقوق کے اعلان سے فارغ ہو گئے تو ایک اور بالکل مختلف انقلاب پرشیا میں اپنا کام کر رہا تھا۔ یعنی انقلاب فرض۔ حقوق شخصی کا جتلانا انجام کار شخصی غیر ذمہ داری و سلطنت کی جانب سے نفرت کا باعث ہوتا ہے۔ ایمینوئیل کانٹ بانی فلسفہ تنقیدی نے اس خیال کے مقابلہ میں اخلاقی فرض کی تلقین کی Shornhorst شارن ہورسٹ نے عام جنگی خدمت کے خیال کو لیا۔ ہر متنفس سے یہ توقع کر کے کہ وہ مال و جان کو جماعت کے فائدہ پر قربان کر دیگا اُس نے سلطنت کے خیال کو نہایت صاف کر دیا اور ایک مضبوط بنیاد شخصی حقوق کے دعوے کی قائم کر دی۔ اسکے ساتھ اسٹین (Stein) نے پرشیا میں شخصی گورنمنٹ کی بنیادیں ڈالیں۔ جب نہایت دُوربین تواریخی اہمیت کی تدابیر اس سلطنت میں اختیار کیجا رہی تھیں جس پر کہ جرمنی کی آیندہ قسمت کا انحصار تھا اور جب صحیح ترقی نے انقلاب کی جگہ لے لی تھی تو ہنر اور سائنس کی عملداری میں ایک اول درجہ کی جرمن سلطنت یعنی سلطنت ذہانت پیدا ہوئی جس میں جرمن خصائل و کوشش کا پورے طور پر اظہار ہوا۔ اس سرزمین میں جہاں سیاسی تنگ خیالی اور سوشل انحطاط کی حکومت تھی ۱۸۰۰ء سے ایک بڑی تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ اُس ادب و سائنس نے جس کی تولید قوم کے دلوں میں ہوئی تھی اور جو مذہب پروٹیسٹینٹ (Protestant) کی اخلاقی تعلیم میں گہری جڑ پکڑے ہوئے تھا لوگوں کے دماغوں کو عملی زندگی کے حدود سے ارفع کر دیا تھا اور اُن کو دماغی آزادی کی اونچائیوں پر پہنچا کر جرمن اسپرٹ کی قوت و فضیلت کو ظاہر کیا تھا۔ اس طرح سے نئی شاعری اور سائنس

کئی قرن تک اس پراگندہ قوم کے لئے نہایت ذی اثر ذریعہ اتحاد رہا اور اسی نے جرمن معاشرت میں مذہب پروٹیسٹینٹ کی فتح کو امر قطعی کیا۔"

جرمنی ایک بار پھر" کفر کا مسکن بنا۔ کیونکہ اُس نے اصلاح مذہب Reformation کو بڑھا کر غیر محدود و بے تعصب حق بنا دیا۔" ایسے اخلاقی فرایض نے جنکو کبھی کسی قوم نے اپنے دستور العمل کا معیار نہیں بنایا تھا کانٹ اور فچ کے فلسفہ میں جگہہ پائی اور ایک بلند خیال کی بروح اُس کے شعرا کے اشعار میں تھی۔ ان روحانی کام کرنے والی قوتوں کے شدید اثر کا احساس ۱۸۱۳ء میں بہادرانہ غضب کے اظہار سے ہوا۔ اس طرح ہمارا علم ادب جو اور جگہہ سے چلا تھا بالآخر اُسی منزل مقصود پر جا استیدادیت و نیز اُن لوگوں کا تھا جنھوں نے اس کام کو سخت تباہی کے وقت آگے بڑھایا تھا جا پہونچا۔ دو عظیم الشان فاتح پنولین و گلیٹی کی ملاقات تاریخ میں ایک اہم واقعہ تھا۔ ایک طرف تازیانہ خدا۔ ماضی کے کل باقیات کا تباہ کنندہ تاریک خیال ظالم۔ انقلاب آخر کا قاطع۔ دوسری طرف متین سنجیدہ دیوتا جسکی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے "وہ آدمی شریف۔ باوسائل و نیک ہو" جس نے مذہبی جذبہ کو ایک نئی مسرت بخشی کیونکہ اُس نے کل ہستی کو ایک ترقی پذیر تبدیلی سمجھا۔ اور سائنس میں نئے راستے دکھائے جس نے انسانی ذہانت کی کل خواہشات اور جرمن دماغ کی کل تحریکات نہایت صاف الفاظ میں ظاہر کرکے اپنے ہموطنوں میں ادراک پیدا کیا۔ جس نے ہر قسم کی تصانیف سے یہ ثابت کردیا کہ انسانی علم کی کل سلطنت جرمن دماغ میں یکجا ہو گئی ہے۔

ایک پیغمبر حق۔ ان لازوال یادگاروں کا انجینر جو انسان کی الوہیت کی شہادت دیتی ہیں صدی کا بڑا فاتح ذہانت کے سورماسے ملا جس کے حصہ میں مستقبل کی فتح آنے والی تھی۔ لاطینی نسل کا سب سے زبردست بادشاہ بڑے جرمن کے مقابلہ میں آیا جو انسانیت میں سب سے آگے تھا جس قوم میں انتہائے سیاسی تنزل کے زمانہ میں فچ۔ شارن ہوسٹ۔ اسٹین۔ بشلر اور گیتی جیسے لوگ پیدا ہوں جنگہائے آزادی کے جوانمردوں کا تو شمار ہی کیا اُس قوم کی تقدیر کا

ستارہ یقیناً چمکنے والا تھا۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اُس زمانہ میں جو اُن شاندار ایام کی عظیم الشان کوششوں کے بعد ہی آیا اہل جرمن اپنے بادشاہوں کی کوتاہ اندیشی خودغرضی کمزوری اور ہمسایوں کے حسد کی وجہ سے اپنی جوانمردی انہماک اور پاک جوش سے پورا فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اُس نسل کی سخت مایوسی کا اظہار ۱۸۴۸ء کی انقلابی تحریک اور ہزاروں کی شمالی امریکہ میں تارک الوطنی سے ہوا۔ امریکہ میں جرمنوں نے ایک نئی قوم کے بنانے میں بڑا حصّہ لیا مگر لوگ اپنی مادرِ وطن کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ پرشیا کی بادشاہت آسٹریا و روس کے قدموں پر جھک گئی اور معلوم ہوتا تھا کہ اُس نے اپنے قومی فرائض کو بھلا دیا۔

تاہم سلطنت پرشیا کی وسط میں حامیان آزادی کے خون سے ایک نئی نسل پیدا ہو رہی تھی جو اب ہنائی بنانا نہیں چاہتی تھی بلکہ ہتوڑا چلانے کی خواہشمند تھی۔ دو شخص میدان میں آئے ولیم اوّل و جوانمردِ صحرائے سیکسن۔ استقلال کے ساتھ انھوں نے قوم کی متحدہ قوتیں جمع کیں جنھوں نے اول اول جہالت سے مخالفت کی۔ اور عوام کے وکلاء کی خودغرضی و تحکمانہ سخن پروری کو توڑا۔ ایک فیروزمند جنگ سے آسٹریا کے ساتھ معاملات کا فیصلہ ہو گیا جس نے رضامندی سے جرمنی کی فضیلت نہیں چھوڑی اور جس نے جرمن شاہی اتحاد کو بغیر اُسکی دولت عظمیٰ کی حیثیت مٹے رہنے دیا۔ فرانس کو ایک زبردست شکست سے نیچا دیکھنا پڑا۔ کثرت سے رعایائے جرمن شاہ پرشیا کے زیر حکومت متحد ہو گئی۔ سلطنت جرمن کا قدیم خیال متحدہ صورت میں جرمنی آسٹریا و اٹلی کے اتحاد ثلاثہ سے از سرِ نو تازہ ہو گیا اُس جرمن خیال کی فرمانروائی جو بسمارک کے ذہن تصور میں تھا بحر شمال سے لیکر بحر ایڈریاٹک و بحر روم تک پھیل گئی۔ مثل ققنس کے جو خود کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے اور بعد ازاں راکھ سے نکلتا ہے جرمنی کا دیو قدیم جرمن اتحاد کے بستر کاہل الوجودی سے اٹھا۔ اور اُس نے اپنے زبردست ہاتھ پاؤں سیدھے کئے۔ جرمنی کی اس بیداری کا بدیہی و لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری قوموں پر اسکا سخت اثر پڑا جنھوں

نے ابتک مالی وسیاسی قوت کو تقسیم کر رکھا تھا۔ دشمنوں نے ملکر ہم کو ہر طرف سے دھمکیاں دیں تاکہ ہماری توسیع قوت آگے کو رُک جائے۔ فرانس اور روس کے بیچ میں گھرے ہونے کی وجہ سے ہم اپنی فتوحات کے پورے ثمرات سے ابتک یاب نہو سکے کوتاہ اندیشی اور پارلیمنٹ کی فرقہ بندیوں کے جھگڑوں نے جو ہماری قوم کے قدیم موروثی معائب تھے وسیع پیمانہ پر نوآبادیوں کی پالیسی اختیار کرنے سے ہمیں باز رکھا۔ قوم و گورنمنٹ کے انتہائی امن پسندی کی وجہ سے ہم دوڑ میں اور ملکوں سے پیچھے رہگئے۔

کرۂ ارض کی تازہ ترین افریقائی تقسیم میں فاتح جرمنی بہت گھاٹے میں رہا۔ فرانس نے جسکو جرمنی شکست دے چکا تھا دوسرے درجہ پر سب سے بڑی نوآبادسلطنت قائم کرلی۔ انگلستان نے نہایت اچھے اچھے ٹکڑے اپنے لئے علحدہ کرلے حتیٰ کہ کوچک و غیر جانبدار بلجیم بھی مقابلتاً بڑے اور بیش قیمت حصہ کی مدعی ہوئی۔ جرمنی کو مجبوراً چند معمولی ٹکڑوں پر قانع رہنا پڑا۔ علاوہ ان سیاسی تغیرات کے جنمیں میں نئی رائیں اور نئی محرکہ قوتیں پیش نظر ہوئی ہیں۔ فریڈرک اعظم کے خیالات کانسٹی ٹیوشن وجدید خیالات فرنسیسی انقلاب کے زیر اثر سلطنت کا تصور اس صدی کے آغاز سے بالکل بدل گیا ہے۔ زمانۂ وسطیٰ کی موروثی سلطنت شاہنشاہ کا آبائی مقبوضہ تھا۔ اس صدی سے جدید سلطنت ظہور میں آئی جو اس تعلق کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی رو سے شاہنشاہ سلطنت کا سب سے بڑا خادم ہے اور تمام ملک کے فوائد کا لحاظ نہ کہ فقط حاکم کے فائدہ کا خیال گورنمنٹ کی پالیسی کی کلید ہے۔ سلطنت کے اس متغیرہ تصور سے اصول قومیت نے بتدریج ترقی کی ہے اور اُس اصول کا میلان یہ ہے کہ تاریخی حدود نظر انداز کر دیے جانے چاہئیں اور قومیں ایک سیاسی مجموعہ ہو جائیں۔ اس صورت سے سلطنت کی ایک مساوی قومی حالت ہو جائیگی اور اس کے اغراض عام قومی اغراض ہو جائیں گے۔

معاملات کی اس جدید حالت نے بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد کو بالکل تبدیل کر دیا ہے اور نئے اور غیر معلوم فرائض مدبرین کے پیش نظر ہو گئے ہیں۔ تجارت و حرفت بالکل نئے طریقہ پر

بڑھی ہی ۱۸۴۸ء کے بعد کل رکاوٹیں جو چستی و چالاکی کے سدِّ راہ تھیں یعنی مجالس تاجران وقیود تجارت بتدریج دُور ہو گئیں۔ اراضی کی جائداد کسی کا اجارہ نہ رہا۔ تجارت و حرفت خوب پھلی پھولی" انگلستان نے کوئلے لوہے اور کلوں کا عام استعمال حرفتوں میں کرنا شروع کر دیا اور اس صورت سے بڑے بڑے حرفتی کارخانے قایم ہو گئے۔ اسٹیمر اور ریلوں کے ذریعہ سے اُس نے کلوں کو تجارت میں داخل کیا اور اسی کیساتھ سائنس اور کیمسٹری سے حرفتی انقلاب پیدا کر دیا اور روئی کے ذریعہ سے دنیا کے بازاروں پر حاوی ہو گیا۔ اور علاوہ بریں نہایت وسیع معنوں میں اُسکا اعتبار بڑھ گیا" اسی کے ساتھ انگلستان نے دنیا میں بحری برقی تار اور بھاری بیڑے بنائے اور اس طور پر اُس کو ایک قسم کی شاہنشاہی عالم حاصل ہو گئی اُس نے کل مادی اغراض کا انحصار اپنی ذات پر کر کے ایک اور نئی عام سلطنت کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی ہی۔ پوپ اور سلاطین ماضیہ کی طرح روحانی یا دنیاوی اسلحہ سے نہیں بلکہ روپیہ کی قوت سے انگلستان کے مقابلہ میں بحرِ اٹلانٹک و بحرِ کاہل کے درمیان مغرب و مشرق کو ملا کر سلطنت متحدہ شمالی امریکہ ترقی کر کے اوّل درجہ کی حرفتی و تجارتی قوّت ہو گئی ہی۔ کثیر قدرتی وسائل اور اپنے باشندوں کے آگے بڑھنے والے خصائل کی مدد سے یہ زبردست سلطنت چاہتی ہے کہ اقوام کی مجلس میں اُس کی قوت کا اعتراف کیا جائے اور اُس کی یہ خواہش ایک زبردست بحری فوج کی تیاری سے قریب الحصول ہی۔ روس نے اپنی جگہ صرف یورپ ہی میں مضبوط نہیں کرلی ہی بلکہ اُس قوت کو کل شمالی ایشیا میں پھیلا دیا ہی اور وہ براعظم کے وسط میں بھی آگے کو بڑھ رہا ہی۔ اُس کے اور منگولیا نسل کی سلطنتوں کے درمیان تلوار چل چکی ہی۔ اس کثیر آبادی کو جس سے ایشیائی براعظم کا مشرقی حصہ پُر ہی ہزاروں سال کی خوابیدہ تہذیب کے بعد آخر کار جاگ کر سیاسی زندگی کا احساس ہوا ہی اور وہ قطعی طور پر بین الاقوامی زندگی میں اپنے حصہ کی دعویدار ہی۔ جاپان کا بڑی دول عالم کے حلقہ میں داخل ہونا آمادگی جنگ کا پیش خیمہ ہے۔ اپنے مطالبہ کی قوت پر بھروسہ کر کے وہ دھیمی آواز سے یہ کہتا ہی "ایشیا ایشیائیوں کیلئے ہی"۔

یہ نئی دولت عظمیٰ ایک یورپین دشمن کے ساتھ مقابلہ میں فتحیاب ہو چکی ہے۔ چین بھی اپنی فوجوں کو
بظاہر بڑھا رہا ہے۔ ایک زبردست تحریک ایشیا کو ہلا رہی ہے یعنی ایک نئے عہد کی بیداری ہو رہی ہے
ایسے خطرے جنہوں نے مہذب ممالک یورپ کے لئے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے۔
ایشیا کی طرف سے لگے ہوئے ہیں جو قوموں کا قدیم گہوارہ ہے۔ مگر یورپین قوموں کے درمیان
بھی وہ قوتیں جو اب تک خواب غفلت میں تھیں اب بیدار ہو گئی ہیں۔ فرانسیسی انقلاب کے
مضبوط خیالات اور بڑی حرفتی ترقی نے جو آخر صدی کی خصوصیت تھی۔ ہر ملک کے کاریگروں
کے طبقات میں اپنی اہمیت وسوشل قوت کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ کاریگروں نے جنکو فی الاصل
صرف اپنی مادی حیثیت کی ترقی سے سروکار ہے جدید سلطنت کی بنیاد کو اصولاً چھوڑ دیا ہے
اور وہ اپنی نجات اُس انقلاب میں دیکھتے ہیں جسکے وہ واعظ ہیں۔ وہ اپنی خواہش تا ر سمجتا
مسلمہ سلطنت کے حدود میں رہکر حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ بجائے اُسکے ایسی سلطنت
قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے وہ خود حاکم ہوں۔ اس حوصلہ سے وہ محض دائمی سلطنت اور
سوسائٹی کے لئے باعث تہدید ہی نہیں ہیں بلکہ اُن سے جُدا جُدا ممالک کی حرفتوں کو جو اُن کا
ذریعہ معاش ہیں خوف ہے اسلئے کہ اُنکی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ بین الاقوامی بازار میں
مزدوری کے متواتر اضافے اور کام کی کمی سے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ حتیٰ کہ جرمن میں اس
تحریک نے رعایا کے بڑے فرقوں پر اثر کیا ہے۔

تقریباً آخر صدی کے وسط تک زراعت و ازدیاد نسل مویشی جرمنی تجارتوں کا جزو اعظم تھا
اُسوقت سے اِس درآمد و برآمد مال کی حفاظت اور جرمنی تجارتی جہازوں کی تیز ترقی کے
ضمن میں تجارت بیحد ترقی کر گئی ہے۔ جرمنی ایک حرفتی و تجارتی قوم ہو گئی ہے۔ قریب قریب کل
بڑھنے والی آبادی کو اس دائرہ میں کام اور ملازمت ملجاتی ہے۔ لوگوں کی جُز رس معاشرت
میں زراعت کی خاص حیثیت قائم نہیں رہی ہے صناع فرقہ اس طور پر ہماری سلطنت میں
قوت پکڑ گیا ہے۔ وہ تجارتی اتحادوں میں منظم کر دیا گیا ہے اور سیاسیاً بین الاقوامی سوشل

جمہوریت کے زیر اثر آگیا ہی وہ قومی جماعتی امتیازات کے خلاف ہی اور سلطنت کی موجودہ قوت کی بیخکنی میں ہر طرح کا زور لگاتا ہی۔

ظاہر ہی کہ اس خطرناک شورش کو سلطنت ٹھنڈے دل سے نہیں دیکھ سکتی اور یہ کہ اُس کو ہر ذریعہ سے خلاف قانون جماعت کی کوششوں کو اپنا مدعا پورا کرنے سے روکنا چاہیے قانون خود حفاظتی اسکا مقتضی ہی مگر یہ کھلی ہوئی بات ہی کہ ایک حد تک فرقہ صناعت کے دعوے جائز ہیں۔ شہری کو انصافاً یہ کہنے کا مجاز حاصل ہی کہ اُس کو کام کے ذریعہ سے افلاس سے بچایا جائے اور اُس کو سوسائٹی میں بڑھنے کا موقع دیا جائے بشرطیکہ وہ اپنی قوتوں سے بطیب خاطر کام لے وہ یہ مطالبہ کرنیکا مجاز ہی کہ سلطنت اُس کے دعوے کو منظور کرے اور اس کا فرض ہی کہ اُس کو سرمایہ کی تنگی سے بچائے۔

اس غرض کے حاصل کرنے کے واسطے سلطنت کے لئے دو ذریعہ ہیں۔ اوّل وہ کام کے لیسے موقع پیدا کر سکتی ہی۔ جن سے کل خوشی سے کام کرنے والوں کو معاوضہ پر کام ملجائے دوم یہ کہ وہ کاریگروں کو بذریعہ اجرائے قانون اس بات کا اطمینان دلاسکتی ہی کہ اُن کی کام کرنے کی قابلیت میں بوجہ بیماری ضعیف العمری یا حادثہ کے کمی نہ واقع ہوگی وغیرہ اُنکی روپیہ سے بحالت بیکاری مدد کرسکتی ہی اور جبر سے جو اُسکو کام سے باز رکھے بچا سکتی ہی۔

بغیر منشائے سلطنت جرمنی کی تجارتی بہبودی نے جو اُسکی تین کامیاب جنگوں کا ظاہری نتیجہ تھا اُس کی محنت کے بازار میں موجودہ اغراض کے لئے کافی وسعت پیدا کردی جرمنی کے مزدوری پیشہ لوگوں نے سیاسی قوت کی حفاظت میں اپنی ذات کے لئے فروختگی مال میں ترقی کی۔ اس کے برخلاف سلطنت جرمنی نے نتیجہ اور وسائل کو پوری طرح سمجھکر اجرائے قانون میں ترمیم کی ہی۔ جس طرح ایک موقع پر (Shornhorst) (شارن ہورسٹ) نے ایک شہری کے فرض کا حقوق انسان سے مقابلہ کیا اسی طرح شاہنشاہ ولیم اول نے سلطنت کے فرض کو اُن لوگوں کے لئے جنکے ضروریات زندگی اچھے نہ تھے پہچانا۔ کاریگر کی حیثیت کی

طرف سے بذریعہ وضع سوشل قانون جہانتک گنجائش تھی اطمینان کر دیا گیا۔ لہذا انقلابی شورش کے لئے اب کوئی عذر باقی نہ رہا۔ مزدوری پیشہ لوگوں کی جائز جدوجہد اور موجودہ سلطنت وموجودہ سوسائٹی کے قیام میں موافقت پیدا کرنے کا صرف ایک ہی صحیح طریقہ تھا وہ یہ کہ سوشل حامیان جمہوریت کی تمام مداخلتہائے بیجا کی سختی سے مخالفت کیجائے۔ یہ کام پورا نہیں ہوا ہی سوال یہ ہے کہ مزدوری پیشہ طبقے کو سلطنت وملک کے اعلیٰ خیال کی طرف پھر کس طرح رجوع کیا جائے۔ خوش خوش کام کرنے والے مزدوروں کو سوشل جمہورانہ استبداد سے ہمیشہ بچانا چاہیئے۔ باینہمہ جرمنی کا نام سوشل سیاسی اعتبارات سے بلحاظ شائستگی کل ترقی کی فہرست میں سب سے اوپر ہی جرمن سائنس نے دنیا میں اپنی جگہہ قائم رکھی ہی۔ پچھلی صدی میں جرمنی یقیناً سیاسی سائنسوں میں سب سے آگے تھا۔ اور کل دیگر دماغی تحقیقات کے میدانوں میں اپنے فلسفے کی عمومیت اور اپنی کامل وغیر متعصبانہ تلاش ماہیت اشیاء سے اُس نے دنیا میں نمایاں حیثیت پیدا کرلی ہی۔ سائنس وادب کے دائرہ میں جرمنی کے تحصیلات کی تصدیق اس سے ہوتی ہی کہ ممالک غیر میں جرمن کتابوں کی سالانہ برآمد کتب قابل وثوق تخمینہ سے فرانس۔ انگلستان وشمالی امریکہ تینوں کی مجموعی برآمد سے دوگنی ہی۔ صرف Exact Science کے میدانمیں جرمنی بعض اوقات غیر ممالک کو ترجیح دینے پر مجبور ہوئی ہی۔ جرمنی کا ہنر بھی خاص جگہہ لینے میں ناکام رہا ہے۔ بہت سے شعبوں میں اُس نے درحقیقت اچھی ہونہاری کا ثبوت دیا ہی اور بڑی چیزیں بناکر پیش کی ہیں مگر ہمارے حالات سیاسی کی ابتری کی جھلک اُن میں پائی جاتی ہے۔ سلطنت جرمن کی سیاسی حیثیت سے ٹوٹکر متعدد فرقہ بندیاں ہوگئی ہیں۔ صرف سوشل حامیان جمہوریت وطبقۂ اوسط ہی ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان میں آپس میں بھی تقسیمیں ہیں۔ نہ صرف اہل حرفہ وزراعت پیشہ لوگ ایک دوسرے کے سخت دشمن ہیں۔ بلکہ

قومی خیال کو ابتک فرقہ بندیوں کی مخالفت کے دبانے میں کامیابی نہیں ہوئی ہی اور شمال وجنوب کی خصوصیت نے رعایا کو ایک پوری متحدہ جماعت بننے سے باز رکھا ہی آج جرمنی کی یہ حالت ہی خانگی تنازعات سے پارہ پارہ مگر تگی ہوئی قوت سے پُر ہے گو سب طرف سے خطرات سے گھری ہوئی اور تنگ غیر معمولی حدود میں دبی ہوئی ہے مگر اس حالت میں بھی اُس کی قوم اُس کی دماغی ترقی اِس کے سائنس۔ اُسکی حرفتوں اور اُسکی تجارتوں میں اعلیٰ حوصلے موجود ہیں۔

اب سوال یہ ہی کہ اس کی تاریخ آیندہ کے لئے ہمکو کیا راستے دکھاتی ہی؟ ماضی نے ہمپر کیا فرایض عاید کئے ہیں؟

یہ بڑا وسیع اہم سوال ہی کیونکہ جرمن سلطنت کے جوابات پر نہ صرف ہماری آگے کی ترقی کا بلکہ ایک حدتک دنیا کی تاریخ کا انحصار ہی۔

جرمنی کا تواریخی مشن

اگر تاریخی ترقی کے کل واقعات ہماری تصور کی آنکھ کے سامنے ہوں اگر ہم اُن کل میجانفس انسانی گروہوں کی تصویر اپنے دل میں کھینچیں جو متوسط یورپ کی سلطنت سے ہر زمانہ میں بہ تعداد کثیر کرہ ارض کے ہر حصہ میں گئے ہیں۔ اگر ہم یہ خیال قائم کریں کہ جرمن دماغ نے دماغی و اخلاقی ترقی کی کیسی عمدہ تخم پاشی کی ہے تو یہ مفخرانہ اعتقاد زبردست قوت کے ساتھ ہمیں اس بات کے سمجھنے پر مجبور کرتا ہے کہ نسل انسانی کی کل ترقی کی اعلیٰ اہمیت اہل جرمن کیطرف منسوب کیجاسکتی ہے۔

اس اعتقاد کی وجہ ہماری قوم کی دماغی قابلیتیں اور جرمن اسپرٹ کی آزادی و عمومیت ہے، جنکا اظہار اُس کے تاریخی واقعات کے دوران میں متواتر ہوا ہے۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو جرمن سے زیادہ غیر متعصب تاریخی ہو۔ جرمن قوم دماغی زندگی کی روک کو جو آزاد اور قدرتی ترقی میں ہوسکتی ہے نہایت خوبی کے ساتھ متحد کرنا جانتی ہے۔ اسلئے جرمن لوگ ہمیشہ آزادخیالی کے علم بردار رہے ہیں مگر اسی کے ساتھ انھوں نے انقلابی و طوائف الملوکانہ شورشوں کو ہمیشہ روکا ہے۔ اکثر دماغی آزادی کی کوششوں میں اُن کی بُری گت ہوئی ہے اور اس معاملہ میں اُنھوں نے خون جگر سے کام لیا ہے۔ بعض اوقات دماغی مجبوری جرمنوں پر حاوی رہی ہے،

انقلابی زلزلوں نے اُن کی معاشرت کو ہلا دیا ہے مثلاً کسانوں کی جنگ نے سولہویں صدی میں اور انقلاب کی کوششوں نے اُنیسویں صدی کے وسط میں جو شور برپا کیا وہ محتاج بیان نہیں۔

مگر انقلابی کوشش روکی گئی ہے اور اس کا رُخ صحیح قدرتی ترقی کیطرف پھیر دیا گیا ہے۔ آزاد دماغی قوت ارادی کی اہم ضرورت اس قوم کی اندرونی معاشرتِ روح سے بارہا جُدا ہو گئی ہے اور اُس نے بڑھکر عالمگیر تواریخی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ اس طور پر دو بڑی تحریکیں جرمن دماغی معاشرت سے پیدا ہوئی ہیں۔ جو آیندہ انسانوں کی تمام دماغی و اخلاقی ترقی کی بنا ہونگی اوّل اصلاح مذہب Reformatior دوم تنقیدی فلسفہ وہ اصلاح مذہب جس نے کلیسیہ کے (جو کل آزاد ترقی کی روک تھا) عاید کئے ہوئے دماغی جوئے کو توڑ کر پھینکدیا اور وہ خالص عقلی معترض جس نے فلسفیانہ انداز کے تلون کا اطور سے راستہ بند کر دیا کہ انسانی دماغ کے واسطے اس کے ظرف کے مطابق حدود مقرر کر دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ کس طریقہ سے علم حقیقتاً ممکن ہے۔ اس عمارت پر ہمارے زمانہ کی دماغی زندگی نے اور بھی افزائش کی۔

انسان کی باقاعدہ ترقی کے لئے اہل جرمن اس کوشش کے بانی ہی نہیں بلکہ پیشوا تھے گویا ہمنے اپنے اوپر ایک فرض عاید کرلیا ہے جس سے جان نہیں چرا سکتے۔ ہمکو اس جنگ کی پیشوائی کے لئے تیار رہنا چاہیئے اس جنگ میں سب سے بڑی بازی لگی ہے اور بلا مبالغہ انسان کی کسی کوشش پر اتنی بڑی بازی نہ لگی ہوگی۔ لہذا شاندار ماضی کی بنا پر اس جنگ میں حصہ لینا ہماری قوم کا فرض ہے اور اپنے مخصوص اوصاف کی وجہ سے وہ اُس کیلئے موزوں ہے۔

صفحہ ہستی پر کسی قوم میں تمدن کے کُل عناصر سمجھنے اور ان کو اپنا کرنے۔ و نیز اپنے جمع کردہ عطیات روحانی سے ان میں اضافہ کرنے اور نسل انسانی کو اُس سے زیادہ قیمتی تحائف جو قدرت سے اس کو ملے تھے واپس دینے کی اتنی صلاحیت نہیں ہے جتنی جرمن قوم میں ہے۔

اُس نے قدیم یوروپین تہذیب کے ذخیرہ کو جدید اور خود مختارانہ خیالات سے زیادہ قیمتی
بنا دیا ہی اور مہذب اقوام کی جماعت میں وہ جگہہ لے لی ہی جسکے پُر کرنے کا کوئی اہل نہیں ہے
اعتقاد۔ خیال اور عمومیت کی گہرائی محدود وجود کے حدود سے باہر نظر ڈالنے کی قوت۔
ہر انسانی چیز کے ساتھ ہمدردی۔ سب سے زیادہ شاندار قوموں اور زمانوں کیساتھ خیالات
کی سلطنت میں چلنا یہ سب باتیں ہر زمانہ میں اہل جرمن کی خصوصیات میں رہی ہیں۔
سوائے اہل جرمن کے کسی قوم کے حصہ میں یہ بات نہیں آئی ہی کہ وہ دل سے اُس
عطیہ کا لطف اُٹھائے "جو نوع انسان کو مجموعی حیثیت سے ودیعت کیا گیا ہی" ہم اکثر دیگر
قوموں میں ایک خاص قابلیت زیادہ مقدار میں دیکھتے ہیں۔ مگر عمومیت وجذب کی اتنی صلاحیت
کبھی نہیں ہوتی۔ اس صنعت کیوجہ سے ہم دماغی دنیا میں پیشوائی کے لئے موزوں ہیں اور
یہی صنعت اُس حیثیت کے برقرار رکھنے کا فرض ہم پر عائد کرتی ہے اگر ہمیں اپنے اعلیٰ ترین
فرض کی انجام وہی کا خیال ہے تو علاوہ اسکے اور متعدد کارہائے سخت ہمکو پورے کرنا ہیں
یہ ضروری چبوترے ہیں جنکے ذریعہ سے ہم مقصود کی اعلیٰ ترین بلندی پر چڑھ سکتے ہیں۔
یہ فرائض سائنس وسیاسیات کی عملداری میں ہیں اور نیز اُس سرحدی ملک میں جہاں سائنس
اور سیاسیات ملتے ہیں اور جہاں سیاسیات کی حالت اکثر براہ راست تحقیقات سائنس سے
متعلق ہوتی ہی۔

سب سے پہلے اور سب سے آگے جرمن سائنس ہی جس کو پھر دوبارہ اپنی مسلسل اور شاندار
علمی تحقیقات میں (تاکہ اس کا موروثی حق ثابت رہی) فضیلت کی جگہہ لے لینا چاہیئے۔
ایک طرف ہمکو قوت احساس کے اصول کو وسعت دینا چاہیئے۔ دوسری طرف فطرت کے
رازہائے مخفی کی تلاش سے اُس پر انسان کی حکومت کو بڑھانا اور اس طرح سے انسان کو
زیادہ کارآمد وجلب منفعت کے قابل بنانا چاہیئے ہمکو سائنس سے اُن بڑے مسائل کا حل
کرنا لازم ہے جنکا بنی نوع انسان سے گہرا تعلق ہی۔ ہمیں محض اُصول کے دائرہ میں محدود نہ رہنا

چاہیے بلکہ تحقیقات کے عملی نتائج سے تہذیب کو فائدہ پہونچانیکی کوشش کرنا چاہیے اور ہیں طور پر ایسے حالات زندگی پیدا کرنا جس سے صاف تصور اعلیٰ زندگی کا ظاہر ہوسکے ضروری ہے
وسیع نظر سے دیکھا جائے تو انسان کی زندگی پر سب سے زیادہ دیرپا اثر مذہبی و سوشل مباحث کا ہوتا ہی اور اُنھیں سے نہ صرف ہماری آئندہ ترقی بلکہ اعلیٰ زندگی کی حالت بالعموم درست ہوتی ہی۔ ان مسائل نے ہملوگوں سے زیادہ کسی قوم کے دل پر گہرا و دیرپا قبضہ نہیں کیا ہی۔ باایہمہ جمہوریت پسند شورش کرنے والونکی بکواس کے باوجود انقلابی اسپرٹ نے جرمنی میں کوئی جگہہ نہیں لی ہی جرمن طبیعتوں کا میلان باقاعدہ و صحیح ترقی کی طرف ہے جو آہستہ آہستہ مختلف تحریکات کے مقابلہ میں اپنا کام کرتی ہی۔ اس صورت سے وہ مباحث جو اور قوتوں کو پارہ پارہ کر رہے ہیں اہل جرمن اُن کو خود اپنے ملک میں اچھی طرح فیصل کر سکتے اور قانون ارتقا کے موافق اُن کے لئے فطری ترقی کی راہیں نکال سکتے ہیں۔
ہم نے اس دشوار کام کو سوشل دائرہ میں شروع کر دیا ہی اور جہانتک کہ وہ جماعت اور مزدوری پیشہ طبقے کے فوائد کے منافی نہوگا ہم اسکو یقیناً جاری رکھینگے۔ ہمکو علاوہ اُن ذرایع کے جو اسلاف اختیار کر چکے ہیں دیگر ذرایع بھی مزدوری پیشہ طبقے میں صحیح حب الوطنی کے حوصلے پیدا کرنیکے لئے اختیار کرنا چاہئیں اور اس میں کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھنا چاہیئے۔
ہمیں اُمید ہی کہ اگر کبھی کوئی عظیم الشان و مشترک فرض ہمارے اوپر عاید ہوگا جس کی رو سے ہمیں اپنی کل قومی طاقت مجتمع کرنے کی ضرورت لاحق ہوگی تو مزدوری پیشہ طبقات ہمارے ساتھ متحد ہوکر کام کرینگے اور مشترکہ خطرہ کے مقابلہ میں ہماری قوم میں پھر وہ اتحاد پیدا ہوجائیگا جس کی کمی کا آج ہم رونا رو رہے ہیں۔
مذہبی عملداری میں کسی مصالحت کی کوشش نہیں کی گئی ہی۔ پُرانے مخاصمین ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں بالخصوص جرمنی میں آنے والی نسل کا یہ فرض ہوگا کہ فرقہ مذہبی و سیاسی مخاصمت کم کرے اور متضاد آرا کو متحد و اعلیٰ نظام کے اندر لانے سر دست

اس غرض کے حاصل ہونیکی کم توقع ہے۔ کسی مشترکہ مذہبی تحریک کا خیال کرنے سے پہلے مذہب پروٹسٹینٹ کے تعصب کا نکم۔ جیسوئٹ فرقے کے خیالات اور کیتھولک کے اعتقادات متعلق بہ پوپ دبا دیئے جائیں۔ مگر کوئی جرمن مدبر معاملات کے اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرسکتا نہ کبھی یہ بات بھول سکتا ہے کہ پروٹیسٹینٹ مذہب ہی ہماری عظمتِ قومی کی جڑ ہے۔ قانوناً وتمدناً کل فرقوں کے حقوق برابر ہیں۔ تاہم سلطنت جرمن کو آزاد و روحانی ترقی کی عملداری میں پیشوائی ہرگز نہ چھوڑنی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے اُسکا اقتدار جاتا رہیگا۔

اس طرح سے انسانی تہذیب کی کل ترقی کے اہم ترین فرائض جرمن قوم کو تفویض کئے گئے ہیں جس کو عظیم الشان وشاندار ماضی وراثت میں پہنچا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے دائرہ میں بھی اُسکو ایسے ہی اہم مسائل سے سابقہ ہے۔ یہ مسائل خاص اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ دماغی ترقی پر انکا نہایت گہرا اثر ہوتا ہے اور ان کے حال پر دنیا میں جرمنی کی حیثیت کا انحصار ہے گذشتہ شورشوں اور جنگوں میں بہت سی آراضی جرمن سلطنت کے ہاتھ سے نکل گئی ہے جرمنی کل جغرافیائی اعتبار سے سلاطین قدیم کا لنجا بُت ہے جسکے ہاتھ پاؤں اور سر کٹا ہوا ہو۔ اب اس میں جرمن رعایا کی ایک کسر آبادی ہے۔ بہت سے جرمن ہم ملک اور سلطنتوں میں خلط ملط ہوگئے۔ یا سیاسی خودمختاری میں مثل ڈچ کے جو بڑھکر ایک جُدا قوم ہوگئے ہیں رہتے ہیں مگر زبان اور قومی مراسم میں جرمن نسل سے انکار نہیں کرسکتے۔ جرمنی کے قدرتی حدود بھی اسکے ہاتھ سے جاتے رہے ہیں حتیٰ کہ نہایت مخصوص دریائے جرمن رائن جسکی تعریف میں بڑی نغمہ سرائی کیگئی ہے جرمنی عملداری سے باہر واقع ہے۔ مشرقی سرحد پر بھی جہاں جدید سلطنتِ جرمن کی قوت سلافی قوم کے مقابلہ میں صدیوں کی جنگ سے بڑھی ہے جرمنی کے مقبوضات زیر تہدید ہیں۔ سلافی لہریں ہمیشہ نہایت تندی کے ساتھ اُس جرمنیت کے کنارہ سے ٹکراتی ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پرانی فیروزمند طاقت کو کھو بیٹھی ہے۔

اس مقام پر سیاسی کمزوری کے علامات نظر آتے ہیں۔ دراں حالیکہ صدیوں تک

غیر ممالک میں جرمن طاقت کثرت سے صرف ہوئی ہی۔ حیف ہے کہ اپنے وطن اور قوم کے لئے وہ زائل ہوگئی ہی اُس کو غیر قوموں نے جذب کرلیا ہی اور وہ غیر قوموں کے خیالات میں ڈوب گئی ہی۔ حتیٰ کہ آج سلطنت جرمن کے پاس کوئی نوآبادی کی عملداریاں نہیں ہیں جہاں اُسکی بڑھنے والی آبادی کو مزدوری یا جرمن طریقۂ معاشرت مل سکے۔

صاف ظاہر ہی کہ یہ ایسی حالت نہیں ہی جس پر کوئی زبردست قوم قناعت کرکے بیٹھ جائے دوسرے الفاظ میں یہ حالت جرمن اور اُسکی دماغی اہمیت کے مطابق نہیں ہے۔ اس سے پہلے صدیاں گذرنے کے بعد جب اہل جرمن اپنے حقوق کی محرومیت اور سیاسی ذلت کے عادی ہو رہے تھے تو یقیناً ہماری قوم کا بڑا حصہ اس کمی کو محسوس نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ ہمارے اعلیٰ ادب کے قرن میں۔ اُس خیالی نسل کے حب الوطنانہ فخر کا مقابلہ اس خیال سے کیا گیا تھا کہ کوئی قوم جرمن ذہانت کی بلند پروازی کو نہیں پاسکتی نہ ہماری دنیوی شہرت کی آزادی تک اُڑکر پہنچ سکتی ہی۔ ۱۷۹۵ء میں شلر Shiller یہ اشعار لکھ سکتا تھا۔

"اہل جرمن کی جلالت وشکوہ کا تنزل بادشاہوں کے تاج کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ جنگ کے شعلوں سے سلطنتِ جرمن خاک سیاہ ہوجائے مگر جرمن جاہ وجلال کے بدن پر آنچ بھی نہ آئیگی"۔

بہرحال ہماری قوم کے شریف ترین اور اعلیٰ حصہ کے خیالات فی زماننا مختلف ہیں۔ ہم زیادہ زور اُس اثر پر دیتے ہیں جو جرمن اسپرٹ کا تمام تمدن پر تھا اور جو اُس زمانہ میں ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اب ہمکو جرمنی کی اُس بڑی ترقی کا لحاظ کرنا چاہیئے جو اُنیسویں[19] صدی میں ہوئی ہی اور اس صورت سے اپنے اعلیٰ ادب کی پہلی اہمیت کا ہم بہتر اندازہ کرسکتے ہیں۔ دیگر یہ کہ اپنے تاریخی نشو و نما کے انقلابات سے یہ بات ہمکو معلوم ہوگئی ہی کہ دماغی ترقی کی پوری اور واجبی مقدار صرف ہماری قوم کے سیاسی اتحاد سے حاصل ہوسکتی ہی۔ جرمن خیال کی عملداری کی توسیع صرف سیاسی قوت کی پشت پناہی میں ہوسکتی ہے اور جب تک ہم اس خیال کے موافق

نہ چلیں گے ہم ان فرائض کو جو نسلِ انسانی کے ہم پر ہیں سچائی کے ساتھ انجام نہیں دیسکتے۔

لہذا ہمارا سب سے پہلا اور قطعی فرض ہے کہ جرمن کی عملداریوں کا حالتِ موجودہ میں گرمجوشی سے تحفظ کریں اور ایک چپہ بھر زمین بھی غیر قوموں کو نہ دیں۔ مغرب میں لاطینی نسل کے حوصلے دبا دیے گئے ہیں اور یہ خیال کرنا مشکل ہے کہ ہم کبھی فتح کے اس مال غنیمت کو اپنے ہاتھ سے چھنوا دینگے۔ جانب جنوب و مشرق ترک جنھوں نے یورپ کے مہذب ممالک کو دھمکی دی تھی اچھی طرح پسپا کر دیے گئے ہیں۔ اب اُن کی حیثیت یوروپین سیاسیات میں اُس سے بالکل مختلف ہے جو مغرب کی طرف فاتحانہ کوچ کے وقت تھی۔ بحر روم پر اُن کی قوت بالکل نیست و نابود ہو گئی۔ برخلاف ازیں سلافی قوم خوفناک قوت ہو گئی ہے۔ وسیع قطعات جو کبھی جرمنی کے زیر اثر تھے اب پھر سلافی حکومت میں آ گئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے ہمیشہ کیلئے ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔ موجودہ رُوسی صوبہائے بالٹک کسی زمانہ میں تہذیب جرمن کے شاداب مقام تھے۔ آسٹریا ہمارے شریک کا جرمن عنصر سلافی قوم سے بڑے اندیشہ میں ہے جرمنی کو خود سلافی کاریگروں کی طرف سے دائمی امنی حملہ کا خطرہ لگا ہوا ہے بہت سے پول استحکام کے ساتھ وسطِ ویسٹ فیلیا (West Phalia) میں آباد ہو گئے ہیں۔ اس سلافی اہلہ کی روک کیلئے کمزور تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ مگر اس سلافی زور کا روکنا محض ہماری موروثی مجبوری نہیں ہے بلکہ خود حفاظتی و یوروپین تہذیب کی خاطر ہمارا فرض ہے ابھی اسکا فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ آیا اس بڑے ہلے کو ہم امنی بیش بندیوں سے روک سکتے ہیں بعید نہیں کہ جرمن یا سلافی فضیلت کا سوال ایک بار پھر تلوار سے طے ہو۔ ایسی جنگ کا امکان اوسیقدر قوی ہوتا جاتا ہے۔

جس قدر کہ ہم تحفظ کی امنی تدابیر کی طرف سے سُست اور اس ارادہ میں کمزور پڑتے جاتے ہیں کہ جرمنی کو ہر صورت سے بچا لیں گے ہمارا دوسرا فرض کہ اُن جرمنوں کے کسب معاش میں جو غیر ممالک میں رہتے ہیں مدد دیجائے تیزی سے ہمپر عاید ہوتا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی قوم کے

وفادار رہیں۔ اور یہ ایسا فرض ہی جس سے اپنے ذاتی فوائد کی خاطر ہم مُنہ نہیں موڑ سکتے۔
جرمنوں کی متفرق جماعتوں سے جو غیر ممالک میں ہیں ہماری تجارت کو بڑا نفع پہنچتا ہے۔ کیونکہ
وہ ترجیحاً اپنا مال جرمنی سے منگاتے ہیں۔ وہ سیاسی حیثیت سے بھی ہمارے لئے کارآمد
ہوسکتے ہیں جس کی مثال امریکہ میں ہمارے پیش نظر ہے۔ امریکا کی جرمنوں نے آئرلینڈ
والوں کے ساتھ ایک سیاسی اتحاد قایم کیا ہی۔ یہ اتحاد سلطنت میں ایک قوت ہے
جس پر گورنمنٹ کو بھروسہ کرنا لازم ہی۔ سب سے آخر میں تہذیبی نقطۂ خیال سے جرمن اسپرٹ کا
قائم رکھنا لازم ہی اور اس طرح سے عام تہذیب کا ایک مرکز قائم ہوسکتا ہے اگر مشرقی
ومغربی مقبوضات کے تحفظ اور جرمن قوم کو دنیا بھر میں موجودہ صورت سے قائم رکھنے میں کامیاب
بھی ہوجائیں تو بھی ہم اپنی موجودہ حیثیت کو چاہے کیسی ہی قوی ہو دیگر دول کے ساتھ بے
مقابلہ میں برقرار نہیں رکھ سکتے اُس حالت میں کہ ہم موجودہ دائرہ قوت پر اکتفا کریں درانحالیکہ
گردونواح کے ممالک اپنی عملداریوں کے بڑھانے میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہیں۔ اگر
ہم آگے کو اُن سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ ایک ایسی پالیسی ہے جسے ہماری رعایا اور ہماری
تہذیب دونوں ہمیں اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو ہمیں دنیا کی شہنشاہی کی سخت جنگ سے
پیچھے نہ رہنا چاہیئے۔

Royal Colonial Institute

لارڈ روزبری (Rosebery) نے رائل کولونیل انسٹیٹیوٹ
میں یکم مارچ ۱۹۱۳ء کو اپنی تقریر میں یہ خیال ظاہر کیا تھا "یہ کہا جاتا ہی کہ ہماری سلطنت کافی
بڑی ہی اور اُس کو توسیع کی ضرورت نہیں ...... ہم کو اس بات پر غور کرنا نہیں ہے کہ
ہم اب کیا چاہتے ہیں بلکہ اس پر کہ آیندہ کیا چاہیں گے ...... ہمیں یاد رکھنا چاہیئے
کہ اس بات کا خیال ہماری ذمہ داری و وراثت کا جزو ہی کہ دنیا میں جس حد تک ہم اسکی
تشکیل کے باعث ہوں اسکی نوعیت اینگلوسیکسن ہو نہ کہ کچھ اور۔ یہ ایک بڑا اور مفخرانہ خیال
ہی جسکا اظہار اُس زمانہ میں انگریزی زبان سے ہوا تھا۔ اگر ہم اُن قوموں کو جو فی زمانہ نا

انگریزی بولتی ہیں شمار کریں اور ان ممالک کا زائچہ لیں جو انگلستان کے زیر حکومت ہیں۔ تو
ہم کو ماننا پڑیگا کہ انگریزی نقطۂ خیال سے وہ حق بجانب ہی۔ اُس کا خیال اس موقع پر حقیقی
عالمگیر حکومت کا نہیں ہی بلکہ انگریزی اسپرٹ کے غلبہ کا صاف الفاظ میں اعلان کیا گیا ہی۔

کوئی شک نہیں کہ انگلستان نے تہذیب کا بڑا کام کیا ہی خصوصاً مادی پہلو سے۔ مگر
اُس کا کام یکطرفہ ہی کل نوآبادیوں میں جو براہ راست انگلستان کے زیر حکومت ہیں اصل میں
انگریزی حرفتوں اور انگریزی سرمایہ کی خاطر مہمات بھیجی گئی ہیں۔ تہذیب کا کام جو بلاشک
انگلستان نے ان میں کیا ہی ہمیشہ اس خیال کے ضمن میں کیا ہی اس نے کبھی آزاد و خود مختار
رعایا کو تربیت دیکر اور محکوم قوموں کو خود مختارانہ تمدن کے فوائد عطا کر کے اپنی شہنشاہی کو
انصافاً جائز نہیں کیا ہی۔ بعض نوآبادیوں میں جہاں حکومت خود اختیاری ہی اور وہ اکی
کم وبیش آزاد جمہوری سلطنتیں ہیں مثلاً کناڈا۔ آسٹریلیا۔ جنوبی آفریقہ۔ ان سلطنتوں کی
بابت بہت شک ہی کہ وہ کوئی نشانی انگریزی اسپرٹ کا ہمیشہ قائم رکھیں گی۔ وہ بڑھ کر
سلطنتیں ہی نہیں بلکہ قومیں ہو رہی ہیں اور سردست یہ غیر متعین امر ہی کہ آیا انگلستان مستقل
طور پر اُن کو اپنی سلطنت میں شامل رکھ سکیگا۔ اور انگریزی حرفتوں کے لئے اُنھیں کار آمد
بنا سکیگا یا اس کا بھی تحفظ کر سکے گا کہ اُن کے قومی خصائل انگریزی ہوں باایں ہمہ یہ ایک
عظیم الشان و مفخرانہ حوصلہ ہے جو لارڈ روزبری کی زبان سے ادا ہوا ہی اور اُس سے
ایک افضل قومی خود اعتمادی کی تصدیق ہوتی ہی۔ اہل فرانس بھی اتنی ہی جائز مسرت سے
اُس کام پر نظر ڈالتے ہیں جو انھوں نے پچھلے چالیس سال میں کیا ہی ١٩٠١ء میں سابق وزیر
فرانس ہینوٹو (   ) نے مندرجۂ ذیل الفاظ میں اس فخر کا اظہار کیا ہے۔ "دس
سال ہوئے نوآبادیانہ سلطنت کے قائم کرنے کا کام ختم ہو گیا۔ فرانس بھی چار دول عظمیٰ کی
فہرست میں رتبہ پانیکا مدعی ہی وہ کرۂ ارض کے ہر گوشہ میں گھر کی طرح آرام سے ہی۔ فرانسیسی
زبان افریقہ۔ ایشیا۔ امریکہ و اوشینیا میں بولی جاتی ہی اور بولی جاتی رہیگی۔ شاہنشاہی کے

بیج دنیا کے ہر حصہ میں بکھیر دئے گئے ہیں۔ آسمانی حفاظت میں وہ سرسبز و شاداب ہونگے"۔

اس بڑے مدبر نے جرمن پالسی پر بہ حقارت نکتہ چینی کی ہے۔ اُن پیچیدہ تنازعات کے متعلق جنکا اختتام افریقہ کی تقسیم اور فرانسیسی نوآبادیانہ پالسی پر ہوا جرمنی اور اُسکی گورنمنٹ کا خاص خیال کیا ہے اسکا فیصلہ تواریخ سے ہوگا۔ فرانس نے خود دور و دراز و دشوار مہمات اختیار کئے تھے انکی نسبت ہمارا اندازہ ہے کہ ابتداءً بسمارک کی پالسی کے حامیوں نے اطمینان سے دیکھا۔ ہمارا خیال تھا کہ اُن کی طرف جرمن اور اُس کی گورنمنٹ آیندہ سالہائے دراز تک متوجہ رہیگی۔ مگر یہ یقینی امر نہیں ہے کہ یہ اندازہ انجام کار صحیح ثابت ہوا ہو کیونکہ جرمنی آخر کار اُسی راستہ پر چلی اور درحقیقت کسی قدر دیر میں اُس نے ضائع شدہ وقت کی تلافی کرنا چاہی اگر اُس ملک نے عمداً نوآبادیانہ مہم کو اوروں کے لئے چھوڑ دیا تو اُس کو تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ اُن کو سب سے اچھے حصے ملے۔

فرانسیسی نکتہ چینی کچھ بیجا نہیں ہے۔ ہمکو مایوسی اور رشک ہوتا ہے کہ وہ قوم جو ۱۸۷۰ء میں شکست کھا چکی تھی جسکے قویٰ مضمحل ہو گئے تھے اور جس میں آدمیوں کے انحطاط کیوجہ سے نوآبادیوں کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ جیسا الجیریا میں اچھی طرح ظاہر ہو گیا ہے اُس نے دوسرے درجہ پر سب سے بڑی نوآبادسلطنت دنیا میں قائم کرلی اور اُس کو دولت دنیا ہونیکا فخر ہے اسکے مقابلہ میں گریولوٹ ( ) اور سیڈان ( ) کا فاتح اُس سے بہت پیچھے رہ گیا ہے اور ابھی حال میں مراکش کے مباحثہ میں فرانس کے دعاوی کو اس عنوان سے قبول کر لیا گیا جو عام خیال کے مطابق جرمنی کے مرتبہ اور اغراض دونوں کے شایان شان نہ تھا۔ جب سے انگلستان اور فرانس حلیف ہوئے ہیں ان ممالک کے دعاوی جو کھلے الفاظ میں ظاہر کئے گئے ہیں زیادہ قابل توجہ ہیں۔ ان دعاوی کے سامنے جرمن قوم تہذیبی اہمیت کے لحاظ سے صرف اسیکا حق نہیں رکھتی کہ آسمان کے نیچے ایک جگہ کی طلبگار ہو جیسا کہ پرنس بولو نے ( ) ہتین الفاظ میں اس خیال کو ظاہر کیا تھا بلکہ دنیا کی شاہنشاہی میں کافی حصہ

لینے کا حوصلہ کرے جو اسکے موجودہ دائرہ اثر کے حدود سے بہت زیادہ وسیع ہو۔لیکن ہم اس مقصد کو صرف جب ہی حاصل کرسکتے ہیں کہ اپنی حیثیت کو یورپ میں اس قدر استوار کرلیں کہ پھر کبھی اُس کے بارہ میں شبہ نہ ہے صرف ہمکو اس بات سے ڈرنیکی ضرورت نہیں ہے کہ ہمکو اپنے سے زیادہ قوی دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑیگا جب کبھی کہ ہم بین الاقوامی سیاسیات میں حصہ لینگے۔اُس حالت میں ہم اپنی قوتوں کو دیگر دول عالم کے ساتھ رقابت کی حالت میں آزادی سے کام میں لاسکیں گے اور دنیا بھر میں جرمن قوم اور جرمن اسپرٹ کیلئے وہ اعزاز حاصل کرینگے جبکی وہ دونوں مستحق ہیں۔

یہ توسیع قوت جو ہماری اہمیت کے موافق ہے محض خیالی اسکیم نہیں بلکہ سیاسی ضرورت ہے یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ بوجہ سیاسی اتحاد و اصلاحات نظامی جو پچھلے چالیس سال میں ہوئی ہیں ایک زمانہ بڑی سرسبزی کا آگیا ہے۔جرمن حرفتوں میں بڑی توسیع ہوگئی ہے اور جرمن تجارت اُن کے ساتھ چل رہی ہے۔جرمن قوم کی صلاحیت و تجارت و جہازرانی نے ایک بار پھر شان کے ساتھ اپنے وجود کا احساس کرایا ہے (

)

ہینسی ایٹک لیگ کا زمانہ عود کر آیا ہے ہماری قوم کے مزدوری پیشہ کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔اکیلے جرمن سلطنت میں سالانہ دس لاکھ آدمیوں کا آبادی میں اضافہ ہوتا ہے اور ان سکو زیادہ تر مزدوری کے حرفتی کام ملجاتے ہیں۔

مگر اس شاندار ترقی کی تصویر کا اُلٹا رُخ بھی ہے۔ہم کچے مال کی برامد کے لئے بالکل اور زیادہ تر اپنے تیار کردہ مال کی فروخت کے لیے بھی غیر ممالک کے دست نگر ہیں۔حتیٰ کہ ہمکو اپنی کچھ ضروریات زندگی بھی باہر سے منگانا پڑتی ہیں۔علاوہ براں ایک اور بات یہ ہے کہ ہمارے یقینی بازار نہیں ہیں جیسے انگلستان کی نوآبادیوں میں ہیں۔ہماری اپنی نوآبادیاں ہماری بہت سی تیار کردہ اشیا نہیں لے سکتیں اور بڑے خارجی اقتصادی دوائر باہر والوں پر (خصوصاً جرمنوں پر) اپنے دروازے بند کرنیکی کوشش کرتے ہیں تاکہ اپنی حرفتوں کو ترقی

ویں اور دیگر ممالک سے اپنے آپ کو مستغنی کرلیں۔ ہمارے کاریگر طبقوں کی معاش کا انحصار
براہ راست ہماری درآمدی تجارت کے قیام توسیع پر ہے۔ ہمارے لئے اپنی بحری تجارت کو
بحال رکھنا زندگی و موت کا سوال ہے۔ ہمیں جلد مجبوراً اپنی بڑھنے والی آبادی کیواسطے
حرفتی مشغلہ سے الگ ذرائع زندگی تلاش کرنا پڑینگے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حرفتی مستقل
طور پر آبادی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے۔ اس اضافہ کا کچھ حصہ زراعت میں
لگا دیا جائیگا۔ اور وطن کی سکونتیں کچھ اشک شوئی کر سکتی ہیں۔ مگر کوئی معاوضہ کا کام
کل آبادی کے لئے کبھی موجودہ جرمن سلطنت کے حدود کے اندر دستیاب نہو سکیگا چاہے
ہمارے بین الاقوامی تعلقات کیسے ہی موافق ہوں۔ لہذا یہ سوال پیش ہوگا کہ آیا ہم آیندہ
نسلوں کو ممالک غیر کے حوالہ کر دینا چاہتے ہیں جیسا پہلے تنزل کے زمانہ میں کیا گیا تھا یا
ایسی تدابیر اختیار کرنا چاہتے ہیں جن سے ہماری جرمن نوآبادیوں میں اُن کو سکونت ملجائے
اور اس صورت سے اُن کو وطن مالوف کے لئے ٹھہرالیں۔ اس میں کوئی ممکن شبہ نہیں ہے
کہ اس سوال کا جواب کیا ہو۔ اگر ہمارے افسوسناک تواریخی واقعات نے ہم کو ابتک نوآبادیاتی
سلطنت کی تعمیر سے روکے رکھا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ گئے وقت کی تلافی کریں اور فوراً ایسا
بیڑا بنائیں جو کل مخالف دول کے مقابلہ میں ہمارے بحری مراسلات جاری رکھ سکے۔

ہم عرصہ دراز سے نوآبادیوں کی اہمیت کی ناقدری کرتے چلے آئے ہیں وہ نوآبادیاں
مقبوضات ناجائز و مخالفِ اخلاق ہیں اور کبھی مستقل طور پر قائم نہیں رہ سکتے جنسے محض
روپیہ کمانے کا کام لیا جائے جو جرسی کے اغراض پورے کرتے ہیں اور جنھیں ہر ایک سلطنت
کو اصلی باشندوں کی مالی یا سوشل حالت کے سنوارنے کا خیال نہیں ہے۔ لیکن وہ نوآبادی جو
یکساں قومیت قائم رکھتی ہے مستقبل دنیا کے لئے بہت اہم جزو ثابت ہوئی ہے۔ وہ یہ طے
کردیتی ہے کہ ہر قوم کو سفید نسل کی گورنمنٹ کو عالم میں کس قدر حصہ ملنا چاہیئے۔ یہ بالکل خیال
میں آنے کی بات ہے کہ وہ ملک جس کے پاس نوآبادیاں نہیں ہیں یورپ کی دول عظمیٰ میں

شمار نہیں کیا جاسکتا خواہ اور اعتبار سے وہ کتنا ہی زبردست کیوں نہو"۔

نوآبادیونکی کمی سے جو ہمارے حوائج کو پورا کریں ہم سخت نقصان اٹھا رہے ہیں۔ آئندہ ہماری بڑھنے والی کاریگروں کی آبادی کے لیے صرف ذریعہ معاش ہی فراہم نہ ہوجائیگا بلکہ وہ کچا مال و اشیاء خوردنی بھیجیں گے۔ مال بھی خریدیں گے اور اس طرح ہماری دماغی محنت کی محرکہ قوتوں کے سرمایہ کو وسیع میدان ملجائیگا۔ جو آجکل جرمنی میں بیکار پڑا ہے یا غیروں کے اغراض کی خدمت کر رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جرمن تاجر۔ انجینیر اور ہر پیشہ کے لوگ دنیا بھر کے ممالک میں بھرے ہوئے ہیں اور خوشی سے اجنبی مالکوں کی خدمت میں صرف ہیں کیونکہ جرمن نوآبادیاں جنمیں اُن سے فائدہ سے کام لیا جاسکے موجود نہیں ہیں مگر آیندہ جرمنی کی اہمیت کا انحصار دو باتوں پر ہوگا اول یہ کہ کئے لاکھ آدمی دنیا میں جرمن زبان بولتے ہیں؟ دوم یہ کہ اُن میں سے کتنے سیاسی حیثیت سے جرمن سلطنت کے اعضا ہیں؟

یہ بھاری اور پیچیدہ فرائض ہیں جنکا بوجھ ہمارے قوم کی پوری گذشتہ ترقی کے زمانہ سے ہم پر پڑا ہے۔ انکا فیصلہ قوم کی موجودہ حالت سے مستقبل کو اُس کے ساتھ مدنظر رکھکر ہوگا۔ یہ بات نہایت صاف طور سے ملحوظ خاطر رہے کہ کسی قوم کو ایسی مشکلات و مخالفت سے سابقہ نہیں ہوا جیسی ہماری قوم کو یہ خاصکر ہمارا اپنا ہی قصور تھا کہ ہم پر سیاسی فاتح کا فتویٰ اُسوقت لگادیا گیا تھا جب کرہ ارض کی تقسیم کو عرصہ ہوگیا تھا اور بڑی یورپین سلطنتوں نے اپنی عمارت کھڑی کرلی تھی اور بڑھ کر دول عالم بھی ہوچکی تھیں۔ ہم بہت دیر کے بعد اُن دول کے دائرہ میں داخل ہوئے جن کے فیصلے کا سیاسیات میں اعتبار تھا جو کچھ اور قوموں کو صدیوں میں معمولی ترقی سے ہاتھ آیا تھا مثلاً سیاسی اتحاد نوآبادیانہ مقبوضات۔ بحری قوت۔ بین الاقوامی تجارت ہماری قوم کو ابھی تھوڑے عرصہ پہلے تک نصیب ہی نہیں ہوا تھا۔ اب جو کچھ ہم لینا چاہتے ہیں لڑکر لیا جائیگا اور مخالف اغراض و دول کی برتر قوت کے مقابلہ میں ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اور بھی زیادہ زور کے ساتھ یہ دیکھنا

ہمارا فرض ہے کہ کونسے راستے ہم اختیار کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے منازل مقصود کیا ہیں تاکہ ہم اپنی قوتوں کو غلط سمتوں میں تقسیم کردیں اور اپنی مطلوبہ ترقی کی سیدھی سڑک سے بلا قصد نہ ہٹ جائیں۔

ہماری سیاسی حالت کا اشکال ایک اعتبار سے مفید ہی۔ چونکہ ہم متواتر تکلیف کی حالت میں رہے ہیں ہم کم از کم ابتک کاہلی کے شکار نہیں ہوئے۔ جو طویل زمانہ امن اور دولت کے بڑھنے سے ہوتی ہی۔ ہر موقع پر تیار رہنے کے لئے ہمیں اپنے کل روحانی و مادّی قوتوں کی بازی لگانا پڑی ہی اور اس صورت سے ہم نے وہ وسائل دریافت کرلئے ہیں جو بڑا کام دینگے جب کبھی کہ ہمکو تلوار کھینچنا پڑے گی۔

باب پنجم

ہماری عالمگیر سلطنت یا ہمارا زوال

اُن فرائض کو زیر بحث لانے میں جو اہل جرمنی پر اُن کی تواریخ اور نیز اُن کی عام و خاص دماغی قابلیتوں سے عائد ہوتے ہیں۔ ہم نے اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یورپ کی دول عظمیٰ میں ہماری حیثیت کا استحکام اور پھیلاؤ، اور نو آبادیوں کی توسیع ہماری آیندہ ترقی کی بنیاد ہونا چاہیئے۔ جو سیاسی سوالات اس صورت سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا بین الاقوامی تعلقات سے قریب کا رشتہ ہے اور اُن پر خوب غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ناممکنات ہمارا مدعائے دلی نہ ہونا چاہیئے۔ بے سمجھے بوجھے پالسی ہمارے قومی خصائل اور ہمارے اعلیٰ مقاصد و فرائض کے خلاف ہے۔ مگر ممکنات کا ہم میں حوصلہ ہونا چاہیئے۔ چاہے جنگ کا خطرہ جھیلنا پڑے۔ اس پالسی کو ہم نے اپنا حق اور اپنا فرض سمجھا ہے۔ جس قدر زیادہ عرصہ تک ہم صورتِ معاملات کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے دیکھتے رہینگے، اُسی قدر ہمارے لئے اُس فاصلہ کا پورا کرنا دشوار ہوگا جو دیگر دول ہم سے آگے طے کر چکے ہیں۔

سمجھدار آدمی شروع وقت میں ہی کام کریگا۔ جو کچھ اُس کے قبضہ قدرت میں ہے اُس کی استقلال سے جاری رہے گا۔ نہ تو اپنی مہم سے جھجکیگا نہ اُس سے ہٹایا جائے گا۔ بلکہ کام کو ہاتھ میں لینے کے بعد کرتا رہیگا۔ کیونکہ اُس کا کرنا اُس کے واسطے لازم ہے۔

جس دائرے میں کہ ہم اپنے حوصلے پورے کر سکتے ہیں وہ اِن باتوں سے محیط ہے۔

دیگر دولہائے عالم کی مخالفانہ نیتیں - حالات موجودہ متعلق اراضیات - مسلح قوت جوان دونوں کی پشت و پناہی کے لئے ہے اب لامحالہ ہماری پالسی کا فیصلہ ان حالات کے لحاظ سے ہونا چاہئے - ہم کو صحیح طور پر بغیر کسی تعصب یا جھجک کے اُن حالات پر غور کرنا لازم ہے جو پلڑے کو اُٹھا یا جھکا دیں جب متعلقہ قومیں میزان مقابلہ میں تولی جائیں - ان حالات کا تعلق کچھ تو فوجی دائرے سے ہے مگر سلطنتوں کی سیاسی تقسیم سے، جہاں تک فریقوں کے فوجی وسائل کا اندازہ ہو سکتا ہے انکا تعلق خاص کر سیاسی دائرے سے ہے - ہم کو اس تقسیم کے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے اس زمانہ کی سیاسیات کے تغیر پذیر اغراض ہمارا معیار ہونا چاہئے - اُن میں اکثر موجودہ مصلحت بینی کے لحاظوں کا رنگ ہوتا ہے اور اس لئے وہ رائے قائم کرنے کے لئے مضبوط بنیادیں نہیں ہیں - بجائے اس کے ہم کو الگ الگ سلطنتوں کے سیاسی خیالات اور نیتیں دیکھنا چاہئیں - جن کی بنا فطرت پر ہے اور اس لئے یہ اپنی اہمیت کو ہمیشہ محسوس کراتی ہیں - پالسی کا دسیع دستور العمل ملک کے اغراض کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے - اگرچہ اغراض کے متعلق بوجہ کوتاہ نظری یا جھجک اکثر غلط فہمی ہو سکتی ہے اور اگرچہ پالسی بعض اوقات وہ ڈھنگ اختیار کرتی ہے جو دیرپا قومی فوائد کے نقطۂ خیال سے جائز نہیں معلوم ہوتا - پالسی ایسا ٹھیک سائنس نہیں ہے جو قانونِ ضرورت کا پیرو ہو بلکہ وہ انسانوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے جس پر وہ اپنی قوت یا کمزوری کی مُہر لگا دیتے ہیں اور اکثر اُس کو حقیقی قومی اغراض کے راستہ سے موڑ دیتے ہیں - یہ موڑ پس پشت ڈال دینے کے قابل نہیں ہیں - مدبر کو جب موقع ملے گا اِن نشیب و فرازات سے فائدہ اُٹھائے گا - مگر مطالعہ کرنیوالے کو جو معاملات پر تاریخی نقطۂ خیال سے غور کرتا ہے اپنی نگاہ اُن اغراض پر جمائے رہنا چاہئے جو دیرپا ہیں - لہذا ہم کو اس آخر الذکر اعتبار سے بین الاقوامی حالت کو جس حد تک کہ اُس کا تعلق جرمنی کی قوت اور بلند حوصلوں سے ہے صاف کر دینا چاہئے -

یورپ کے دول عظمیٰ دو بڑے حصوں میں منقسم ہیں -

ایک طرف جرمنی آسٹریا اور اٹلی نے دفاعی اتحاد قائم کیا ہے جس کا اصل مقصد مخاصمانہ حملہ

کی روک ہے۔ اس اتحاد میں دو پہلی سلطنتیں ٹھوس غالباً نہ ٹوٹنے والا مغز ہیں۔ اس لئے کہ باعتبار نوعیت واقعات اُن میں قریبی رشتہ ہے۔ جغرافیائی حالتیں اس نتیجہ کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ یہ ہر دو سلطنتیں مل کر ایڈریاٹک ( ) سے لیکر بحر شمالی و بالٹک ( ) تک اراضی کا ایک پیوستہ سلسلہ ہیں۔ اُن کے قریبی اتحاد کی وجہ تواریخی قومی و سیاسی حالات بھی ہیں۔ آسٹریا سیکڑوں میدانوں میں پرشیا ( ) و جرمنی سلطنت کے ساتھ شامل ہو کر شانہ بشانہ لڑا ہے۔ اہل جرمنی آسٹریا کے پشت و پناہ ہیں اور یہ ذریعہ اتحاد سلطنت کی مختلف اقوام کو باہمدگر قائم رکھے ہوتے ہے۔ جرمنی سے زیادہ سلافی قوم کے حملوں کی روک آسٹریا کا فرض ہے۔ کیونکہ متعدد سلافی نسلیں اس کی عملداری میں آباد ہیں۔ ان دونوں سلطنتوں کے اغراض میں جب سے جرمنی میں فضیلت کے مجادلہ کا فیصلہ ہوا ہے کوئی تصادم واقع نہیں ہوا۔ ایک کے بحری و تجارتی اغراض کا رخ جانب جنوب و جنوب مشرق ہے۔ دوسرے کے اغراض کا جانب شمال۔ ایک کی کمزوری کا مضر اثر دوسرے کی سیاسی تعلقات پر پڑیگا۔ جرمنی و آسٹریا کی جنگ سے دونوں سلطنتیں نہایت قوی دشمنوں کے پنجۂ غضب میں پھنس جائینگی۔ اُن کو اپنی سیاسی حیثیت قائم رکھنے کے لئے ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی ضرورت ہے۔ یہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ جو تعلقات اِن دونوں سلطنتوں کو متحد کئے ہوئے ہیں۔ وہ اُس وقت تک مستقل رہیں گے جبتک کہ اہل جرمنی اور میگ یار ( ) سلطنت ڈینیوب ( ) کی خاص قوتیں ہیں۔ بسمارک ( ) کی پالسی کا یہ اعلیٰ درجہ کا کام تھا کہ اس نے ۱۸۶۶ء کی جنگ میں بھی آسٹرو جرمن اغراض کو مدنظر رکھا اور مردانگی کے ساتھ صلح کر لی جس سے یہ اتحاد ممکن العمل ہوا۔ آسٹریا کی کمزوری یہ ہے کہ اس میں بہت سے قوی سلافی عناصر مخلوط ہو گئے ہیں۔ یہ عناصر جرمن رعایا کے خلاف ہیں اور ان میں بہت سے علامات سلافی قوم کی طرفداری کے پائے جاتے ہیں۔ مگر اس قوم نے ابھی اتنا زور نہیں پکڑا ہے کہ سلطنت کی سیاسی حالت پر اُس کا اثر پڑے۔ اپنے حقیقی اغراض کی رو سے

اٹلی کا بھی فرض ہے کہ اتحاد ثلاثہ میں شامل ہو۔ آسٹریا کی مخالفت جو اٹلی کی تواریخ میں داخل ہوگئی ہے اُس حالت میں کم ہو جائیگی جب اٹلی دیگر دوائر میں وسعت اور بڑھنے والی آبادی کے واسطے قدرتی راستہ کو محسوس کریگی۔ ان میں کوئی حالت ناممکن نہیں ہے اُس وقت (یعنی اٹالوی نژاد آسٹریائی صوبوں کے الحاق کی پرانی آرزو کی) سیاسی اہمیت جاتی رہیگی کیونکہ جو حیثیت اٹلی کی اُس کے جغرافیائی موقع و تواریخ ماضیہ سے ہے اور جس سے حاصل ہونے کی صورت میں اُس کے حقیقی اغراض کو ترقی ہوگی وہ حیثیت اُس کو آسٹریا کے ساتھ جنگ کرنے سے ہاتھ نہیں آسکتی۔ یہ حیثیت بحر روم کی خاص سیاسی و تجارتی قوت بننے میں ہے یہ قدرتی ورثہ ہے جس کا وہ دعوی کرسکتی ہے نہ تو جرمنی نہ آسٹریا اس دعوے میں اُس کی رقیب ہے۔ مگر فرانس نے شمالی افریقہ کے ساحل پر بالخصوص ٹیونس میں ( ) مستقل حیثیت قائم کر کے وہ ملک لے لیا ہے جو قدرتی طور پر اٹلی کی نوآبادی ہوتا، کیونکہ حقیقتاً اُس میں کثرت سے باشندگانِ اٹلی آباد ہیں۔ میری رائے میں سیاسی حیثیت سے ہمارے لئے ٹھیک ہوتا کہ اس الحاق کے خلاف ہم آواز بلند کرتے اور کارتھیج کا علاقہ اٹلی کے لئے رکھتے چاہے فرانس سے جنگ ہی کیوں نہ ہوتی۔ اس طور سے ہم بحر روم میں اٹلی کی قوت کو بہت زبردست کر دیتے جس سے مابین اٹلی و فرانس ایک جھگڑے کا سبب پیدا ہو جاتا جس میں اتحاد ثلاثہ کی عافیت تھی۔

اس اتحاد کی کمزوری اُس کی دفاعی نوعیت میں ہے۔ اُس سے مخاصمانہ حملہ کی کچھ روک ہوتی ہے۔ مگر اس میں واقعات کی ضروری رفتار کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے اور وہ اپنے کسی فریق کی پیروی اغراض میں امداد کی ضامن نہیں ہے۔ یہ حالت وقت پر مبنی ہے جو اپنے زمانہ میں ٹھیک تھا مگر سیاسی واقعات کی رفتار سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ پرنس بسمارک نے اپنے "خیالات و یادداشت" میں بتایا ہے کہ یہ اتحاد ہمیشہ ہماری آیندہ ضروریات کے موافق نہوگا۔ جب اٹلی نے دیکھا کہ اتحاد ثلاثہ سے اُس کی بحر روم کی پالسی کو مدد نہیں ملتی تو اُس نے انگلستان و فرانس سے امنی معاہدہ کر لیا۔ اور اتحاد ثلاثہ سے کنارہ کش ہوگیا۔ آج اس پالسی کے نتایج ظاہر ہیں۔ اٹلی نے علانیہ

انگلستان اور فرانس سے مشورہ کرکے اتحاد ثلاثہ کے اغراض کے خلاف طرابلس میں مطلوبہ نوآبادیانہ علاقہ فتح کرنے کے لئے ٹرکی پر حملہ کردیا۔ اس مہم سے قریب تھا کہ اٹلی و آسٹریا میں جنگ چھڑ جائے۔ آسٹریا چونکہ بلقانی جزیرہ نما میں سرتاج قوت ہے وہ کبھی اُن قطعات میں اٹلی کی مداخلت گوارا نہیں کرسکتی۔ اتحاد ثلاثہ کو جو بذات خود ایک قسم کی لیگ ہے سخت صدمہ پہنچا ہے آخر وجہ اس نتیجہ کی یہ ہے کہ متعلقہ فریق کی نظر تنگ کوتاہ اندیش پالسی سے اپنے ذاتی اغراض پر ہوتی ہے۔ اور ان کو دیگر ممبران لیگ کی اہم ضروریات کا پاس نہیں ہوتا۔ یہ اتحاد اپنی پہلی طاقت کو نہیں پاسکتا تاوقتیکہ متحدہ افواج کی حفاظت میں تینوں سلطنتیں ایک دوسرے کی سیاسی ضروریات کو پورا نہ کریں۔ لہذا ہم کو بلقان میں آسٹریا کی حیثیت بہتر کرنے کی اور بحر روم میں اٹلی کے اغراض کے قیام کی فکر کرنی چاہئے۔ صرف اسی صورت میں ہمارے سیاسی مساعی کو اتحادیوں سے مدد ملسکتی ہے۔ مگر چونکہ ٹرکی کو نقصان پہنچا کر جو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ہمارے اتحاد ثلاثہ کا ضروری ممبر ہے اٹلی کو زبردست بنانا ہمارے کل اغراض کے خلاف ہے۔ ہم کو گذشتہ غلطیوں کی تلافی کرنا لازم ہے اور آیندہ بڑی جنگ میں ٹیونس کو اٹلی کے لئے لینا چاہئے۔ صرف اُس صورت میں بسمارک کا بڑا خیال متعلق بہ اتحاد ثلاثہ اپنے حقیقی معنی ظاہر کریگا۔ مگر جبتک اتحاد ثلاثہ کے نتائج امتناعی رہیں گے اور اتحادیوں کو جدا جدا اپنے اپنے وسائل سے اپنے اہم اغراض اختیار کرنے کا مجاز ہوگا وہ بے ثمر رہے گا۔ سطحی طور پر اٹلی کے اغراض بحر روم سے ہم کو ایسا سروکار نہیں ہے۔ مگر اُس کی حقیقی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اتحاد ثلاثہ سے اٹلی کی کنارہ کشی یا انگریزی، فرانسوی، روسی معاہدہ میں شرکت ہمارے و آسٹریا کے خلاف ایک جنگ عظیم کی پیش خیمہ ہوگی۔ اس سے اٹلی کے دوامی اغراض کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اپنی سیاسی خودمختاری سے ہاتھ دھو بیٹھیگی اور اس کو فرانس کی ایک قسم کی ماتحت سلطنت ہوجانے کا خطرہ ہوگا۔ یہ صورت ناممکن الخیال نہیں ہے کیونکہ اٹلی کی اس پالسی کے جانچنے میں ہمیں اُس کے تعلقات

کو جو فرانس نیز انگلستان کے ساتھ ہیں نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔

انگلستان کے قبضہ میں جبل الطارق۔ مالٹا۔ قبرص۔ مصر و عدن جیسے زبردست بنیادی مقام ہیں۔ جن سے ہندوستان کا بحری راستہ محفوظ ہے۔ اور اس کی صیح غرض یہ ہے کہ بحر روم میں سے یہ بڑا راستہ اُس کے تحت تصرف میں رہے۔ انگریزی بحر روم کا بیڑہ بھی اسقدر زبردست ہے اور اٹلی کے ساحلوں کے لئے سخت خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ بالخصوص فرانسیسی بحر روم کے بیڑے کی شرکت میں بشرطیکہ اٹلی انگلستان و فرانس کے ساتھ جنگ میں اُلجھ جائے۔ لہذا بدیہی طور پر اٹلی ایسی جنگ سے بچنا چاہتا ہے تاوقتیکہ بحری قوت کا پلہ میزان نہ بدلے اس طور پر وہ دوہری سخت مشکل میں ہے۔ اتحاد ثلاثہ کا حلیف ہونے کی وجہ سے اُس کی حالت مجبور کرتی ہے کہ وہ اُس اتحاد کے مخالفین سے نامہ و پیام و سلام جاری رکھے کیونکہ اتحادیوں کی جانب سے اُس کی ترقی کی پالسی کو کوئی اطمینان وہ مدد نہیں پہونچی۔ اس میں ہمارا اپنا نفع ہے کہ اٹلی اور ٹرکی کو جہاں تک ہو سکے ملائے رکھیں۔

فرانس و روس نے وسطی یورپین اتحاد ثلاثہ کی مخالفت میں اتفاق کرلیا ہے۔ فرانس کی بدلہ لینے والی یورپین پالسی پر تاریکی چھاگئی ہے۔ اُس کی خاطر وہ نہایت تکلیف دہ قربانیاں کرتا ہے۔ اُس کی خاطر وہ انگلستان کی صد سالہ دشمنی اور فشوڈا کی ذلت بھول گیا ہے۔ اول وہ ۷۱-۱۸۷۰ع کی شکستوں کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ جنھوں نے اُس کے قومی تفاخر کو سخت مجروح کیا ہے۔ وہ جرمن پر فتحیاب ہو کر اپنا سیاسی اقتدار بڑھانے کا متمنی ہے اور بشرط امکان براعظم یورپ پر وہ سابقہ فضیلت دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے جس کو اُس نے عرصہ دراز تک احتشام کے ساتھ قائم رکھا تھا۔ بشرطیکہ قسمت یاوری کرے اُس کی تمنا ہے کہ السیس و لارین پھر فتح ہو جائیں مگر وہ اپنے میں اتنی قوت نہیں پاتا کہ جرمنی پر حملہ آور ہو سکے۔ باوجود اقرار ہائے امن اُس کی کل خارجی پالسی کا منشا سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ اس حملہ کے لئے اتحادی فراہم ہو جائیں۔ اُس کے روس کے اتحاد اور انگلستان کے ایتلاف میں بھی

یہی اسپرٹ بھری ہوئی ہے۔ انگلستان سے اُس کے موجودہ تعلقات کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرانسیسی پالسی کو بالوجہ یہ اُمید تھی کہ بمقابلہ روس کے انگلستان کی دشمنی سے جو اُس کو جرمنی کے ساتھ ہے زیادہ مدد ملیگی۔ فرانس کی نوآبادیانہ پالسی کا اصل منشا جرمنی پر مادی وبشرط امکان فوجی فضیلت حاصل کرنا ہے۔

ملکی افریقائی فوج کا انتظام، الجزائر میں جبریہ بھرتی کی تجویز اور مراکش کا سیاسی الحاق، ایسی باتیں ہیں، جس سے اُس کی نیت کا صاف پتہ چلتا ہے اور مندرجۂ بالا پالسی کی وسعت اور مقصد کے متعلق کوئی دھوکا نہیں ہوسکتا۔ چونکہ فرانس نے اپنی جنگی قوت قریب قریب جرمنی کی برابر کرلی ہے۔ چونکہ شمالی افریقائی سلطنت میں اُس قوت کے بہت زیادہ بڑھانے کا موقع اُس کو حاصل ہوگیا ہے۔ چونکہ اُس نے نوآبادیانہ پالسی میں جرمنی کو بالکل پیچھے چھوڑدیا ہے اور السیس ولارین کی فرانسیسی ہمدردیوں کو صرف قائم ہی نہیں رکھا، بلکہ اُن میں نئی روح پھونک دی ہے۔ اس لئے نتیجہ ظاہر ہے۔ فرانس مخالفِ جرمن پالسی کے راستوں سے رُخ نہ پھیرے گا۔ بلکہ ہمارے خلاف دشمنی کی آگ بھڑکاتا اور دنیا کے ہر گوشہ میں جرمن اغراض کے راستہ میں روڑے اٹکاتا رہے گا۔ جب اُس نے اہل اٹلی کے ساتھ یہ من سمجھوتہ کرلیا کہ اگر میں طرابلس پر تمہارا قبضہ ہونے دوں تو مجھے مراکش میں سیاہ وسفید کا اختیار دیدیا جائے تو اس سے اتحادِ ثلاثہ میں ایک شگاف ہوگیا جس سے اُس کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ بات بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ سچائی کے ساتھ اُن اقراروں پر ثابت قدم نہیں رہے گا جو اُس نے مراکش سے جرمن تجارتی اغراض کے متعلق کئے تھے۔ ان اغراض کی روک فرانسیسی مراکشی پالسی کی حقیقتاً ممتاز خصوصیت تھی، جو ہر طرح جرمن پالسی کی مخالف تھی۔

فرانسیسی پالسی اس قدر کامیاب رہی کہ آئندہ ہم گذشتہ سے زیادہ اب فرانس کی دشمنی پر بھروسہ کرینگے۔ یہ بات خارج از خیال ہے کہ فرانس وجرمنی میں اب کسی عہدنامہ

کی بات چیت ہوسکتی ہے جب تک کہ متنازعہ فیہ امر مابین ہر دو ایک بار پھر جنگ سے
فیصل نہ ہو جائے۔ ایسے عہدنامہ کا جواب جبکہ فرانس انگلستان کے ساتھ ہوگیا ہے۔
بہت کم امکان ہے کیونکہ انگلستان جرمنی کو دبانا اور فرانس کو اُبھارنا چاہتا ہے۔ مشرق
کی طرف رُخ پھیرنے سے ایک اور تصویر ہماری نظر کے سامنے آتی ہے۔ جہاں بھاری بھرکم
روسی سلطنت قدو قامت میں کل دیگر سلطنتوں سے اونچی کھڑی ہے۔ سلطنت زار منچوریا
کی شکست اور اُس انقلاب کی وجہ سے جو اس منحوس جنگ کے بعد ہی واقع ہوا بظاہر
واپسی کی پالیسی پر چل رہی ہے۔ مشرق بعید میں اُس نے جاپان سے من سمجھوتا کرنے کی
کوشش کی اور وسطی ایشیا میں انگلستان سے۔ بلقان میں اُس کی پالیسی کا مدعا حالت
موجودہ کا قیام ہے۔ اس وقت جرمنی سے نبرد آزما ہونے کا کوئی خیال اُس نے نہیں کیا
ہے۔ عہدنامہ پوسٹ ڈم ( ) کی اہمیت اس قابل نہیں کہ نظر انداز کردی
جائے۔ اس عہدنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روس کی جانب سے ہیں فی الحال کسی حملہ آورانہ پالیسی
کا اندیشہ نہونا چاہیے۔ کوکوزیو ( ) کی وزارت واپسی کی پالیسی کو
غالباً جاری رکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور اُس کے جاری رکھنے کی اُس کو زیادہ ضرورت
ہے کیونکہ اسٹولی پن ( ) کے قتل اور اُس کے واقعات متعلقہ نے بجلی
کی سی چمک سے اندرونی بدنظمی و انقلابی سازش کی ہولناک تصویر دکھادی۔ اس لئے یہ
اُمید نہیں کہ روس فرانس کی جانب داری میں مسلح مداخلت کی طرف رجوع ہو۔ روسی
فرانسیسی اتحاد علیحدہ نہیں ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ روس بوقت ضرورت
اپنا اقرار پورا کرے گا۔ مگر کشیدگی عارضی طور پر کم ہوگئی ہے اور روسی جرمن تعلقات
بہتر ہوگئے ہیں۔ اگرچہ اس سے جرمنی کو شمالی ایران میں مراعات سے خاصا نقصان
اُٹھانا پڑا۔

ظاہر ہے کہ روس کی یہ پالیسی جس پر اس وقت وہ عمل کررہا ہے محض عارضی

ہو سکتی ہے۔ اس زبردست سلطنت کے حوائج زور کے ساتھ بحری توسیع کے مقتضی ہیں خواہ مشرق بعید میں جہاں اس کو خالی از برف بندرگاہوں کے ملنے کی امید ہے۔ خواہ بحر روم کی سمت میں جہاں سینٹ سوفیا ( ) کے گنبد پر ہلال ابھی تک چمکتا ہے کامیاب جنگ کے بعد روس کو سیچولا ( ) کے دہانے پر قبضہ کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر مدت سے اس کا دانت ہے۔ اس صورت سے بالٹک ( ) میں اس کی حیثیت کو احساسی طور پر قوت ہو جائیگی۔

جزیرہ نمائے بلقان میں فضیلت بحر روم کے اندر آزادانہ داخلہ اور بالٹک پر مضبوط حیثیت یہ تین مقاصد ہیں جن کی طرف عرصہ دراز سے روس کی یورپین پالسی کا رُخ نظرتاً چلا آرہا ہے۔ نیز وہ اپنے آپ کو سلافی نسلوں کی خاص قوت سمجھتا ہے اور وسطی یورپ کے اندر اس عنصر کی امداد و توسیع اشاعت میں بہت سالوں سے مصروف ہے۔

جانب داری سلافیت کا خیال اب بھی خوب زور شور سے جاری ہے یہ پیشین گوئی کرنا مشکل ہے کہ روس کس قدر جلد گوشۂ عافیت سے نکل آئیگا اور بین الاقوامی پالسی کے قدرتی راستوں پر قدم رکھے گا۔ اس کے موجودہ سیاسی طرز کا انحصار بہت کچھ شاہنشاہ حال کی ذات پر ہے جس کا اعتقاد ہے کہ سلطنت طاقت و مضبوطی میں سلطنت جرمنی کے ہم پلہ ہو اور یہ زبردست سلطنت کے سایہ میں اندرونی ترقی کرے۔ قوم کی قوم انقلابی و اخلاقی مرضِ متعدی میں مبتلا ہے اور کسانوں کی جماعت میں سخت ابتری ہے۔ حتیٰ کہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کن عناصر سے وہ حیات بخش قوت خروج کر سکتی ہے جس سے صحیح حالت پھر عود کر آئے۔ حتیٰ کہ موجودہ گورنمنٹ کی اراضیانہ پالسی نے کوئی اچھے نتائج پیدا نہیں کئے ہیں اور اس وقت تک توقعات کو مایوس کیا ہے۔ اس لئے یہ امکان ہمیشہ سے چلا آتا ہے کہ معاملات اندرونی کے دباؤ سے خارجی پالسی روگرداں ہو جائے اور بیرونی کامیابیوں سے اندرونی مشکلات کے سر کرنے کی کوشش کی جائے۔ زمانہ اور واقعات

اس کا فیصلہ کرینگے کہ ان کامیابیوں کی تلاش مشرق بعید میں ہوگی یا مغرب میں۔ ایک جانب جاپان اور ممکن ہے چین سے مڈھ بھیڑ ہو۔ دوسری جانب جرمنی۔ آسٹریا اور ممکن ہے ٹرکی سے۔ اس میں شک نہیں کہ ان حالات کا فرانسوی روسی اتحاد پر ضرور فیصلہ کن اثر ہوگا۔ ان دو اتحادیوں کے اغراض یکساں نہیں ہیں۔ فرانس کے مقاصد تو حملہ آور جنگ سے محض جرمنی کا کچلنا ہے۔ مگر روس کے ذہن میں شروع ہی سے مدافعانہ تدابیر ہیں۔ اُس کی خواہش تھی کہ جنوب و مشرق میں جو سیاسی تدابیر میں نے اختیار کی ہیں اُن کے عملدرآمد میں دول وسطے یورپ مخل نہوں اور اُسی کے ساتھ یہ چاہتا تھا کہ بذریعہ اتحاد مفید شرائط پر فرانس سے قرضہ ملجائے جس کی اُس کو شدید ضرورت تھی۔ فی الحال روس کو جرمنی کے خلاف حملہ آورانہ جنگ کرنے یا ایسی جنگ میں شریک ہونیکے لئے کوئی ترغیب نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جرمن قوت کا ہر نیا اضافہ روسی اغراض کے خلاف چاق چوبند ہوکر کھڑا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اُنکا ساتھ دیگا۔ جو ہمارے سیاسی رستوں کو چیر کر جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

انگلستان حال میں فرانسوی روسی اتحاد میں شامل ہوا ہے۔ اُس نے ایشیا میں روس سے معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے ہر دو فریق کے دوائر اثر کے حدود قائم ہوگئے ہیں۔ اُس نے فرانس سے یہ معاہدہ صاف اس نیت سے کیا ہے کہ جرمنی کو ہر صورت سے دبائے اگر ضرورت ہو تو جنگ سے بھی دریغ نہ کرے۔

وسط ایشیا میں روسی و انگریزی اغراض کا حقیقی موجودہ تصادم ظاہر ہے کہ ایسے معاہدات سے بند نہیں ہوسکتا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ کوئی قدرتی اشتراک اغراض انگلستان و فرانس میں بھی نہیں ہے۔ ایک زبردست فرانسیسی بیڑا انگلستان کے لئے بھی اتنی ہی بڑی دھمکی ہوسکتی ہے جتنی کسی اور سلطنت کے واسطے۔ خیر سردست ہم انگریزی۔ فرانسیسی اتفاق پر بھروسہ کرسکتے ہیں۔ اس اتفاق پر جرمنی کی مشترکہ دشمنی کا انحصار رکھا گیا ہے

کوئی اور وجہ ان دونوں سلطنتوں کے میل کی نہیں معلوم ہوتی۔ کوئی اور قابل اعتبار بہانہ نہیں ہے جو اصلی مقاصد پر پردہ ڈال دے۔

سرسری نظر سے انگلستان کی یہ پالسی ذرا بعید الفہم ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جرمن تجارت و حرفت نے حال میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اور جرمن بیڑے کو قابل احترام قوت حاصل ہو گئی ہے حقیقت میں ہم آن تدابیر کے لئے روک ہیں جو انگلستان ایشیائی ٹرکی وسطی افریقہ میں اختیار کر رہا ہے۔ ضرور ہے کہ یہ بات انگریزوں کو تجارتی سیاسی اور فوجی پہلو سے ناگوار ہو۔ مگر دوسری طرف تجارتی سیاسیات کی عملداری میں امریکائی مقابلہ بہ مقابلہ جرمن سخت تر ہے۔ اس وقت امریکہ کی بحری قوت جرمنی سے زیادہ زبردست ہے اور وہ اب اس فضیلت کو قائم رکھے گی۔ حتیٰ کہ فرانسیسی بھی عنقریب مہیب بیڑا تعمیر کرنے والے ہیں۔ اور ان کی نوآبادیانہ سلطنت باعتبار اراضی ہماری سلطنت سے کہیں بہتر ہے۔ تاہم باوجود ان تمام باتوں کے انگریزوں کی دشمنی کا رُخ اصل میں ہماری ہی طرف ہے۔ اس شارعۂ خیال کو سمجھنے کی غرض سے جو انگریزی سیاست والوں کا دستور العمل ہے۔ انگریزی نقطۂ خیال کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں اس مسئلہ کا حل انگریزی اغراض کی مختلف شاخوں میں ملے گا جو دنیا کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ چونکہ انگلستان نے اپنے نقطۂ خیال سے ناقابل معافی غلطی کی کہ ریاست ہائے جنوبی کی جنگ امریکہ میں مدد نہیں کی۔ اس لئے انگلستان کی عالمگیر سلطنت کا ایک رقیب ممالک متحدہ شمالی امریکہ اٹیلانٹک (   ) کے اُس طرف پیدا ہو گیا ہے۔ یہ رقیب انگلستان کی دولت کے لئے بڑی دھمکی ہے۔ سخت سے سخت ممکن التصور مقابلہ اب ان ہر دو ممالک میں ہے۔ امریکہ کے الحاق فلیپائن و انگلستان کے معاہدۂ جاپان نے دونوں قوموں کے تخالف اغراض کو اور زیادہ سخت کر دیا ہے۔ امریکہ کی تجارت اور حرفتیں اب نہیں رُک سکتیں۔ امریکہ کے وسائل مالی بے پایاں اور ہمیشہ بڑھنے والے ہیں۔ اس لئے روس سے بحری جنگ کا خیال بوجہ فاصلہ اور غنیموں کی وسعت ساحل کے نہایت دشوار اور بڑے دل گردے کا کام ہے

بدیں وجہ انگلستان ہمیشہ امریکہ کے دعوؤں کو قبول کر لیتا ہے جیسا کہ حال میں نہر پاناما کی قلعہ بندی کے متعلق اُس نے کیا ہے۔ اس کی غرض صاف طور پر ممالک متحدہ کے تصادم سے بچنا ہے۔ کیونکہ انگلستان اس تصادم کے نتائج سے ڈرتا ہے۔ امریکہ کے تجارتی و حرفتی مقابلے اور اُس کی ترقی قوت بحری کو ناگزیر طور پر گوارا کیا جاتا ہے اور مشترکہ دوڑ ذہن نشین کی جاتی ہے۔ انگریزی نقطہ خیال سے اس معاہدہ کو اُس پیرایہ میں سمجھنا چاہیئے جس کی رو سے ان ممالک میں ثالثی عدالت قائم کی گئی تھی۔

انگلستان بہر حال امریکہ کے ساتھ نبرد آزمائی کے خطرہ کو دفع کرنا چاہتا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ صورت معاملات کے بڑھنے سے ان حریف سلطنتوں کا قدرتی تخالف اس قدر زور پکڑ جائے کہ انگلستان کو بزور شمشیر اپنی حیثیت کا احساس کرانا یا اپنی ملکی حکمت عملی کو زور سے جتانے کی غرض سے کم از کم اپنی یقینی بحری فضیلت کو قائم رکھنا پڑے جو تعلقات ان ہر دو ممالک کے کینڈا سے ہیں وہ بآسانی بڑھکر خطرناک حالت پر پہنچ سکتے ہیں اور معاہدہ ثالثی کی عارضی ناکامی اس بات پر زبردست روشنی ڈالتی ہے کہ اہل امریکہ کے خیال میں دونوں قوموں کے موجودہ سیاسی تعلقات مستقل نہیں ہیں۔

ایک اور خطرہ ہے جس سے انگلستان کو بہت قریبی تعلق ہے اور جو اس کی حیاتی روح کے لئے سیدھی سیدھی دھمکی ہے۔ یہ ہندوستان اور مصر کی قومی تحریک۔ اسلام کی بڑھنے والی قوت۔ بڑی نوآبادیوں میں خود مختاری کی شورش۔ اور جنوبی افریقہ میں جرمن عنصر کی زیادتی ہے۔ ٹرکی ہی ایک ایسی سلطنت ہے جو انگلستان کو مصر میں خشکی پر دھمکی دیسکتی ہے۔ اس نازک حالت نے مصر میں قومی تحریک کو وہ اہمیت دیدی ہے جو اُس کو اور صورت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان ہر تحریک سے جو اسلام کی تائید میں ہو ڈرتا ہے وہ ہر سیاسی سازش سے ٹرکی کی بڑھتی ہوئی قوت کی بیخ کنی کر رہا ہے اگرچہ ضابطہ میں ظاہر اُس کا مددگار ہے اور خلافت کے خلاف عرب میں ایک مذہبی مرکز قائم کرنے کی کوشش میں ہے۔

ہندوستان کی پالیسی میں بھی کچھ ایسے ہی خیالات ہیں۔ یہاں تقریباً سات کروڑ مسلمان انگریزوں کی حکومت میں رہتے ہیں۔ اس وقت تک انگلستان نے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے اصول کو مدنظر رکھکر مسلمانوں کو ہندوؤں سے بھڑا دینے کی کوشش کی ہے مگر چونکہ ہندوؤں میں انقلابی و قومی رجحان ظاہر ہونے لگا ہے یہ خطرہ سر پر ہے کہ اگر اسلام میں پوری بیداری ہوگئی تو وہ بنگال کے انقلابی عناصر سے مل جائے گا۔ ان عناصر کے ملنے سے بڑا سخت خطرہ پیدا ہو جائے گا جس سے انگلستان کے اعلیٰ عالمی اقتدار کی چولیں تک ہل جائینگی۔

ان اندرونی و بیرونی خطروں کی وجہ سے جو کم از کم آیندہ کے واسطے ہیں بہ مقابلہ سابق انگریزی شاہی حکومت کو وسیع سلطنت کے پیوستہ کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی ہے خواہ باغراض تجارت خواہ دفاع۔ مسٹر چیمبرلین نے برٹش امپیریل کسٹم یونین کے خیال کو چھوڑ دیا ہے امپیریل کانفرنس منعقدہ ۱۹۱۱ء میں اس کی طرف پھر خیال کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ایک بعید المرکز پالیسی کو غلبہ رہا جب شاہی دفاع کا سوال پیش ہوا تو وہ پالیسی مسترد کردی گئی جس کا منشا یہ تھا کہ ہر ممکن التصور حالت میں بحری علاقہ جات کی امداد پر برطانیہ عظمیٰ کو بھروسہ ہونا چاہیے"۔ خود اختیاری نو آبادیاں اتحادی ہیں جو ضرورت کے وقت انگلستان کا ساتھ دینگی۔ "مگر اس استثنا کے ساتھ اتحادی ہیں کہ ایسے اغراض کے لئے ان سے کام نہ لیا جائے جو سمجھ میں نہ آسکیں یا پسندیدہ نہوں"۔ صاف علامات اس بات کے موجود ہیں کہ علاقہ جات کی پالیسی انگلستان سے علحدہ ہونے کا خیال رکھتی ہے اگرچہ ابھی کوئی ایسی تجویز نہیں ہے جیسا باب چہارم میں بیان ہوا ہے۔ کینیڈا۔ جنوبی افریقہ و آسٹریلیا بڑھکر خود مختار قومیں و سلطنتیں ہو رہی ہیں اور جب وقت آئے گا خود مختاری کی مدعی ہونگی یہ تمام باتیں سلطنتِ انگلستان کے استحکام کے لئے بڑی اندیشہ ناک ہیں اور ان خطرات کا انگلستان کے اس خیال پر جو جرمنی کی طرف سے ہے بڑا اثر ہے۔

ہندوستان میں تقریباً سات کروڑ مسلمان انگریزوں کی ... ہندو اور مسلمان ... [illegible]

تباہی و تجارتی حوصلوں میں چاہے انگلستان کو شمالی امریکہ کی رقابت گوارا کرنی پڑے مگر جرمنی کے مقابلۂ تجارت کو نہ اُبھرنے دیا جائے۔ اگر انگلستان امریکہ سے جنگ کرنے پر مجبور ہو جائے تو جرمن بیڑا اس قابل نہ ہو کہ امریکہ والوں کی مدد کرسکے لہذا اُس کو تباہ کردینا چاہیے۔

اسی طرح کا سلسلۂ خیال ایک عظیم الشان انگریزی نوآبادیانہ جنگ سے پیدا ہوتا ہے جس سے انگلستان کے بڑے دنیا کے بعید حصص میں مصروف کارزار ہونگے۔ انگلستان جرمنوں کی ضروریات اور اُن کے پھیلنے کی صلاحیتوں سے واقف ہے اور اُس کا خوف حق بجانب ہے کہ جرمن سلطنت زبردست بیڑے کی مدد سے اُس علاقہ کی توسیع چاہے گی جس کے دینے میں انگلستان بخل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگلستان فرانس کے توسیعی منصوبوں کی طرف سے لاپرواہ ہے۔ فرانس کی آبادی میں چونکہ اضافہ کم ہوتا ہے اس لئے اُس میں پھیلاؤ کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے بہ حیثیت قوم اب انگلستان کو اُس سے خطرہ نہیں ہے اور فرانس جلد انگلستان کی خواہش سلطنت کا شکار ہو جائے گا بشرطیکہ جرمنی فتح ہو جائے۔

اُن خطرات کے دور کرنے کی خواہش میں جو جرمنی کی طرف سے لگے ہوئے ہیں اور زیادہ واقعیت پیدا ہو جاتی ہے جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جغرافیائی حالات کے اعتبار سے جرمنی کی بحری تجارت بغیر کسی بڑی کوششوں کے بیکار کی جاسکتی ہے۔ جرمن بیڑا انگریزی بحری فوج کے مقابلہ میں نسبتاً کمزور ہے اور اس لئے یہ گمان ہے کہ آخرالذکر کو آسانی سے فتح حاصل ہو جائیگی بالخصوص جب فرانسیسی بیڑا اُس کے ساتھ ہوگا۔ لہذا ایک رقیب کے جلد اور پورے طور سے قلع قمع کردینے کا امکان تاکہ کل دیگر اتفاقات کے لئے ہاتھ کُھل جائیں بہت قریب نظر آرہا ہے۔ اور سالہا سال کے لئے انگلستان کی بحری قوت کا استحکام۔ جرمن تجارت کی تباہی اور افریقہ و شمالی ایشیا میں جرمن اغراض کی اہمیت کی روک کے واسطے عملی ذریعہ ہے۔

جرمنی کے ساتھ مخاصمت اور باتوں میں بھی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ انگلستان کا ہمیشہ

یہ منشا رہا ہے کہ یورپین اقوام میں قوت کا ایک خاص توازن قائم رہے اور وہ ان میں جس کو چاہے فضیلتِ مخصوص حاصل کرنے سے باز رکھے۔ وراں حالیکہ ان سلطنتوں نے ایک دوسرے کو بیکار کیا اور دنیا میں مستعدی کے ساتھ کام کرنے سے باز رکھا۔ انگلستان کو بلا روک ٹوک اپنے مقاصد پورا کرنے اور موجودہ سلطنت عالم کی بنیاد ڈالنے کا موقع ملا اُس کی یہ پالسی اب بھی جاری ہے کیونکہ جبتک دولِ یورپ ایک دوسرے کے لئے روک رہیں گے اُس وقت تک اُس کی فضیلت میں کسی کو کچھ حجت نہ ہوگی۔ اس لئے لامحالہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ انگلستان کا منشا جرمنی کو کمزور اور فرانس کو قوی کرنا ہے۔ کیونکہ اس وقت جرمنی ہی ایک ایسی یورپین سلطنت ہے جس کی طرف سے ایک عظیم الشان حیثیت حاصل کرنے کا اندیشہ ہے۔ مگر فرانس اُس کا پیدائشی رقیب ہے۔ اور وہ اپنے مشرقی پڑوسی جرمنی کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا تاوقتیکہ اپنی افواج میں اضافہ نہ کرے اور اپنے اتحادیوں سے مدد نہ لے۔ گویا جرمنی کے ساتھ مخاصمت اس پہلو سے بھی انگلستان کے نہایت اہم اغراض پر مبنی ہے اور اس کو ہمیں اصول موضوعہ سمجھنا چاہئے جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

یہ دلیل اکثر پیش کی جاتی ہے کہ اگر انگلستان نے جرمنی سے جنگ کی تو اُس کو نقصان ہوگا کیونکہ جرمن بازار اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ جہاں اُس کا تجارتی مال سب سے زیادہ فروخت ہوتا ہے اور بہت سی جرمن برآمدی تجارت سے اُس کو ہاتھ دھونا پڑے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ انگریزی نقطہ خیال سے یہ باتیں جنگ کے لئے ایک اور ترغیب ہوں۔ انگلستان کو بجائے ازدست رفتہ جرمن بازار کے بہت سے وہ بازار ملجائینگے جن میں جنگ سے قبل جرمنی کا مال جاتا تھا اور جرمن برآمدگی کی بندش انگریزی حرفتوں کے لئے بڑی تحریک اور ایک حد تک مفید ہوگی۔

بہرحال اس بحث کے انگریزی پہلو سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انگریزی گورنمنٹ جرمنی کی بڑھنے والی قوت کو روکنے کے لئے ہر قسم کا زور لگاتی ہے اور انگریزی قوم کے وسیع حلقوں میں یہ پُرجوش خواہش پھیلی ہوئی ہے کہ جو جرمن بیڑہ تیار ہو رہا ہے اُس کو تباہ کر دیا جائے اور

اس قابلِ اعتراض پڑوسی پر حملہ آوری کی جائے۔

مگر ممکن ہے کہ انگریزی پالسی اور ہی پہلو اختیار کرے اور بجائے جنگ جرمنی سے من سمجھوتا کرے۔ ہمارے لئے یہ نہایت خوش گوار طریقہ ہوگا۔ ایک اتحادِ ثلاثہ کی تجویز جس کے ستر کا جرمن انگلستان اور امریکہ ہوں پیش کی گئی ہے مگر جرمنی کے ساتھ اتحاد کے لئے انگلستان نے جرمنی ترقی کو پہلو بہ پہلو آزادی کے ساتھ موقع دینے۔ ہماری نوآبادیانہ قوت میں توسیع کرنے اور ہماری تجارتی و حرفتی مقابلہ میں روڑا نہ اٹکانے کا ارادہ کرلیا ہوگا۔ لہٰذا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اپنی قدیم پالسی کو چھوڑدیا۔ اس صورت میں اُس کو دنیا کی دول عظمیٰ کی بالکل نئی تقسیم کا خیال کرنا چاہیئے۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ انگریزوں کی نخوت اور ذاتی فائدہ اس کو قبول کرے۔ گورنمنٹ کے سکوتی منشا سے جرمنی کے خلاف متواتر شورش جس کو بہت سے اخبار والوں نے ہی نہیں بلکہ ملک کے ایک زبردست فرقہ نے قائم رکھا ہے۔ انگریزی مدبرین کی حال کی تقریریں۔ بحرِ شمالی میں جنگی تیاریاں اور تعمیر جہازات کی پرجوش تیز رفتاری۔ کیا یہ یقینی علامات اس بات کی نہیں ہیں کہ انگلستان کی نیت جرمن پالسی کے خلاف اڑے رہنے کی ہے؟ حال ہی میں مراکش کے معاملہ میں انگلستان نے اپنی سخت دشمنی اور نیز اس بات کا اظہار کھلم کھلا کردیا کہ وہ قوتِ جرمنی کی ہر توسیع کو روکنا چاہتا ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا پر اپنی اسٹیپ کی مہر لگانے کی قابلیت رکھتے ہیں وہ بغیر جنگ سرداری نہیں چھوڑتے جب بزعم خود فتح ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

بہمہ وجوہ انگلستان کے ساتھ کوئی تصفیہ بغیر جنگ ایک چھلاوا ہے جس کے پیچھے جانے کی تکلیف کوئی متین جرمن مدبر گوارا نہ کرے گا۔ ہم کو انگلستان کے ساتھ جنگ کا امکان ہمیشہ پیش نظر رکھنا لازم ہے۔ اور اسی اعتبار سے اپنے سیاسی و فوجی منصوبے قائم کرنا چاہئیں انگریزی مدبرین و سیاسی انشاپردازوں کے امنی اقوال پر کچھ اعتبار نہ کیا جاوے۔ ان اقوال کی محرک وقت کی سخت ضرورتیں ہوتی ہیں اور یہ اقوال معاملات کی اصل بنا کو نہیں بدل سکتے۔ جب اتحادی فرقہ آزادوں کے فرقے کو ہٹادے تو ہم سمجھ لیں گے کہ سلطنت انگلستان نہایت نیک

کے ساتھ قوت کا احساس کرانے والی ہے۔

اس کے مقابلہ میں امریکہ جس کو انگریزی پالسی میں قطعی دخل ہے غیر محدود امکانات کی سرزمین ہے۔ ایک طرف تو وہ مانرو اصول پر جما ہوا ہے اور دوسری طرف ایشیا اور افریقہ کی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے ہے تاکہ اُس کے بیڑوں کے لئے مرکزی مقامات ملیں۔ ممالک متحدہ کا مقصد بر اعظم امریکہ کی تجارتی فضیلت ہے اور جہاں کہیں ممکن ہو سیاسی بھی۔ اور بحر پے سیفک میں جہازی اقتدار، اُن کے تجارتی و سیاسی اغراض دونوں باوجود معاہداتِ تجارتی و دیگر جاپان و انگلستان کے اغراض سے خوب ٹکراتے ہیں۔ کوئی ثالثی معاہدات اس کو نہیں بدل سکتے۔ جرمنی کے لئے حال میں کوئی ایسی مخالفت دونوں قوموں کی حوصلہ مند خواہشات سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ سیاسیات کے حلقے میں تو یقینی نہیں ہوئی۔ جہانتک خیال ہے اگر جرمنی کے ساتھ کوئی معاہدہ ہوگا تو اس سے امریکہ کے اغراض کو نفع پہنچے گا۔ اس کی اُمید نہیں کہ اہل امریکہ انگلستان کی قوت میں اب کوئی اور بڑا اضافہ لپسند کرینگے۔ لیکن اگر برطانیہ عظمی نے جرمنی کو سیاسی و فوجی شکست دیدی تو ایسا ہونا قرینِ قیاس ہے۔

کچھ عرصہ تک یہ خیال رہا کہ ثالثی عدالتوں کے متعلق انگلستان و امریکہ میں جو قول و قرار ہوئے ہیں اُن کا انجام یہ ہوگا کہ جرمنی کے خلاف اتحاد ہو جائے۔ بہرحال ممالک متحدہ امریکہ میں ہمارے خلاف بڑا اور دردور جوش پھیلایا گیا ہے۔ جرمن و آئرش نسل کے امریکایوں نے اس جوش کی مخالفت کی۔ مگر ممالک متحدہ میں مخالف جرمن تحریک عارضی چیز تھی کیونکہ وہ حقیقت حال پر مبنی نہ تھی۔ میدان تجارت میں بلاشک دونوں ملکوں میں سخت مقابلہ ہے بالخصوص جنوبی امریکہ میں۔ مگر اس سے سیاسی پیچیدگیوں کا اندیشہ نہیں ہے۔

جاپان کچھ عرصہ سے ہمارے لئے سیاسی دلچسپی کا باعث ہوگیا ہے صرف اس وجہ سے کہ روس، امریکہ، انگلستان و چین کے معاملات پر اُس کا اثر ہے۔ مشرق بعید میں چونکہ جاپان نے انگلستان سے اتحاد کرلیا ہے اور معلوم ہوتا ہے۔ حال میں روس سے بھی کچھ

قول و قرار ہو گیا ہے اس لئے ہم کو جاپان کی دشمنی پر بمقابلہ دوستی کے زیادہ بھروسہ ہے چین
کی بابت جو اس کا خیال ہے وہ ہمارے مشرقی ایشیائی نوآبادیانہ مقبوضات کے لئے نہایت
ہی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر یہ دونوں قومیں ملگئیں جس کی فی الحال توقع نہیں تو ہمارے
لئے اُن کے درمیان خود مختارانہ حیثیت قائم رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے ان زرد نسل
کی دو قوموں میں سیاسی رقابت زندہ رکھنی چاہئے۔ اگر اُن میں مخالفت رہیگی تو غالباً وہ
یورپ سے ایک دوسرے کے خلاف امداد کی طالب ہونگی اور اس طرح سے دول یورپ کا ایشیا
میں دست تصرف قائم رہے گا۔

دراں حالیکہ مشرق بعید کی حوصلہ مند دول عظمیٰ کا فی الحال ہماری پالسی پر براہ راست
کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ ٹرکی جو مشرق قریب کی سربر آوردہ سلطنت ہے ہمارے لئے اعلیٰ
اہمیت رکھتی ہے۔ وہ ہماری قدرتی اتحادی ہے اُس سے ملے رہنے میں ہمارا بڑا فائدہ ہے
ہم بڑی عقلمندی کرتے اگر اور پہلے سے اُس کو اتحاد ثلاثہ کا شریک بنالیتے اور اس صورت سے
جنگ اٹلی و ٹرکی کو جس سے اندیشہ ہے کہ ہماری کل سیاسی موجودہ حالت بدل جائیگی اور
جس میں ہمارا نقصان ہے روک دیتے۔ ٹرکی کو دو طرح پر فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ روس اور
انگلستان کے مقابلہ میں اپنی حالت کی طرف سے اطمینان کرے۔ اور یہ وہ دو سلطنتیں ہیں جن کی
دشمنی سے ہمیں سروکار ہے۔ نیز صرف ٹرکی ہی ایسی سلطنت ہے جو انگلستان کو مصر میں دھمکا سکتی
اور اس طرح پر ہندوستان کے قریبی بحری راستوں و بری خبر رسانی کے سلسلوں کے لئے
باعث خوف ہو سکتی ہے۔ انگلستان یا روس کے ساتھ جنگ کے موقع کے واسطے اس ملک کو
اتحادی بنانے کے لئے ہمیں کوئی قربانیاں اُٹھا نہ رکھنی چاہییں۔ ٹرکی کے اغراض ہمارے
اغراض ہیں۔ نیز اس میں اٹلی کا بھی ذاتی فائدہ ہے کہ باسفورس و دردانیال پر ٹرکی کی اعلیٰ
حیثیت قائم رہے۔ یہ مفید کنجی یعنی دردانیال غیروں کے پاس نہ جائے اور روس یا انگلستان
کے قبضہ میں نہ ہو۔

اگر روس کو بحر روم میں باریابی ہوگئی۔ جس کی اُس کو عرصہ سے تمنا ہے تو بحر کے مشرقی حصہ میں وہ نمایاں قوت ہوجائے گا اور ان سمندروں میں اٹلی کے منصوبوں کو بڑا نقصان پہنچے گا چونکہ انگریزوں کے اغراض کے لئے بھی یہ ترقی مضر ہوگی۔ لہذا انگریزی بحر روم کے بیڑے کو مضبوط کرنا پڑے گا۔ جبتک روس و ٹرکی کی مخالفت کے لئے میدان کھلا رہے گا۔ انگلستان و فرانس و روس کی وجہ سے اٹلی کے لئے خود مختارانہ یا اعلیٰ حیثیت حاصل کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ اس پہلو کو مدنظر رکھکر مناسب ہے ٹرکی اٹالوی جھگڑا ختم کردیا جائے اور فرانس کو نقصان پہنچاکر دوسری جنگ کے بعد اٹلی کی جائز خواہشوں کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔

باقی دو لہاے یورپ میں ہسپانیا کو خود مختارانہ اہمیت حاصل ہے۔ اُس نے مسئلہ مراکش کی پالسی سے فرانس کے ساتھ کچھ مخالفت کرلی ہے اور ممکن ہے کہ انجام کار وہ جرمن پالسی میں شریک ہوجائے۔ برخلاف ازیں چھوٹی چھوٹی سلطنتیں کوئی مرکز ثقل نہیں ہیں مگر ممکن ہے کہ جنگ کی حالت میں کوئی اہمیت اُن میں آجائے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستہاے بلقان آسٹریا و ٹرکی کے لئے اور ڈینمارک، ہالینڈ، بلجیم و سوئٹزرلینڈ اور آخرکار سوئیڈن بھی جرمنی کے لئے اہم ہوسکتی ہیں۔

سوئٹزرلینڈ اور بلجیم غیر جانبدار شمار کئے جاتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کی غیر جانبداری کا اعلان وائنا کانگرس میں ۱۵ ار نومبر ۱۸۱۵ء کو دول کی طرف سے کیا گیا تھا۔ جنھوں نے اعلان پر دستخط کئے تھے۔ اور بلجیم کی غیر جانبداری کا ۱۵ ار نومبر ۱۸۳۱ء و ۱۹ ار اپریل ۱۸۳۹ء کو پانچ دول عظمیٰ۔ ڈنمارک، ہالینڈ اور خود جرمنی کی طرف سے اعلان ہوا تھا۔

ان حالات سے بہ حیثیت مجموعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بر اعظم یورپ میں وسطی یورپین اتحاد ثلاثہ کی قوت اور مخالف اتحادی سلطنتوں کی قوت کا پلہ برابر ہے۔ بشرطیکہ اٹلی اتحاد ثلاثہ کی طرف ہے۔ اگر ہم کسی ایسی بھاری چیز کا تصور کریں جس کا وزن صرف قیاسی ہو تو پلہ ذرا اتحاد ثلاثہ کی طرف جھکا ہوا ہے۔ برخلاف ازیں اس میں شک نہیں کہ انگلستان سمندر کا حاکم

ہے۔ بوجہ غالب عظمتِ بحری۔ اتحاد فرانس وحالات جغرافیائی وہ جرمنی کو بحری تجارت کے انقطاع سے سخت ترین نقصان پہنچا سکتا ہے۔ براعظم کی جنگ کے لئے اُس کے پاس بڑی بڑی فوج بھی ہے۔ اِن سب باتوں پر لحاظ کرکے ہمارے دشمنوں کو بڑا غلبہ حاصل ہے۔ اگر فرانس نے بڑی نوآبادیانہ بھرتی اور زبردست بری انگریزی فوج سے اپنی افواج کو قوی کرلیا تو اِس فضیلت کا خشکی پر بھی احساس کرایا جائے گا۔ اگر اٹلی اتحاد ثلاثہ سے واقعاً علٰحدہ ہوگیا تو جرمنی اور آسٹریا کے خلاف امتیاز کے ساتھ برتر فوجیں متحد ہوجائینگی۔

اِن صورتوں میں جرمنی کی حالت غیر معمولی مشکلوں میں ہے۔ ہم کو قوم کی پوری مادی ترقی کے لئے اُس کی دماغی اہمیت کے مناسب حال نہ صرف وسیع سیاسی بنیاد کی ضرورت ہے۔ بلکہ جیسا کہ پہلے باب میں بیان ہوا ہے ہم اپنی بڑھنے والی آبادی کے لئے جگہ اور ترقی پذیر حرفتوں کے بازار فراہم کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر ہر قدم پر جو ادہر اُٹھایا جاتا ہے انگلستان ہماری مخالفت پر تلا کھڑا ہے۔ انگریزی پالیسی نے ممکن ہے کہ قطعی فیصلہ ابتک ہم پر حملہ کرنے کا نہ کیا ہو۔ مگر بلاشبہ وہ ہر ممکن الوجود ذریعے سے حتی کہ انتہائی۔ وہ جرمن بین الاقوامی اثر اور جرمن بحری قوت کی آیندہ ترقی کو روکنا چاہتا ہے۔ انگلستان کے مسلمہ سیاسی مقاصد اور گورنمنٹ انگلستان کے طرز خیال سے اس بارہ میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ہم انگلستان کے ساتھ جنگ میں مبتلا ہوگئے تو ہمیں یقین کامل ہے کہ فرانس ہمارے بازو پر حملہ کرنے کے موقعے کو ہاتھ سے نہ دیگا۔ انگریزی فرانسیسی بحر روم کے بیڑے کے حملوں کے دفاع کے لئے ساحل کے تحفظ میں اٹلی کو جس کا وسیع ساحل ہے۔ بشرطِ شرکت اتحاد ثلاثہ بری فوج رکھنا پڑیگی۔ اور اس طرح پر ایسی صورت میں بھی فرانس کے مقابلہ میں اُس کی فوج کمزور رہوگی۔ آسٹریا کو روس مغلوب کرے گا۔ روس کے مقابلہ کے لئے ہمیں مشرق میں فوج چھوڑنا پڑیگی گویا عملاً ہم کو انگلستان اور فرانس کے مقابلہ میں فوج کے ایک حصے سے تنہا لڑنا پڑے گا۔ شاید تھوڑی مدد اٹلی سے مل جائے۔ جب سے کل آزادی عمل ہم سے لیلی گئی اور کل ترقی کا سدِ باب کردیا

گیا ہے۔ ہماری سیاسی حالت کے سنگین خطرہ کی وجہ یہ دوہری بحری و بری دھمکی ہے۔

چونکہ یہ جنگ جیسا بین الاقوامی مسئلہ کی پوری جانچ سے معلوم ہوتا ہے ضروری ولابدہے ہم کو لڑنا چاہیئے چاہے جو کچھ بھی ہو۔ درحقیقت ہم اب بھی اس میں کھچی ہوئی تلواروں سے نہ سہی مگر امنی ذرائع سے مصروف ہیں۔ ایک طرف تو یہ جنگ بذریعہ تجارتی حرفتی و جنگی تیاریوں کے جاری ہے۔ اور دوسری طرف بذریعہ ملکی حکمت عملی کے۔ جس سے سلطنتیں ہر خطہ میں جہاں ان کے اغراض میں تخالف ہے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔

حکمت عملی سے ہم اتبک امن قایم رکھ سکے ہیں اگرچہ اس میں قوت و اقتدار کو کثیر نقصان پہنچا ہے۔ اس ظاہر امنی حالت سے ہمیں دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ ایک مخفی مگر ہیبت ناک نازک موقع ہمارے مقابلہ میں ہے۔ ایسا نازک موقع جو جرمن قوم کی تاریخ میں اہم ترین ہے۔

ہم پہلی جنگہاے عظیم میں اپنے قومی اتفاق اور دول یورپ کے اندر اپنی حیثیت کے لئے بڑھے ہیں۔ اب ہم کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آیا بڑھکر ہم سلطنتِ عالم ہوجائیں اور اُس کو قایم رکھیں اور جرمن اسپٹ و جرمن خیالات کے لئے وہ اغراض حاصل کریں جن سے اتبک اُن کو محروم رکھا گیا ہے۔

کیا ہم میں اتنی دلی قوت ہے کہ اس منزل مقصود کا حوصلہ کریں؟ کیا ہم اُن قربانیوں کے لئے تیار ہیں جو ایسی کوشش کے لئے یقیناً کرنا پڑینگی؟ یا کیا ہم دشمن کی فوج سے پیچھے ہٹنے کے لئے راضی ہیں اور اپنے تجارتی سیاسی و قومی اہمیت میں آہستہ آہستہ گرنے کے لئے تیار ہیں؟ ہمارے فیصلہ میں یہ باتیں ہیں۔

آجکل جو سوال ہم سے کیا جاتا ہے یہ ہے "ہونا یا نہونا"، مگر یہ سوال اغراض مخالف دولتوں کی ظاہری مساوات حکمت عملی کی فریب دہ ترکیبوں اور کل سلطنتوں کی رسمی امنی حوصلوں سے چھپا ہوا ہے۔ مگر از روے منطق تواریخ بیرحمی کے ساتھ جواب کا طلب گار ہے اگر ہم صاف نظر سے علاقہ حقائق کو اس زمانہ کے تنگ افق اور معاملات کی محض سطح کے اُس پار دیکھیں۔

دنیا کی تواریخ میں ایک حالت پر رہ جانا کوئی چیز نہیں ہے۔ ہر چیز میں نمود و ترقی ہے۔ معاملات کو حالتِ موجودہ میں رکھنا ناممکنات سے ہے۔ حکمت عملی نے اس کی اکثر کوشش کی ہے۔ کوئی حقیقی مدبر سنجیدگی سے ایسے امکان پر بھروسہ نہ کرے گا۔ وہ حالاتِ موجودہ کے بیرونی و عارضی قیام کو صرف اُس وقت فرضیت میں داخل کرے گا جب مہلت لینا اور دشمن کو فریب دینا مقصود یا جب واقعات کی رفتار پر نظر نہ جا سکے تو ان حکمت عملی کی ذرائع سے ذلیل اوزاروں کا کام لیگا۔ اصل میں اُس کو متواتر ترقی کے اصلی محرکانہ زوروں اور قوتوں پر صرف بھروسا ہوگا۔

یہ بات صاف سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے لئے ایک حالت پر قائم رہنا یا قانع ہونا سوائے ترقی یا مراجعت کے ممکن نہیں ہے۔ اور یورپ کی قوموں میں موجودہ حالت پر قناعت کرنا مراجعت کے برابر ہے۔ دراں حالیکہ ہمارے کل رقیب اپنی قوت کی توسیع کے لئے ہمارے حقوق تک پامال کر کے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ۔ جبتک امنی ہتھیاروں سے ہمارے خلاف جنگ جاری رہیگی ہمارے تنزل کا عمل بتدریج شروع ہوگا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھے گا۔ موجودہ نسل شاید چین و آرام سے زندہ رہیگی۔ لیکن اگر ناموافق حالتوں میں قوی تر دشمن کی طرف سے ہمارے اوپر جنگ آ پڑی یا ہمارے ہتھیاروں کو بدنصیبی کا سامنا ہوا تو ہمارے سیاسی تنزل میں دیر نہ لگے گی۔ اور ہم جلد تحت الثریٰ میں پہونچ جائینگے۔ جرمن نسل کا مستقبل فنا ہو جائے گا۔ خود مختارانہ جرمن تہذیب زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہیگی۔ اور وہ برکات جن کے لئے جرمن خون کے چشمے بہائے گئے ہیں یعنی روحانی و اخلاقی آزادی اور جرمن خیال کے دقیق و بلند حوصلے قرنوں کے لئے نوع انسان سے خیرباد کہہ جائینگے۔

اگر ہم ایسی مصیبت کی ذمہ داری لینا نہیں چاہتے اور یہ ٹھیک ہے تو ہم میں اتنی جرأت ہونا چاہئے کہ ہر ذریعہ سے اضافۂ قوت کے لئے جدوجہد کریں جس کے مانگنے کا ہم کو حق حاصل ہے چاہے اپنے سے زیادہ تعداد میں دشمنوں سے جنگ کرنا پڑے۔ موجودہ حالتوں میں یورپ کے اندر علاقہ حاصل کر کے اس کی ہمت کرنا خارج از بحث ہے۔ مشرق کا وہ قطعہ جس میں جرمن تارک الوطن

بنائے گئے تھے۔ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور اب روس سے بذریعہ طویل و فیروزمند جنگ کے
واپس مل سکتا ہے اور اُس حالت میں وہ تازہ جنگوں کے لئے دائمی ذریعۂ اشتعال ہوجائیگا
اسی طرح سابق جنوبی پرشیا کا دوبارہ الحاق جو پولینڈ کی تقسیم ثانی پر پرشیا میں ملا دیا گیا تھا۔
پولینڈ کے لوگوں کی وجہ سے کارِ دشوار ہوگا۔

ان صورتوں میں ظاہر ہے کہ ہم کو اپنی سیاسی قوت مختلف طریقوں سے مضبوط کرنا
چاہئے۔

اوّل ہماری سیاسی حیثیت کو بہت استحکام ہوجائے گا۔ اگر ہم آخر میں اس دھیٹ خطرہ کو
مٹا دیں کہ فرانس کا حملہ ہم پر اچھے موقع سے ہوگا۔ بس اُس وقت جب ہم کہیں اور پیچیدگیوں میں
اُلجھے ہوئے ہونگے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری بین الاقوامی پالیسی میں کسی اور کا ہاتھ نہو تو کسی
نہ کسی طرح فرانس سے حساب کتاب برابر کرلیا جائے۔ یہ صحیح جرمن پالیسی کی سب سے اوّل اور سب سے
اعلیٰ شرط ہے۔ اور چونکہ فرانس کی دشمنی ہمیشہ کے لئے امنی نامۂ پیام وسلام کو دور نہیں کرسکتی۔ اس لئے
اس معاملہ کا تصفیہ ہتھیاروں سے ہوسکتا ہے۔ فرانس کی ایسی سرکوبی کی جائے کہ پھر کبھی ہمارا
راستہ نہ کاٹ سکے۔

اور یہ کہ ایسے ذرائع سوچنے چاہئیں جس سے ہمارے اتحادیوں کی سیاسی قوت مضبوط ہو۔
آسٹریا کے تحفظ کی مستعدی کا اعلان کرکے ہم نے اُس کے لئے تو امنی پالیسی پر عمل درآمد شروع
کردیا ہے۔ اور اگر ضرورت ہوئی تو ہمارے ڈینوبی اتحادی کے بوسینا وہرزیگونا کے آخری الحاق
کے متعلق ہمیں جنگی مداخلت سے بھی باک نہوگا۔ اٹلی کے ساتھ بھی ہماری پالیسی اسی انداز کی ہونی
چاہیئے۔ بالخصوص جب فرانسوی جرمن جنگ میں ہم کو اُس کے ساتھ کوئی وقیع سلوک کرنے کا
موقع ملے۔ ٹرکی کی بھی ہر صورت سے مدد کرنا ایسی ہی اچھی پالیسی ہے جس کے اتحاد ثلاثہ کے لئے
مفید ہونے پر بحث ہوچکی ہے۔ لہذا ہمارے سیاسی فرائض پیچیدہ ہیں اور ٹرکی اٹالوی جنگ
میں اول بس اتنا ہی ہم کرسکتے ہیں کہ ثالث کی حیثیت سے زور ڈالیں اور جزیرہ نمائے بلقان

میں اس جنگ کو نہ آنے دیں۔ اس وقت یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ اور مداخلت کی ضرورت ہوگی
آخر میں یورپ کے اندر اپنی حیثیت کے متعلق یہ ہے کہ ہم (میری رائے میں) اپنے سیاسی اثر کی توسیع
اپنی پالیسی کی راستی و مضبوطی سے اپنے کمزور تر ہمسایوں میں اس یقین کی تحریک سے کر سکتے ہیں
کہ اُن کی خود مختاری و اغراض جرمنی کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان اغراض و خود مختاری کا تحفظ
جرمن اسلحہ کے سایہ میں بطریق اونی ہو سکتا ہے۔ آخر میں اس یقین کی وجہ سے اتحاد ثلاثہ وسطی
یورپین اتحاد کی وسعت اختیار کر لیگا۔ وسطی یورپ میں اس ذریعہ سے ہماری فوجی طاقت بہت
بڑھ جائیگی۔ اور بحالت جنگ ہمارے علاقوں کی غیر معمولی طور پر ناموافق جغرافیائی ترکیب ضرور
بہتر ہو جائیگی۔ ایسے میل سے قدرتی اتحاد اغراض کا اظہار ہوگا۔ وہ اغراض جو جغرافیائی و
قدرتی حالتوں پر مبنی ہیں اور سیاسی اشتراک اغراض امر متیقن ہو جائے گا۔ ہم کو اپنے نوآبادیاتی
علاقہ کی توسیع کے لئے اور ذرائع سے بھی کام لینا چاہئے۔ تاکہ ہماری کثرت آبادی کو جگہ مل سکے۔
حال ہی کے واقعات سے ظاہر ہوا ہے کہ خط استوائی افریقہ میں بغیر جنگ اضلاع مل سکتے ہیں۔
پرتگال کے مالی یا سیاسی انہدام سے ہم کو پرتگالی نوآبادیوں کے کچھ حصہ پر قبضہ کرنے کا موقع
ملے گا۔ ہمارا خیال ہے کہ انگلستان اور جرمنی میں پرتگالی نوآبادیوں کی تقسیم کے متعلق کچھ بات
چیت ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس کا ابتک کبھی اعلان نہیں ہوا ہے۔ اگر ایسا کوئی معاہدہ ہے بھی تو
ہمیں امید نہیں کہ موقع پر انگلستان ایمانداری کے ساتھ اُس پر عمل کرے۔ اُس کے لئے اسکو
حرف غلط کی طرح مٹا دینے کے وسائل فراہم ہو جائینگے۔ یہ بھی اکثر لوگوں کا خیال ہے جس کی
دیگر حلقوں میں تردید کی جاتی ہے کہ برطانیہ عظمیٰ نے پرتگالی آبادیوں کی تقسیم کے متعلق معاہدہ
کرنے کے بعد ایک خاص عہد نامہ کے ذریعہ سے پرتگال کو اطمینان دلایا ہے کہ اُس کی کل آبادیاں
اُس کے اپنے قبضہ میں رہینگی۔

اور تدابیر بھی سوچی جا سکتی ہیں جن سے ہمارے افریقائی علاقہ میں توسیع ہو سکے۔ ان پر
زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ترکیبیں بشرط ضرورت ایک کامیاب

یورپین جنگ کا نتیجہ ہوگی۔ علاقہ کی ان کل ممکن تحصیلات میں یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ ہم کو ایسے مقاموں کی ضرورت ہے جن کی آب و ہوا نوآباد جرمنوں کے مزاج کے موافق ہو۔ وسطی افریقہ میں بھی ایسے قطعات ہیں جو جرمن کسانوں اور مویشی پالنے والوں کے لئے موزوں ہیں اور ہماری کچھ فاضل آبادی کا رُخ ان اطراف کی طرف پھیرا جاسکتا ہے۔ مگر بالعموم صرف معتدل گرم نوآبادیوں میں ہمارے حرفتی مال کے لئے بازار مل سکتے ہیں اور مزروعہ آراضی کے وسیع قطعات خام مال کی کاشت کے لئے جن کی حرفتوں کے واسطے ضرورت ہے یہ بذاتِ خود بڑا پُرانفع ہے مگر اصلی نوآبادیت کے واسطے آراضی حاصل کرنے کی خصوصیت سے ہم سبکدوش نہیں ہو سکتے

ہماری فاضل آبادی کے کچھ حصے کو باعتبار حالات موجودہ تلاش معاش کے لئے ہمیشہ حدود سلطنت جرمنی کے باہر جانا پڑا کرے گا۔ ایسی تدابیر عمل میں لائی جائیں کہ جرمن عنصر دنیا میں متفرق نہ ہو۔ بلکہ ٹھوس طور پر مجتمع رہے اور غیر ممالک میں بھی ہمارے لئے سیاسی مرکز۔ مرکزِ بازار برآمد اور مرکزِ اشاعتِ تہذیب بن سکے۔

ہمارے لئے ایک زوردار نوآبادیانہ پالسی کی اشد ضرورت ہے۔ اکثروں کا قول ہے کہ تجارت کی پالسی ہماری نوآبادیوں کی کمی کو پورا کرسکتی اور ہمارے آئندہ پروگرام میں مدد دے سکتی ہے۔ اس لئے کہ ہماری پالسی کافی نوآبادیانہ نہیں ہے۔ یہ خیال صرف ایک اعتبار سے جائز ٹھہر سکتا ہے۔ اول تو اس پالسی کی رو سے ہماری فاضل آبادی کو اپنے علاقہ میں جگہ نہیں ملتی۔ دوسرے اُس سے آزاد و غیر محدود مقابلہ کا اطمینان نہیں ہوتا۔ اُس کی رُو سے کل تجارتی قوموں کو مساوی مساوی محصولات ادا کرنے ہوتے ہیں۔ مگر اس سے مقابلہ مساوی حالتوں میں کسی طرح حاصل نہیں ہوتا۔ برخلاف ازیں اُس ملک کی سیاسی قوت تجارتی تعلقات میں فیصلہ کن جزو ہوتی ہے۔ آزاد تجارت کا اصول ہر جگہ جاری ہے۔ مصر میں، منچوریا میں، کانگو میں، مراکش میں اور ہر جگہ تجارت اُس سلطنت کے ہاتھ میں ہے جس کو سیاسی غلبہ ہے۔ منچوریا میں جاپان کے ہاتھ میں، مصر میں انگلستان کے۔ کانگو میں بلجیم کے۔ اور مراکش میں فرانس کے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے

کل سلطنتی مراعات قدرتی طور پر اُس سلطنت کے حصّے میں آتے ہیں جو عملاً غالب ہے - اُس کی بنائی ہوئی چیزیں کل لوگ خریدتے ہیں جو اُس سلطنت سے ماتحتی کا تعلق رکھتے ہیں - بلا لحاظ اس امر کے کہ پسندیدہ مال کے تخفیفِ محصول و دیگر فائدوں سے آزاد تجارت کی مراعات مختلف طرح پر نظرانداز کی جا سکتی ہیں - آزاد تجارت کی پالسی ایک قسم کی حکمت عملی اور ایک قوی نو آبادیانہ پالسی کا تتمہ ہے - ملک کے لئے ضروری ہے کہ اُس کی اپنی نوآبادیاں ہوں اور اُن دوائر میں جہاں اُس کے بازار ہیں غالب سیاسی اثر چاہیئے - ہماری جرمن عالمگیر پالسی کے دستورالعمل میں یہ باتیں قابل لحاظ ہیں -

ایسی سیاسی تدابیر کا عملدرآمد یقیناً روایتی یورپین پالسی کے پرانے خیالات اور ملے ہوئے حقوق سے ٹکرا جائے گا - اوّل تو توازنِ دول کا اصول یورپ میں بالکل نظرانداز کر دینا چاہیئے جو وائنا کانگرس کے زمانہ سے مقدس سمجھا جاتا رہا ہے اگرچہ بالکل ناجائز ہے -

توازنِ دول کا خیال بتدریج اس ادراک سے بڑھا کہ سلطنتیں ایک دوسرے کی روک کے لئے مل جل کر کام کرنے کے واسطے ہیں - عیسائیت جو انسان کو حدود سلطنت کے پار ایک اعلیٰ ترین قسم کی شہریت کی طرف رہنما کرتی ہے اور بین الاقوامی قانون کی بنا ہے - اُس نے اس اعتبار سے بڑا اثر ڈالا ہے - عملی اغراض نے توازن دول کو بڑی تقویت پہونچائی ہے - جب یہ سمجھا گیا کہ سلطنت قوت ہے اور یہ کہ باعتبار نوعیت خود سلطنت کو اپنی قوت وسیع کرنا چاہیئے تو سمجھا گیا کہ توازن میں ایک قسم کی ضمانتِ امن ہے - رفتہ رفتہ یہ اعتقاد قائم ہو گیا کہ اگر کوئی سلطنت دیگر سلطنتوں کے ساتھ سیاسی و تجارتی تعلقات قائم کرے تو اس سلطنت کے اغراض کو دوسری سلطنتوں کے اغراض سے تعلق قریبہ ہو جاتا ہے اور اس سلطنت کو ایک طرح کا معاہدہ اُن سے کرنا لازم ہے اس طرح سے یورپ میں نظامی سلطنت کا خیال پیدا ہوا جس کو نپولین کے زوال کے بعد پانچ دول عظمیٰ انگلستان، فرانس، روس، آسٹریا، و پرشیا نے ترکیب دیا - آخرالذکر نے بہ زور شمشیر اول قطار میں جگہ لی سنہ ۱۸۶۶ء میں چھٹا اٹلی اُس نظامی سلطنت میں داخل ہوا -

ایسے نظام کی تائید میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قوموں کے درمیان قریبی مساوات قائم رکھ سکتا ہے۔ "ہر طرح کے اصول کا انحصار عمل پر ہوتا ہے اور حقیقی مساوات یعنی قوت کی اصلی برابری امر مسلمہ ہوتی ہے" یہ حالت اقوام یورپ کی نہیں ہے۔

انگلستان بہ نفس نفیس سمندر کا حاکم ہے اور ساڑھے چھ کرور جرمن قوت کے اُس درجہ پر گزنا گوارا نہیں کر سکتے جس درجہ پر چار کروڑ فرانسیسی ہیں۔ حقیقی مساویت قائم کرنے کی کوشش بذریعہ خاص اتحادوں کے کی گئی ہے۔ اس سے صرف ایک نتیجہ حاصل ہوا ہے۔ یعنی اقوام کی آزادانہ ترقی کی روک بالعموم اور جرمنی کی بالخصوص۔ یہ غیر صحیح حالت ہے۔ اب یورپین مساوات قوت کو ایسی حالت نہیں کہہ سکتے جو موجودہ صورت معاملات کے مطابق ہو۔ جو قابل افسوس نتائج اُس کے ہو سکتے ہیں یہ ہیں کہ یورپین سلطنتوں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں بیکار ہو جائیں اور اور اُن سیاسی قوتوں کی تدابیر کو مدد ملے جو اس دل فریب دائرے سے خارج ہیں۔ انگلستان کی پالسی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ یورپین سلطنتوں کو آپس میں لڑائے اور اُن کو تقریبًا قوت کے ایک ہی درجہ پر رکھے تاکہ خود بلا روک ٹوک بغیر دقت سمندروں اور دنیا کی شاہنشاہی کو مسخر کرے۔ ہم کو مساوات کے ایسے خیالات دماغ سے نکال دینا چاہئیں۔ موجودہ مسخ حالت میں وہ ہمارے وقیع اغراض کے خلاف ہیں۔ نظام سلطنت کا خیال جس کے اغراض تہذیب میں مشترکہ ہوں واقعی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مگر اس کی توسیع جدید اور زیادہ منصفانہ بنیاد پر کرنا لازم ہے۔ اب یہ سوال نظام سلطنت ہائے یورپ کا نہیں بلکہ کل سلطنتہائے دنیا کا ہے جس میں مساوات قوت کے حقیقی اجزا پر قائم کی جاتی ہے۔ اس نظام میں ہم کو اپنی مستحق جگہ وسطی یورپین سلطنتوں کے اتحاد کے اوپر لینے کی کوشش کرنا چاہیے اور اس صورت سے کسی نہ کسی طرح فرضی یورپین مساوات کو گھٹا کر اس کی اصلی حالت پر لے آئیں اور اسی مناسبت سے اپنی قوت کو بڑھائیں۔

ایک اور سوال جو موجودہ سیاسی حالت سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ کل سیاسی معاہدات جو پچھلی صدی کے شروع میں کئے گئے تھے ایسے بالکل الگ صورتوں میں اور درحقیقت ترکیب

سلطنت کے مختلف تصورسے قابل پابندی ہوسکتے ہیں یا ہونا چاہئیں۔ جب بلجیم کی غیر جانبداری کا اعلان کیا گیا تھا کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ وہ افریقہ کے ایک بڑے اور قیمتی قطعہ کا مدعی ہوگا یہ سوال ہوسکتا ہے کہ کیا ایسے علاقہ کی تحصیل فی نفس الامر متناقض غیر جانبداری نہیں ہے۔ ایسی سلطنت کو جو جنگ کے سرخطرہ سے محفوظ ہو گئی ہے کوئی حق نہیں کہ دیگر سلطنتوں کے ساتھ سیاسی مقابلہ کے میدان میں قدم رکھے۔ اس لئے یہ دلیل اور بھی معقول تر ہے۔ کیونکہ ہم فرض کر سکتے ہیں کہ اگر جرمنی انگلستان و فرانس کے مقابلہ میں لڑا تو آخر الذکر دو سلطنتیں بلجیم میں اپنی فوجیں جمع کرنے کی کوشش کرینگی۔ آخر میں کانگو کی غیر جانبداری کو نہایت مشکوک کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ بلجیم اُسے کسی جانبدار ملک کو بخشدینے یا اُس کے ہاتھ بیع کردینے کا حق رکھتا ہے۔ مستقل غیر جانبداری کا تصور سلطنت کی اصلی نوعیت کے بالکل خلاف ہے۔ سلطنت اپنے اعلیٰ ترین اخلاقی مقاصد دیگر سلطنتوں کے مقابلہ ہی سے حاصل کرسکتی ہے۔ اُس کی مکمل ترقی ایسے مقابلہ کی مقتضی ہے۔

ماسوا اس کے یہ اصول کہ کوئی سلطنت دیگر سلطنت کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دے سلطنت کے اعلیٰ ترین حقوق کے خلاف ہے۔ اس اصول کی مختلف تاویلیں کی جاتی ہیں۔ اور زبردست سلطنتیں چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے اندرونی معاملات میں جابرانہ مداخلت سے کبھی باز نہیں رہی ہیں۔ انگلستان ہی نے حال میں جرمنی کے نجی معاملات میں بھاری بحری تیاریوں کے متعلق مداخلت کرنے کی کوشش کی، گو ضابطہ میں یا حکمت عملی کے طریقے پر نہ سہی مگر کی ضرور۔ اگرچہ بین الاقوامی رسم کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ مساوی نظام کی دو سلطنتوں میں خانگی معاملات میں عدم مداخلت کی سختی سے پابندی کی جائیگی۔ اس اصول کو غیر مشروط طور پر ماننا اور اس کا سیاسی تعلقات پر عاید کرنا سخت دشواریوں پر حاوی ہے۔ یہ آزاد فرقہ کا اصول ہے جس کا وعظ فرانس میں ۱۸۳۰ء میں دیا گیا تھا اور جس سے لارڈ پالمرسٹن کی انگریزی وزارت نے اپنے اغراض کے لئے کام لیا۔ غیر محدود مداخلت کا اصول بھی جس کا اعلان ۱۸۲۰ء میں مقدس اتحاد کی

سلطنتوں نے ڈرایا میں کیا تھا اسی قدر غلط ہے۔ بین الاقوامی سیاسیات کے لئے کوئی مقررہ اصول قائم نہیں کئے جا سکتے۔

آخر میں سلطنتوں کے باہمی تعلقات افراد کے اتعلقات ہیں اور جس طرح کہ کوئی فرد اپنے معاملات میں مداخلت جائز نہیں رکھ سکتا۔ اسیطرح لازمی طور پر سلطنت کو بھی یہ حق حاصل ہے مگر فرد کے سر پر سلطنت کا زور ہے جو شہریوں کے تعلقات باہمی کو گرفت میں رکھتا ہے۔ مگر سلطنت پر کسی کا زور نہیں ہے۔ وہ شاہنشاہ ہے اور اس کو خود اس بات کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ آیا دوسری سلطنت کی اندرونی حالتیں یا تدابیر اُس کے وجود یا اغراض کے لئے مضر ہیں یا نہیں لہذا اگر واقعات مقتضی ہیں تو کسی حالت میں کسی سلطنت کو دیگر سلطنتوں کے معاملات میں مداخلت کے حق کو ترک کرنا نہ چاہئے۔ ایسی صورتیں پیش آسکتی ہیں کہ کسی وقت میں فریقانہ تنازعات یا ہمسایہ ملک کی تیاریاں کسی سلطنت کے وجود کے لئے باعث خوف وخطر ہو جائیں۔" بس اتنا ہے کہ ہر ایک سلطنت دیگر سلطنت کے اندرونی معاملات میں اپنی ہی ذمہ داری پر مداخلت کرتی ہے۔ اور تجربہ بتلاتا ہے کہ یہ مداخلت کس قدر سخت مضر ہو سکتی ہے۔" برخلاف ازیں یہ یاد رہے کہ عدم مداخلت سے جو خطرات پیدا ہو سکتے ہیں بعض اوقات اور بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں اور یہ کہ اس کل مباحثہ کا موضوع بین الاقوامی حق نہیں بلکہ صرف قوت اور مصلحت ہے۔

میں نے ان بین الاقوامی پالیسی کے معاملات پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے کیونکہ اُن حالتوں کی وجہ سے جو عنقریب پیش آنے والی ہیں۔ ان معاملات کا ہمارے سیاسی حوصلوں کے پورا ہونے پر بڑا اثر ہو سکتا ہے اور ان سے مخالفانہ پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنی آزادی فعل میں ہم اُن معاہدے کے شکنجہ میں نہ پھنسیں جو کسی خلقی سیاسی ضرورت سے معرا ہوں یا جن کا دارومدار محض سیاسی مصلحت پر ہو اور جو ہم پر فرض نہوں۔ ایسی کل حالتوں میں ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ ہم کو دنیاوی حیثیت کے واسطے کسی صورت میں لڑنے سے مفر نہیں ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ نہیں کہ جبتک ممکن ہو جنگ کو

معرض التوا میں ڈالا جائے بلکہ یہ کہ نہایت ممکن الوجود موافق حالتوں میں اس کو وقوع میں لایا جاوے۔ فریڈرک اعظم نے ۳ جولائی ۱۷۶۱ء کو پٹ کو یہ لکھکر بھیجا تھا کہ

"کوئی شخص جس میں ذرہ بھر بھی سمجھ ہے اپنی تباہی کے لئے دشمنوں کو تیاریوں کی مہلت نہ دیگا بلکہ سبقت سے فائدہ اٹھا کر اپنی حالت کو اچھا کرلے گا"

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ان مستعد اور با اثر پالیسی کی اسپرٹ سے کام کریں۔ جو ہمارے بڑے بڑے دلاورانِ ماضیہ کا دستور العمل رہی ہے تو ہمیں اپنی قوتوں کو ایک مرکز پر لانے کا سبق سیکھنا چاہیے نہ کہ ان کو بعید المرکز کوششوں میں پھیلانے کا۔ جہاں تک جرمن تاریخ سے پتہ چلتا ہے جرمن قوم کی سیاسی و قومی ترقی کے لئے اس کی نوعیت کے موروثی نقائص بڑی روک رہے ہیں یعنی الگ الگ قبیلے اور سلطنتوں کی خصوصیت۔ فریقوں کی اصولی خود رائی۔ بوجہ انحطاط ادراک سیاسی و حب الوطنی عظیم الشان قومی مقاصد پر ذاتی اغراض کو قربان کرنے کی ناقابلیت سخت پستی خیالات مروجہ۔ حتی کہ آجکل بھی یہ دیکھکر صدمہ ہوتا ہے کہ جرمن قوم اپنی قوتوں کو بیکار آپس کے جھگڑوں میں ضائع کرتی ہے۔

ہمارا پہلا اور روشن ترین اخلاقی و سیاسی فرض یہ ہے کہ ان موروثی نقائص کو دبائیں اور اپنی قوت کی صحیح اور مضبوط بنیاد قائم کریں۔ اس سے انکار نہ ہونا چاہیے کہ دماغی و معاشرتی زندگی کے مختلف اقسام کی وجہ سے جو جرمن قوم اور سیاسی نظام مختلفہ سے پیدا ہوگئے ہیں۔ ہم کو بیش قیمت موقعے حاصل ہیں۔ ان کی بدولت سائنس، ہنر۔ دستکاری و اعلیٰ روحانی و مادی طرز زندگی کی روزافزوں ترقی کے لئے بے شمار دوا متیسر ہیں مگر ان حالتوں کے عکس کو روکنا چاہیے اور اس کثرت اقسام و تقابل کو سیاسیات کی طرف منتقل کردیا جاے سب سے مقدم یہ ہے کہ ہمیں ان مجالس کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہیے جو جرمن طبیعت کے بعید المرکز قوتوں کو توڑکر ایک مرکز پر لائیں۔ یعنی ہمارے ملک کا بری و بحری مشترکہ نظام تحفظ جس میں کل فریقانہ احساس اور ایک قومی سلطنت محو ہے۔

کوئی قوم جرمن قوم سے زیادہ اپنی قسمت کی رہنمائی کے لئے ناقابل نہیں ہے۔ کسی قوم کے لئے رواجی آزادانہ نمونہ اس قدر ناموزوں نہیں ہے جتنا ہمارے لئے۔ ریشتاخ پر سرسری نظر ڈالنے سے آجکل اس اعتقاد کا کامل ثبوت ملتا ہے۔ اور یہ اعتقاد ہم نے جرمن تاریخ کو پڑھکر مجبوراً قائم کیا ہے۔

جرمن قوم میں ہمیشہ سے مشترکہ فائدہ کے لئے کارہائے عظیم کی صلاحیت نہیں رہی ہے۔ سوائے اس کے کہ اس پر خارجی حالتوں کا ناممکن الدفاع دباؤ پڑے جیسا کہ ۱۸۱۳ء کی بغاوت میں ہوا تھا۔ یا زبردست شخصوں کی سرکردگی میں جن کو عوام الناس کے جوش کا مشتعل کرنا۔ جرمن اسپرٹ کا انتہا درجہ کا بھڑکانا۔ قومیت کا خیال تازہ کرنا اور مخالف حوصلوں کو ایک مرکز اور اتحاد میں لانا آتا ہے۔

اس لئے ہم کو یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کو اطمینان اور آزادی کے ساتھ کام کرنیکا موقع ملے۔ تاکہ وہ ہماری قوم کے توسل سے اور اس کے لئے بڑے مقاصد میں کامیاب ہوں۔ ان حدود کے اندر یہ جرمن قومی طبائع کے خلاف نہیں ہے کہ کسی شخص مخصوص کو روحانی سائنسی وصنعتی مقاصد کی کل افرادی قوتوں اور قابلیتوں کی پوری ترقی کے لئے اختیار کامل دیدیا جاوے یہ سلطنت کی کوششوں کی توسیع فائدہ رساں اور عاقلانہ کام ہے۔ بشرطیکہ اس سے آزاد وسمجھدار لوگوں کی خود مختاری کو تحریک ترقی دیا گیا حاصل ہو۔ یہ توسیع مصیبت ہے اگر اس سے آزاد لوگوں کی خود مختاری ہلاک ہو جائے یا اس کی ترقی روکی جائے"۔ کسی فرد کی یہ خود مختاری حدودِ اغراض سلطنت کے اندر مرکزی قوت کی وسیع توسیع کا ضروری تتمہ ہے اور اور اس سے ہماری کل سوشل حالتوں کی آزادانہ ترقی کے لئے یقینی طور پر فراخ میدان ملجاتا ہے۔

مندرجہ بالا قوت کی متفقہ خواہش ہم کو اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہیے۔ مع اس عزم کے کہ رفاہ عام کی خاطر حب الوطنی کی قربان گاہ پر نہ صرف جان ومال فدا کردینگے بلکہ ذاتی رائیں اور ترجیحات بھی۔ تب ہی ہم اپنے فرائض مستقبل کا حق ادا کرینگے۔ بڑھ کر دولت عالم نہیں گے۔ اور

اور انسانوں کے غالب حصہ پر جرمن اسٹمپ کی مُہر لگائینگے۔ برخلاف ازیں اگر ہم قوت کی اُس تفریق پر اڑے رہیں گے جو ہماری سیاسی زندگی کی نشانی ہے تو اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ اقوام کے بڑے مجادلہ میں جس کا مقابلہ ہمارے لئے ناگزیر ہے ہم کو شکست فاش ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا، کہ ہمارے لئے مصیبت کے دن آگئے ہیں اور پھر شاعر کے وہ تعزیتی الفاظ سننے میں آئیں گے جو تنزل سابق کے ایام میں سُنتے تھے۔

"اے جرمنی تیرے شاہِ بلوط کے درخت ابھی تک سر اُٹھائے کھڑے ہیں مگر اے جلیل القدر سرزمین تیرا سر زمین سے لگ گیا۔"

باب ششم

جنگ کے لئے مسلح ہونیکی سوشل وسیاسی اہمیت

جرمنی کے ذمہ عظیم الشان قومی و تواریخی فرائض پالسی و تربیت کی انجام وہی ہی اور اُسکی آیندہ ترقی کی راہ میں خوفناک خصومتیں حائل ہیں۔ یہ محسوس کرنے کے بعد ہمکو معلوم ہوگا کہ ہماری موجودہ حیثیت کا قیام اور مستقبل کا حصول ناممکن ہی تاوقتیکہ ہتیار نہ اُٹھائے جائیں۔

جب ہم یہ بات جانتے ہیں کیونکہ ہر شخص کو جو منصفانہ نظر سے سیاسی حالت پر غور کرتا ہی اُس کو جاننا چاہیئے تو ہم سے توقع کی جاتی ہی کہ اس جنگ کیلئے جہانتک ممکن ہو اچھی طرح تیار ہوں۔ وہ زمانہ گذر گیا جب زمین پر لات مارنے سے فوج نکل آتی تھی یا عوام الناس کو بھرتی کیلئے جنگ میں لیجاتے تھے۔ اگر یہ منظور ہی کہ ضرورت کیوقت کام دیں تو آجکل کی فوجوں کی تیاری امن کے زمانہ میں ہونا چاہیئے اور تیاری میں خفیف سے خفیف باتوں پر بھی لحاظ کیا جائے۔

اگرچہ یہ بات معلوم ہی مگر قربانیاں جنکی جنگی تیاریوں کے لئے ضرورت ہی اب ایسی خوشی سے نہیں کیجاتیں جنکی کہ موقع کی اہمیت متقاضی ہی ریشتاخ میں ہر قومی تجویز پر سخت مباحثہ ہوتا ہی اور اکثر نہایت پست فطرتی کے ساتھ۔ اور کوئی شخص نہیں سمجھتا کہ

ناکامیاب جنگ سے ہماری قوم مالی مصیبت میں پھنس جائیگی جسکے مقابلہ میں گرانسے گراں مصارف فوج داور یہ زیادہ تر پھر ملک کے خزانہ میں واپس آجاتے ہیں) کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ برخلاف اس کے فیروزمند جنگ سے فاتح کو بیشمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور جیسا ہماری پچھلی جنگوں نے بتادیا ہی اُس سے مالی ترقی کے لئے ایک نیا رستہ نکل آتا ہی۔

اکثر لوگ اس بات کو بھولے ہوئے ہیں کہ فوجی خدمت اور اسلحہ برداری کا قومی فرض بذات خود ہماری قوم کے لئے اعلیٰ اخلاقی نفع ہی اور ان سے محنت کی قوت اور قابلیت میں ترقی ہوتی ہی۔ نہ یہ بات نظر انداز کیجا سکتی ہی کہ سوائے مالی فرایض کے کسی قوم کے ذمے کوئی اور فرایض ہیں۔ میں اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اُس بڑے تاریخی نازک موقع کے لئے جو ہمپر ہی جنگ کے واسطے کس قسم کی اور کتنی تیاری کی ضرورت ہے مگر اول عام طور پر جنگ کی تیاریوں کی اہمیت پر بحث کرنا مفید ہوگا مگر خالص فوجی پہلو سے اتنا نہیں جتنا سوشل وسیاسی پہلو سے۔ اس صورت سے ہم اُس اعتقاد کو راسخ کردینگے کہ ہم اس سے بہتر خدمت ملک کے حقیقی اغراض کی نہیں کرسکتے کہ اُس کی فوجی صلاحیتوں کو ترقی دیں۔ تیاری جنگ کو دُہرا کام انجام دینا ہوتا ہی۔ اُسکا اول فرض قوم کی فوجی صلاحیتوں کو بطور سرمایۂ قومی قایم رکھنا اور جمع کرنا۔ اور دوسرا فرض انتظامات جنگ وفراہمی وسائل مطلوبہ ہی قومی تحفظ کی یہ صلاحیت قومی ترقی میں بہت زیادہ سبق آموز ہی جس طرح سوشل مقابلہ میں میدان اُن لوگوں کے ہاتھ رہتا ہی جو اپنا تحفظ کرسکتے ہیں یعنی اُن کے جو دماغی حیثیت سے کیل کانٹے سے خوب درست ہوتے ہیں اور جنگ سے جھجکتے نہیں بلکہ آخر دم تک اطمینان وتیقن فتح کے ساتھ لڑتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس قوموں اور سلطنتوں کی رقابت میں فتح اُس قوم کو نصیب ہوتی ہی جو اپنا تحفظ کرسکتی ہے جو میدان جنگ میں بے جھجک داخل ہوتی ہی اور کامیابی کے ساتھ تلوار چلانیکی صلاحیت رکھتی ہی۔

فوجی خدمت سے قوموں کی صرف جنگی تعلیم ہی نہیں ہوتی بلکہ اُس سے امنی مصروفیتوں کیلئے دماغی و اخلاقی اوصاف کو بھی ترقی ہوتی ہے۔ اُس سے انسان کو اپنے جسم پر پورے قابو اور اپنے پٹھوں کی مشق اور ترقی کی تعلیم ہوتی ہے۔ اُس سے دماغی قویٰ اُس کی خود اعتمادی و مستعدیِ قوت فیصلہ بڑھتی ہے۔ اُس سے وہ ایک مشترکہ مقصد کے حکم و ماتحتی کا عادی ہوجاتا ہے۔ اُس سے اُسکی خودداری و جوانمردی کا پایہ بلند ہوتا ہے اور اُس صورت سے اُس میں ہر قسم کے کام کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

یہ بالکل بگڑا ہوا خیال ہے کہ جو زمانہ فوجی خدمت میں گذارا جاتا ہے اُس سے مالی زندگی کی وہ قوتیں زائل ہوجاتی ہیں جن سے کوئی اور موزوں تر و مفید تر کام لیا جاسکتا تھا۔ یہ قوتیں مالی زندگی سے سلب نہیں کیجاتیں بلکہ مالی زندگی کے لئے تربیت کیجاتی ہیں۔ فوجی تربیت سے دماغی و اخلاقی قوتیں پیدا ہوتی ہیں جنسے صرف شدہ وقت کا بھاری معاوضہ ملجاتا ہے اور زندگی کے بعد جنکی حقیقی قیمت ہوتی ہے۔ لہذا سلطنت کا اخلاقی فرض ہے کہ ملک جتنے لوگوں کو ممکن ہو ہتیاروں کا استعمال سکھائے نہ صرف جنگ کے خیال سے بلکہ اس غرض سے کہ لوگ فوجی خدمت کے فوائد سے بہرہ یاب ہوسکیں اور اپنی جسمانی۔ اخلاقی و دماغی قابلیتوں میں ترقی کرسکیں۔ جو روپیہ سلطنت فوجی تربیت پر صرف کرتی ہے وہ صاف طور سے سوشل مقاصد کا خرچ ہے۔ اس روپیہ سے سوشل تعلیم وہ مقاصد پورے ہوتے ہیں اور وہ قوم کی روحانی و اخلاقی حالت کو بلند پایہ پر پہونچاتا ہے۔ فوجی تربیت سے اس طور پر بمقابلہ جرثقیل۔ حرفت و تجارت تہذیب کے اعلیٰ ترین مقاصد کو براہ راست زیادہ مدد ملتی ہے یہ چیزیں قومی معاش و قومی دولت کو بڑھا کر یقیناً تربیت کے مادی فرائض انجام دیتی ہیں مگر اپنے ساتھ بہت سے خطرے بھی لگا لاتی ہیں۔ مثلاً تفریح کی لت اور تعیش کا میلان اور اس طرح سے قوم کے اخلاقی اور ترقی پذیر ریشوں کو کمزور کردیتی ہیں بحیثیت آلہ تعلیم فوجی خدمت کا وہی مرتبہ ہے جو اسکول کا اور جیسا کسی آیندہ باب میں بتایا جائیگا

وہ ایک دوسرے کی تکمیل و مدد کے لئے ہیں۔ مگر وہ قوم جو خوشی سے اسکول اور فوجی خدمت کے
فرایض اور قربانیاں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں گویا اُس نے دنیا میں سلامت
رہنے کا ارادہ چھوڑ دیا اور وہ یکطرفہ اور مٹجانے والے مادی منافع پر اُن مقاصد کو تصدق
کرتی ہی جو اعلیٰ ہیں اور جن سے اُسکا مستقبل متیقن ہوتا ہی۔ لہٰذا ہر سلطنت کو لازم ہی
جسے تہذیب اور سوسائٹی کے فرایض کا ادراک ہی کہ کل ایسے میلانوں کا بیرحمی کے ساتھ
قلع قمع کرے جو قوت دفاعی کی پوری ترقی کی دشمن ہیں۔ جس طریقہ سے کہ اس دفاعی
قوت کا قیام اور ترقی عمل کا جامہ پہن سکتی ہی اُس کے متعدد اقسام ہیں زیادہ تر اُس کا
انحصار قومی زندگی کے کیفیات جغرافیائی و پولیٹکل حالات و نیز تاریخ ماضیہ پر ہے اور
اسوجہ سے اُسکی جولانگاہ نہایت وسیع ہی۔

بہت سی غیر مہذب اقوام کی طرح یورُوں کی ریاستوں میں تربیت تقریباً بالکل
رعایا پر چھوڑ دیگئی تھی ایک حد تک یہ کافی تھا کیونکہ طرز معاشرت نے استعمال اسلحہ اور
سواری سے اُن کو مانوس کردیا تھا اور سخت ورزشوں کے وہ خوگر ہوگئے تھے۔ مگر اعلیٰ
ضروریات اجتماع۔ ماتحتی وصف کشی اس فوجی نظام سے حاصل نہیں ہوسکتے تھے اور عین
وقوع جنگ میں اسکے مضر اثرات محسوس ہوئے سوئیزرلینڈ اور دیگر سلطنتوں میں نظام
ملیشیا (قومی سپاہ) سے قومی تحفظ و امکانات سیاسی کی کوشش کیگئی ہی۔ بڑی یورپین
سلطنتیں مستقل فوجیں رکھتی ہیں جنہیں کل صحیح البدن شہریوں کو طویل یا قلیل زمانہ تک
فوجی تربیت حاصل کرنا ہوتی ہی۔ بس ایک انگلستان ہی کا لشکر اُجرتی ہی اور اسکے ساتھ
نوآبادیونکی فوج جنگی بھرتی والنٹیروں سے ہوتی ہی۔ ان مختلف طریقوں سے مختلف
مقداریں فوجی قابلیت کی حاصل ہوتی ہیں۔ مگر بالعموم تجربہ نے بتلا دیا کہ یہ جنگی تربیت
جس قدر مکمل اور سمجھ کے ساتھ ہوگی اُتنی ہی زیادہ سپاہیوں کے مطلوبہ فوجی اوصاف
میں ترقی ہوگی۔ اور جس قدر یہ اوصاف طبیعت ثانی بنیں گے اُسی قدر زیادہ مکمل اُنکی

جنگ جو یا نہ قابلیت ہوگی۔ مختلف فوجی نظام پر نکتہ چینی کرتے وقت ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے
کہ بڑھنے والی تہذیب کے ساتھ مطلوبہ فوجی قابلیتیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں۔ وہ فرایض جنگی
توقع رومہ کے لشکر یا فریڈرک اعظم کے سپاہیوں سے کیجاتی تھی آجکل کے رائفل بردار یا
سوار کے فرایض سے بالکل مختلف تھے فوجی خدمت کے جسمانی مناصب ہی نہیں بدل گئے ہیں
بلکہ اُن اخلاقی اوصاف میں بھی جنکی توقع سپاہی سے کیجاتی ہے تغیر واقع ہوگیا ہے۔ یہ فرد
سپاہی اور کل فوج کے لئے ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ جنگ کی نوعیت برابر بدل رہی ہے۔
قرونِ وسطیٰ یا اٹھارھویں صدی میں نسبتاً تھوڑی فوج سے لڑنا اور بات تھی مگر آجکل
کی قوی ہیکل فوجوں سے سابقہ ہونا بالکل اور بات ہے۔ لہٰذا جنگ کی تیاریاں فوجی نیز
سوشل معنی میں ایک اعلیٰ ترقی یافتہ زمانۂ حال کی مہذب سلطنت کے اندر اُن ممالک کی
تیاریوں سے بالکل مختلف ہونا چاہیں۔ جو تہذیب میں نیچے درجہ پر ہیں اور جہاں معمولی
معاشرت میں فوجی عناصر بھرے ہوئے ہیں اور جنگ مقابلتاً سادے طور پر کیجاتی ہے۔

اُن قوموں پر جو نیم مہذب ہیں اور جنکا جنگی نظام درست نہیں ہے مہذب ممالک کی قومی
فوقیت اس متغیر فوجی قابلیت کی وجہ سے ہے اسی طرح سے جاپان نے تھوڑے زمانہ کے اندر
مشرقی ایشیا میں اپنی فضیلت قائم کرلی۔ جو بیج میدانِ جنگ میں اُس نے بویا تھا اُس سے
وہ اب اپنی ترقی کی فصل کاٹ رہا ہے اور فوجی قابلیت کی بیشمار اہمیت کا سوشل و تعلیمی
پہلوؤں سے پھر ثبوت دے رہا ہے۔

خود ہمارے ملک نے فوجی قوتوں کو کام میں لاکر تربیت کا وہ درجہ حاصل کیا ہے۔ جو امنی
ترقی کے طریقوں سے کبھی نصیب نہیں ہوسکتا تھا۔ جب ہم نوعیت قابلیتِ فوجی کی تبدیلی
پر غور کرتے ہیں تو ہم اپنے آپکو ایسے میدان میں پاتے ہیں جہاں تحفظ قومی کے جسمانی و اخلاقی
قیام کا سوشل فرض خود تیاری جنگ کے سیاسی فرض سے ہمکنار رہے۔

جنگ کی فوری تیاریوں کے متعلق بہت سے طرز عمل ممکن ہیں اور حقیقتاً موجود ہیں۔ اسکا

اظہار ابتدائی صورت میں فوجی نظام سے ہوتا ہے مگر دیگر مختلف طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے
ہم دیکھتے ہیں کہ جُدا جُدا سلطنتیں جوش سنجیدگی اور کافی صرف سے (اپنے جغرافیائی مواقع۔
دیگر سلطنتوں کے تعلقات اور اپنے ہمسایوں کی جنگی قوت کے لحاظ سے نیز اپنے تاریخی
دعاوی اور دنیا کی سیاسیات میں اپنی کم وبیش اہمیت کی بنا پر) اپنی جنگی تیاریاں کرتے ہیں جب ہم
مہذب قوموں کی پیچیدہ رفتارِ معاشرت کو دیکھتے ہیں اور ان کے مختلف مقاصد اور بے شمار
جذبات پر غور کرتے ہیں تو ہم کو اس خیال سے اتفاق ہوتا ہے کہ ان لحاظوں کا افواج کی
کمی یا بیشی پر ہر جگہ اثر ہے۔ جنگ فقط پولٹیکل اغراض کے حصول اور اخلاقی جرأت کی پرورش کا ایک
ذریعہ ہے۔ چنانچہ اگر انگلستان اپنی بحری فوج کو نہایت وقیع سمجھتا ہے تو اپنے جزیرائی موقع و
وسیع بحری اغراض کے تحفظ کی وجہ سے اُس کی پالسی بالکل حق بجانب ہے۔ لیکن برخلاف اس کے
اگر انگلستان اپنی بری افواج اپنی نوآبادیوں کے تحفظ حکومت کسی بعید الخیال مخالفانہ
حملے کے دفاع یا کسی اتحادی سلطنت کو یورپ کی جنگ میں مدد دینے کے لئے بڑھائے تو
اسکی وجہ عام سیاسی موقع بتا سکتا ہے۔ حقیقتاً انگلستان اپنے خلاف مرضی کبھی کل یورپ کی
جنگ میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

علیٰ ہذالقیاس سوئیزر لینڈ بھی جسکی جانبداری کا اعلان بذریعہ معاہدات سیاسی
ہوا ہے۔ اور جو صرف حملہ ہونیکی حالت میں میدان میں آسکتا ہے بجا طور پر فوجی خدمت کی
سوشل اہمیت پر زور دیتا ہے اور دفاع کی ایک ایسی اسکیم بنانا چاہتا ہے جسکا خاص منشا اُس
حفاظت کا بڑھانا ہے جو اُس کو اپنے پہاڑوں سے حاصل ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا خیال
ٹھیک ہے کہ وہ بہت مختصر بری فوج رکھتی ہیں اور اپنی تمام طاقت بحری قوت کے بڑھانے
میں صرف کرتی ہیں۔ کوئی اتنا قوی دشمن کبھی براعظم امریکہ میں پیدا نہیں ہو سکتا اُسکو کسی بڑی
فوج کے حملے کا اندیشہ نہیں ہے۔ مگر اُن کو قابل یادگار بحری جنگوں کا زر دنسل کی قوموں سے
ڈر ہے جنکو اُن کے مغربی کنارہ کے مقابل خوفناک قوت حاصل ہو گئی ہے اور ممکن ہے اپنے

بڑے تجارتی حریف انگلستان سے بھی جس نے اکثر مراعات تو کئے ہیں مگر کیا بعید ہے کہ انجام کار وہ اپنی حیثیت عالم کے لئے جنگ کرنے پر مجبور ہو جائے بحالیکہ بعض سلطنتوں میں قدرتاً اور جائز طور پر فوج محدود مقدار میں ہوتی ہے یہ بات سریع الفہم ہے کہ فرانس کو یورپ کی بڑی فوجی قوموں میں اپنا پورا احساس کرانے کے لئے ہر طرح کے زور لگانیکی ضرورت ہے۔ اُسکی پرشکوہ تاریخ ماضیہ نے اُسکے اندر بڑی سیاسی دعاوی کی پرورش کی ہے اور ان دعاوی کو وہ بغیر جنگ و جدل سے نہیں نکال سکتا اگرچہ اب وہ باعتبار آبادی و باعتبار اہمیت بین الاقوامی جائز نہیں ہیں۔ فرانس نمایاں مثال اس بات کی ہے کہ وہ اعلیٰ معیاروں کے لئے اپنے آپکو وقف کر دیتا ہے اور اسبات کی کہ وہ سیاسی و اخلاقی فرایض کا ایک شاندار تصور قایم کرتا ہے۔

دیگر سلطنتہائے یورپ مثلاً فرانس میں جنگی تیاریوں کا طریقہ اور حد خارجی و داخلی سیاسی حالات و دعاوی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انکا وہی ڈھنگ جو ضرورت کے اقتضا سے اختیار کرنا پڑتا ہے اپنے لئے جائز ہوتا ہے سلطنت قومی و تہذیبی نقطۂ خیال سے ایک ٹھوس واحد چیز خیال کیجا سکتی ہے۔ انسانی تربیت کی ترقی میں اُس کے ذمہ عظیم الشان فرایض ہو سکتے ہیں اور اُس میں اپنی خود مختاری کی حفاظت اپنے اغراض کا تحفظ اور خاص حالتوں میں باوجود مخالفت اقوام دیگر اپنے مشن و سیاسی اسکیموں کا بچاؤ ہوتا ہے۔ کسی میں ممکن ہے کہ افرادی قومی زندگی کے حالات و عناصر تربیت ہوں وہ ان وسائل سے محروم ہو جو دفاع و قیام وجود سیاسی کے لئے ضروری ہیں اور تنہا مخالفت کے مقابلہ میں اپنا تحفظ نہ کر سکے۔ ان دونوں سلطنتوں میں بڑا فرق ہے۔

آخر الذکر جیسی سلطنت کو ہمیشہ کم و بیش اپنے قوی تر ہمسایوں کی دوستی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے خواہ وہ عام قانون کی روسے پوری خود مختار ہو یا بین الاقوامی معاہدات سے اُس کی غیر جانبداری کا اعلان ہو گیا ہو۔ اگر ایک طرف سے اُس پر حملہ ہوگا تو دوسری طرف سے

اُس کو مدد ملنے کی توقع ہی آیا یہ سلطنت بہ حیثیت سلطنت قائم ہے اور کن شرائط سے اسکا انحصار آنیوالی جنگ پر اور اُس سیاسی حالت پر ہی جو اُس سے پیدا ہونے والی ہی اور یہہ ایسی باتیں ہیں جو اُسکے دائرۂ اختیار سے بالکل خارج ہیں۔

اس صورت میں یہ سوال ہو سکتا ہی کہ آیا ایسی سلطنت کو سیاستاً حق حاصل ہی کہ وہ امن کے زمانہ میں اپنے شہریوں سے بڑی سے بڑی فوجی کوششوں کی اور اُسی مناسبت سے بڑے مالی صرف کی طلبگار ہو جنگ میں اُسکی شرکت تو ضرور ہو گی۔ اور شاید وہ خود ہی مالِ غنیمت بنے پس اصولاً اُس کے لیئے بہتر ہو گا کہ بڑی سے بڑی ممکن فوجی قوت فراہم کرے مگر اس سوال کا ایک اور پہلو ہی جو کم از کم قابل بحث ہی۔ ایسی سلطنت کی فوج اس قدر قلیل ہو سکتی ہی کہ اس زمانہ کے لاکھوں کے مقابلہ میں وہ صفر ہو۔ برخلاف ازیں اگر کسی ایسی سلطنت میں کوئی معقول فوج ہو تو یہ بہتر ہو گا کہ کسی فیصلہ کن معرکہ آرائی کے لیئے اُس کو آراستہ نہ کیا جائے بلکہ فوجی تیاری کے معاشرتی اغراض پیش نظر رکھکر اصلی جنگ میں دفاعی پالسی جسکا منشا روقت گذارنا ہو اختیار کیجائے۔ حتیٰ کہ مددگار اتحادی آجائیں جن پر آخر فیصلہ کا انحصار ہی۔ جس غرض کیلیئے یہ فوج رکھی گئی ہی اگر اُس کا پورا کرنا مقصود ہی تو اس فوج کو خوب زبردست بنانا لازم ہی۔ یہ فوج ایسی ہو کہ متوقع اتحادیوں کو اُس کے پر اثر اضافہ سے دشمن پر یقینی فوقیت ہو جائے۔ اُس صورت میں اتحادیوں کو لامحالہ اس ماتحت سلطنت کے فوائد کا لحاظ کرنا لازم ہی۔ مقامی حالات۔ جغرافیائی موقع و قدرتی ملکی ساخت کے ساتھ اتحادیوں کی فوج کا اس سلطنت کے لشکر پر ایک خاص اثر ہو گا۔ جب یہ مختلف حالتیں ہیں تو یہی اُمید کیجا سکتی ہی کہ فوجی نظامات بھی نہایت مختلف الاقسام ہوں اور درحقیقت یہی حالت ہی بھی۔ سوئیٹزرلینڈ کے کوہستانی ملک میں جسکو جرمنی۔ فرانس اور اٹلی کے سیاسی و فوجی حالات کا لحاظ کرنا پڑتا ہی جنگ کی تیاریوں کی صورت ہالینڈ سے بالکل مختلف ہے جو ساحل پر واقع ہی اور بیشمار آبی راستوں سے محفوظ ہی اور جسکی سیاسی خودمختاری پر جرمنی کی

بڑی اور انگلستان کی بحری فوج کا اثر ہے۔

ایسے ملک کے لئے صورتِ حالات بالکل اور ہے جس کو اپنے ہی قوت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ قیاسی دشمنوں اور فرضی اتحادیوں کی قوت اُسکے لئے خاص اہمیت رکھتی ہے اور اسکی گورنمنٹ کو اپنی تدابیر اور جنگی تیاریوں میں اُنکی گروہ بندی اور ڈھنگ پر توجہ کرنا چاہیئے مگران تیاریوں کا منشا صرف یہی باتیں نہوں۔ ایک زبردست فوجی قوت کی ضرورت مستقل وغیر مشروط چیز ہے سیاسی ترتیبات و مجموعہ جات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور ممکن اتحادیوں کی امداد غیر متعین و تلون پذیر ہوتی ہے جس پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ خود مختار سلطنت کی فوجی قوت صحیح معنوں میں ایسی ہونی چاہیئے کہ اُس سے وہ فوج قایم رہ سکے جو کسی بڑی مہذب قوم کے اغراض کی حفاظت اور آزادانہ ضروری ترقی کے لئے کافی ہے۔ اگر معاشرتی نقطۂ خیال سے قوم کی ایسی بڑی سے بڑی قربانی میں جس سے قومی فوجی قابلیت قایم ہے پس وپیش ہو تو بلحاظ اُس مقصد کے جو حاصل ہونے والا ہے کوئی وجہ نہیں کہ سیاسی حالات کے لئے وہ اور زیادہ قربانیاں برضا ورغبت گوارا نہ کرے۔ یہ مقصد جسکا ہر فرد کو احساس ہونا لازم ہے اگر حقیقی تدبّر کے لحاظ سے دیکھا جائے اُن حالات پر حاوی ہے جو نہ صرف ہر متنفس شہری کی معاشرت کے لئے بلکہ سلطنت کے سیاسی و اخلاقی مستقبل کیلئے فیصلہ کن ہیں۔

وہ تہذیب جو بذاتہٖ قابل قدر اور اسلئے نوعِ انسان کی ترقی کا ایک اہم جزو ہے صرف وہاں سرسبز ہو سکتی ہے جہاں قوم کی کل صحیح اور محرک قابلیتوں کو بین الاقوامی مقابلہ میں کافی میدان ملتا ہے۔ افرادی قابلیتوں کے لئے روک اور قوی عمل کے لئے بھی یہی ضروری شرط ہے۔ جہاں قدرتی صلاحیتِ نمو ہمیشہ خارجی واقعات سے روکی جاتی ہے سلطنت بڑھنے سے رہجاتی اور افرادی نمو پیچھے ہٹا دیا جاتا ہے۔ بڑھنے والی سیاسی قوت اور اُسکی وجہ سے متعدد امکاناتِ عمل بس یہی ایک قوی قوم کی دماغی و اخلاقی طاقت کے لئے زوردار زمین ہے۔ جیسا تاریخ کی ہر حالت سے ظاہر ہے۔

پس ایک صحیح قوم کے لیئے اول تربیت کی خواہش کو سیاسی قوت کی خواہش کی صورت میں ظاہر کرنا چاہیئے۔ اور تدبر کا سب سے بڑا فرض ہے کہ اس قوت کو حاصل کرکے محفوظ رکھے اور بڑھائے۔ آخر درجہ پر ہتیاروں کے زور سے حفاظت کرے اس صورت سے پہلا اور سب سے زیادہ ضروری فرض ہر بڑے مہذب قوم کا جنگ کی تیاری ہے۔ اُس پیمانہ پر جو اُسکی سیاسی ضروریات کے ہم پلہ ہے۔ حتیٰ کہ دشمن کی فوقیت بھی اس کام کی انجام دہی سے بری نہیں کرسکتی۔ برخلاف ازیں اس فوقیت سے انتہائی فوجی کوششوں اور نہایت سرگرم سیاسی عمل کا جوش پیدا ہونا چاہیئے تاکہ ایک فیصلہ کن معرکہ کے انجام کے واسطے موافق صورتیں پیدا ہوجائیں۔ زمانہ حال کی لڑائی میں پہلے سے بھی زیادہ محض کثرت تعداد کسی شمار میں نہیں اگرچہ ہمیشہ پوری فوج کا وہ ایک جزو اہم ہوتی ہے۔ مگر خاص حدود کے اندر جو قانون اعداد بنائے گئے ہیں فوقیت کا حقیقی عنصر بڑی فوجوں کے نظام حال کے مطابق روحانی و اخلاقی طاقت ثابت ہوا ہے۔ اور ایک قلیل مگر دلسے لڑنیوالی فوج اچھے کمانیر کے زیرکمان کثیر لشکر کو شکست دیسکتی ہے جنگ روس و جاپان نے ایکبار پھر اس کا ثبوت دیا ہے۔

ہم یہ فرض کیئے لیتے ہیں کہ فوجی قوت کی ترقی ہر سلطنت کا سب سے پہلا فرض ہے مگر چونکہ اور کل باتوں کا انحصار قوت کے احساس کرلینے پر ہے اسلیئے یہ لازمی نہیں ہے کہ سلطنت اپنے کل جانی و مالی وسائل محض فوجی طاقت پر فوج اور بیڑے کے محدود معنی میں صرف کرے یہ نہ تو ممکن ہے نہ نافع۔ قوم کی فوجی قوت کا فیصلہ ان خارجی وسائل سے نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ جسمانی۔ روحانی۔ اخلاقی۔ مالی اور عناصر قوت کی باقاعدہ ترقی پر مشتمل ہے اعلیٰ سے اعلیٰ اور نہایت باا‌ثر فوجی نظام کو ترقی نہیں ہوسکتی۔ تا وقتیکہ یہ کل اجزا اُسکے ساتھ ملکر کام نہ کریں۔ اس نظام کو باا‌ثر ہونے کے لیئے وسیع اور خوش ترکیب بنیاد کی ضرورت ہے۔ جنگ منچوریا میں جب جاپانیوں کی حملہ آورانہ قوت ختم ہوچکی تھی روسی فوجی نظام

بیٹھ گیا تھا کیونکہ اُس کی بنیاد ناپائیدار تھی۔ سلطنت پر سیاسی و اخلاقی تنزل مسلط تھا اور فوج بھی انقلابی خیالات میں آلودہ تھی۔

جنگی تیاریوں کی نوعیت و مقدار کا فیصلہ فوجی قابلیت کے قیام کی سوشل احتیاج اور قیام کی سیاسی ضرورت سے ہوتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ اس معیار کا اندازہ بہ پابندی خیالِ فرائضِ سلطنت مختلف طور پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً جرمنی میں نہایت سخت مباحثات اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جب کبھی جنگی فوجوں کے نظم کا سوال پیش ہوتا ہے۔ کیونکہ فرائض سلطنت و فرائض فوج کے متعلق نہایت کثرت سے مختلف رائیں ہیں۔

سلطنتوں کے فرائض کا ایسا ضبط و تعین کہ کسی اور نقطۂ خیال سے اُن پر رائے زنی نہو سکے درحقیقت ناممکن ہے۔ جمہوریت پسند جس کے نزدیک شورش بذاتہٖ ایک غرض ہے سلطنت کے فیوض کو اور نظر سے دیکھے گا برخلاف سیاسی شوقین کے جس کی بسر اوقات تولُّل پر ہے اور جو معاملات کے تعلقات کو صاف نہیں سمجھتا۔ یہی حال اُن متین مدبر کا ہے جسکو قوم کی بہبودی کا خیال ہے اور جس کی آنکھیں اُفق مستقبل کے میناروں کی روشنیوں پر لگی ہوئی ہیں۔

تاہم بعض نکات اس کے متعلق بیان کئے جاسکتے ہیں جو اصلیت واقعات پر مبنی ہیں اور اسلئے ان اہم معاملات کے متعلق کسی بیقاعدہ فیصلہ کو روک سکتے ہیں یہ نکات درحقیقت صاف دماغی و تجربہ کار غور کرنے والوں کی ترغیب کے لئے بہت موزوں ہیں۔ اوّل یہ بات دیکھنے کی ہے کہ موجودہ سیاسی دنیا میں فوجی قوت دفعتاً نہیں تیار کیجاسکتی چاہے اُسکے لئے کل عناصر فراہم ہوں۔ اگرچہ سلطنت جرمن میں ساڑھے چھ کروڑ باشندے ہیں اور اسکے مقابلہ میں فرانس میں چار کروڑ ہیں مگر آبادی کی یہ بیشی محض بمنزلہ مردہ سرمایہ کے ہے جب تک اسی نسبت سے ہر سال رنگ روٹ بھرتی نہوں اور جب تک امن کے زمانہ میں ضروری کل اُسکے نظم کے لئے نہ لگائی جائے۔ یہ خیال کہ ضرورت کے وقت یہ لشکر کام دیگا دھوکا ہے۔ اگر اس لشکر کو بلا تربیت کے نازک موقع پر جنگ میں بھیجدیا جائیگا تو اس سے

فوج کی مضبوطی نہیں بلکہ کمزوری ہوگی جنگ کہ اس کے لئے خطرہ ہوگا یورپ کی ([illegible])
کی معرکہ آرائی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تدابیر سے کیا توقع کیجا سکتی ہے چونکہ زمانہ حال میں معاملات
پیچیدہ ہوگئے ہیں ہنر و آلات حرب میں متواتر ترقی ہوتی ہے اور سپاہی کے کام بڑھ گئے ہیں
لہذا اعلیٰ فوجی قابلیت حاصل کرنے کے لئے طویل اور تفصیلی تیاریوں کی ضرورت ہے۔ اس کی
طرف شروع باب میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ۳۰ سنٹیمیٹر کی توپ کی تکمیل میں ایک سال لگتا ہے۔
اگر کسی خاص وقت پر اس سے کام لینا ہے تو اس کی تیاری کا حکم بہت پہلے سے ہونا چاہیئے
جس پہ فوج کی تیاری کا فیصلہ اب ہو رہا ہے اسکا پورا اثر رزرو (Reserve) اور
([illegible]) کی فہرستوں میں کہیں برسوں میں جاکر ہوگا۔ جس رنگروٹ نے
آج ملازمت شروع کی ہے اس کو کارآمد سپاہی بننے کے لئے ایک سال کی تعلیم درکار ہے
قایم مقام رزرو د نکی شتابی کی تعلیم اور اسی قسم کی ترکیبوں سے ہم سنگین تیاریوں کی ضرورت
کے متعلق اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ ہمیں حال ہی کا خیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ استقبال
پر بھی نظر رکھنا لازم ہے۔ یہی دلیل سیاسی حالات پر بھی چسپاں ہوسکتی ہے۔ وہ شخص
جس کے ہاتھ میں غالب حصہ اس جنگ کی تیاریوں کا ہے جس کا انحصار زمانہ کی سیاسیات
کے غیر متصل تبدیلیوں پر ہے اور جو فوج کی تیاری میں سستی کرنا چاہتا ہے اس وجہ سے کہ
سیاسی افق پر بادل نہیں ہیں جو زیادہ جد وجہد کے متقاضی ہوں ایسا شخص کل حقیقی تدبر
کے خلاف عمل کرتا ہے اور اپنے ملک کا گنہگار ہے۔

نازک موقع فیصلے کے لئے نہیں ہیں۔ بڑے سیاسی حوصلے۔ مخالفتیں اور کشیدگیاں
جو اصلیت واقعات پر مبنی ہیں ایسی چیزیں ہیں جو پلہ میزان کو بدل دیتی ہیں۔

جب شاہ ولیم نے ۱۸۶۰ء کے ابتدا میں فوج پرشیا کی دوبارہ آراستگی شروع کی
تو اسوقت کسی کشیدگی کا وجود نہ تھا۔ ۱۸۵۹ء کا نازک موقع اسوقت دب گیا تھا۔ مگر بادشاہ
نے دیکھ لیا تھا کہ پرشیا کا لشکر آیندہ کی ضروریات کیلئے ناکافی ہے۔ بڑے جھگڑے کے بعد

اُس نے فوج کی جدید آرستگی کی اپنی رعایا سے جبریہ منظوری لی اور اس کارروائی نے وہ بنیادیں ڈالدیں جنکے بغیر ہماری سلطنت کی عظیم بالشان ترقی کی ابتدا ہرگز نہوتی۔ اس حقیقی تدبّر کے جوش سے شاہنشاہ ولیم ثانی نے زور کے ساتھ ہمارے بیڑے کی ترقی کو مدد اور وسعت دی ہی بغیر اس کے کہ کسی سیاسی ضرورت کا دباؤ ہو۔ رعایا کی دلی امداد اُنکے ساتھ ہی کیونکہ جو اصلاح اُن کا مدعا تھی اُس کو کل رعایا نے اپنی مسلمہ آیندہ ضرورت مان لیا اور تسلیم کرلیا کہ وہ قدیم جرمن خیال کے موافق ہی۔ گو بلا لحاظ اثرات سیاسی زمانہ جنگی تیاری کی تکمیل ہوجانی چاہیئے مگر قیاسی دشمنوں کی فوجی قوت کی ایک حد ہی جس سے نیچا درجہ بلا قومی عافیت کو خطرہ میں ڈالے سلطنت اختیار نہیں کرسکتی اور یہ کہ سلطنت کا فرض ہی کہ جدید سائینس کی کل دریافتیں جس حدتک وہ جنگ میں کام دے سکیں اپنی تیاری میں شامل کرے۔ کیونکہ اگر یہ کل ترکیبیں اور حربی انجن دشمن کے قبضہ میں ہوئے تو اُس کو نمایاں فوقیت ہوجائیگی۔ یہ کھلی ہوئی ضرورت ہی کہ جہانتک ممکن ہو جدید تعلیم سے واقف کار فوجیں میدان جنگ میں لائی جائیں اور اُنکی کارروائیوں میں سائینس اور کلوں کے ہر ذریعہ سے سہولیت پیدا کیجائے۔ ماسوا اسکے فوج اتنی بڑی ہو کہ اُس سے ایک قومی اسکول بنجائے جہیں پوری نہ کہ محض سطحی فوجی قابلیت پیدا ہو۔ آخر میں تیاری جنگ کی نوعیت ایک حدتک سلطنت کی سیاسی حالت کی پابند ہی۔ اگر سلطنت کے سیاسی حوصلے پورے ہوگئے اور اُس کو اپنی جگہہ قائم رکھنے کی خاصکر ضرورت ہی تو اُس کی فوجی پالیسی کم و بیش دفاعی قسم کی ہوگی۔ برخلاف ازیں اُن سلطنتوں کو حملہ آورانہ غالب نظام فوجی اختیار کرنا چاہیئے جو ابھی پھیلنے کی خواہشمند ہیں یا جنپر مختلف اطراف سے حملے ہونیکا اندیشہ ہی۔ اس صورت میں جنگ کی تیاریاں غیر مبہم طریقوں پر ہونا چاہیں جو ضرورت اور واقعات سے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر باایہمہ بہت سی شخصی رایوں کے لئے وسیع میدان ہی بالخصوص وہاں جہاں سلطنت کے یقینی فرایض بحث

طلب ہوں۔ اور یہ فرایض زبردست خارجی پالسی کا باعث ہوسکیں اور اس صورت سے حملہ آورانہ جنگ کا بھی۔ اور جہاں تیاریٔ جنگ کے متعلق الگ الگ رائیں ہوں۔ اس صورت میں مدبّر کے لئے ترغیب ہی ایک وسیلہ ہی اور اُس کو اپنی ضروری پالسی کی وضاحت و تائید ایسے روشن الفاظ میں کرنا چاہیئے کہ کثرتِ قوم اسکی رائے سے اتفاق کرے۔ ہمیشہ اور ہر جگہ ایسی حالتیں ہوتی ہیں جو مخصوص ترغیبیں رکھتی ہیں اور جنکا عوام کے دماغ و حیات پر بڑا اثر ہوتا ہی۔

سمندر پر قابو رکھنے کے قیام کی ضرورت کا نقش ہر انگریز کے دل پر ہی کیونکہ اُنکو احساس ہی کہ اس پر نہ صرف ملک کی موجودہ زبردست حیثیت کا انحصار ہی بلکہ بحالتِ جنگ آبادی کی پرورش کا بھی دارومدار ہی۔ بیڑے کے لئے جو قربانی کیجائے کم ہی اور خارجی بحری فوجوں کا ہر اضافہ عام رائے کو خاموش کر دیتا ہی۔ فرانس بھی سوائے چند مخالف جنگ حلقوں کے دُگنی کوشش سے سلطنت کی حیثیت کے قوی کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتا ہی۔ وہ حیثیت جس کو ۱۸۷۰ء کی شکستوں سے لغزش ہو گئی تھی۔ اور یہ مدعا قابل تعریف کثرت اتفاق سے حاصل کیا جا رہا ہی۔

حتیٰ کہ غیر جانبدار سوئیٹزرلینڈ میں بھی یہ احساس کہ سیاسی خودمختاری کا انحصار بین الاقوامی معاہدات پر اتنا نہیں ہی جتنا کہ خود اپنی حفاظت کے امکان پر ہی اس قدر قوی اور عام ہو رہا ہی کہ قوم بھاری ٹکس فوجی تیاری کے لئے برضا و رغبت برداشت کرتی ہی۔ جرمنی میں سلطنت کے عظیم الشان فرایض کے متعلق تمام احساس پیدا ہونا ممکن ہی۔ بشرطیکہ ہمارے سیاست دان (بلا حیلہ حکمت عملی جس سے کوئی باہر والا تو دھوکے میں نہیں آتا مگر ہمارے گھر والوں کو ضرر پہنچتا ہے) اصلی سیاسی حالت اور ہماری پالسی کی ضروری مقاصد کو ظاہر کر دیں۔ یہ یقینی امر ہی کہ اُن کو عام رائے کے اتفاق سے جنگ کے مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہیئے جیسے شاہ ولیم اوّل نے کیا تھا۔ کیونکہ جس صورت میں عام رائے کسی قوی الارادہ شخص

یا مجبور کرنیوالی ضرورت کے قابو میں نہیں ہی تو بہت سے مختلف الاقسام اثرات سے آسانی کیساتھ بیراہ ہوجانیکا امکان ہی۔ یہ خطرہ بالخصوص ایسے ملک میں زیادہ ہی جو جرمنی کی طرح اندرونی و بیرونی اعتبار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو۔ ایسی حالت میں جو شخص عام رائے کی پابندی کرے وہ سلطنت اور قوم کے اغراض کو بڑا بھاری ضرر پہنچانے کے خطرہ میں ہی۔

حقیقی تدبّر کا ایک اصلی اصول یہ ہی کہ عارضی فوائد کے لیے مستقل اغراض کو کبھی نہ ترک کیا جائے نہ نقصان پہنچایا جائے۔ عارضی فوائد مثلاً ٹیکس کے باروں کو ہلکا کرنا۔ عارضی طور پر امن قائم رکھنا یا اسی قسم کے وسیع فوائد واقعات پیش آنے کی حالت میں اکثر صریح نقصانات ثابت ہوئے ہیں۔

لہٰذا ایسے مدبّر کو جو نہ عام رائے سے بیراہ ہو نہ مادی مخالفانہ مشکلات سے پریشان ہوجائے نہ ہموطنوں کے واجب الاداقربانیوں سے ڈرے ان اغراض کو بہ احتیاط مدِ نظر رکھنا چاہیئے جبتک ممکن ہو مخالفانہ اغراض میں موانست اور ان کو اپنے اغراض سے ملانیکی کوشش کرے مگر جب جہتم بالشان اصولی معاملات مثلاً عام فوج کی واقعی تیاری یا ایسے ضروریات جن پر مستعدی جنگ کا انحصار ہی زیر تجویز ہوں تو بغرض اجتماع افواج جنگی سلطنت کو ضرورت ہی یا آیندہ ہوگی اُسکو زبردست تدابیر سے نہ جھجکنا چاہیئے۔

ایک نہایت ضروری سیاسی فرض یہ ہی کہ جنگ کی تیاریوں کی ابتدا و منظوری اُس پیمانہ پر کیجائے جو حالات موجودہ کے ہم پلہ ہو۔ اُنکی قابلانہ ترتیب فوجی حکام کا فرض ہی۔ وہ فرض جسکا تعلق ایک اعتبار سے دائرہ فنِ صف آرائی سے ہی کیونکہ جو فوج میدانِ جنگ کیلئے بنتی ہی اُس سے کمانیروں کو ہی سروکار ہوتا ہی۔ پالیسی و صف آرائی اس دائرہ میں ملجاتی ہیں پالیسی کو صف آرای کا فرض بھی انجام دینا ہوتا ہی۔ کیونکہ وہ جنگ کی تیاریوں کی منظوری دیتی اور اُن کے حدود مقرر کرتی ہی۔

لہٰذا تدابیر وصف آرائی کے نقطہ خیال کو مدِ نظر نہ رکھنا اور جنگی تیاریوں کے غالب

حصّہ کو عارضی مالی وسائل پر منحصر کر دینا سیاسی کمزوری کا مہلک و احمقانہ فعل ہے۔
"کوئی صرف بغیر ضمانت نہو" وہ گر ہے جس سے یہ پالسی ملبوس ہے۔ یہ پالسی اُسی حالت
میں جائز ہے جب ضمانت کا تعین صرف سے کیا جائے۔ کسی بڑی سلطنت میں جیسا کہ
(Traits of Ko) ہمارے بڑے مؤرخ و قومی سیاست دان کا قول ہے صرف کا فیصلہ
اُن فرایض سے ہونا چاہیئے جو واجب العمل ہیں اور بڑا وزیر مال وہ شخص نہیں ہے جو قومی
حسابات کا موازنہ قومی افواج کی پس اندازی سے کرے۔ دراں حالیکہ سیاسی حیثیت سے
ناگزیر صرف کو پس پشت ڈالدے بلکہ بڑا وہ ہے جو قوم کی کل زندہ قوتوں کو متحرک کرکے
اُن میں شگفتگی چستی و چالاکی پیدا کرے اور اُن سے قومی اغراض کے لئے ایسے کام لے کہ
محاصل سلطنت مسلمہ مطالبات سیاسی کے لئے کافی ہو۔ اُسکا یہ مدعا اسوقت پورا ہو سکتا ہے
کہ وہ وزرائے تجارت۔ زراعت۔ حرفت و نوآبادیوں کے ساتھ ملکر اتفاق سے کام کرے
اس غرض سے کہ وہ قیود جو کسی فرد کی اولوالعزمی و ہمت کی راہ میں حائل ہیں دُور ہو جائیں
کل چیزیں جو بیکار پڑی ہیں منفعت بخش بنجائیں اور انتفاعی کاروبار کے لئے اچھی صورتیں
نکل آئیں۔ اگر سلطنت کو اپنے موجودہ و آیندہ فرایض کی تکمیل منظور ہے تو اُس کی کل
پیداواری و مالی حلقوں میں ایک بڑی تحریک کا زبردست جوش ہونا چاہیئے۔

لہذا تیاری جنگ جس کے لئے آجکل بہت کثیر مصارف کی ضرورت ہے قوم کی کل
معاشرتی و سیاسی زندگی اور سلطنت کی مالی پالسی پر نمایاں اثر رکھتی ہے۔

باب ہفتم

ہماری جنگ مابعد کی نوعیت

قوم کی قوت کو (خود اُس کے ذاتی تحفظ کے لئے) برقرار رکھنے کی تمدنی ضرورت۔ نیز سلطنت کے سیاسی دعاوی جنکو وہ پیش کرنے کا حق رکھتی ہی اور قرین قیاس دشمنوں کا حاسدانہ اجتماع وہ خاص امور ہیں جن سے شرائط تیاری جنگ کا تعین ہوتا ہی۔

میں نے بالتفصیل و بالترتیب پالسی و ترقی کے ذیل میں اُن فرایض کو بیان کردیا ہی جو ہماری تاریخ و ہمارے قومی خصائل سے ہم پر عاید ہوتے ہیں۔ اُس کے بعد میرا کام اُن ممکن الخیال فوجی اجتماعات پر غور کرنا ہی جنکے مقابلہ کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیئے۔

بس اسی طریقہ سے ہم اُن خطرات کا اندازہ کرسکتے ہیں جو ہمارے لئے باعث تہدید ہیں اس سے اس بات کی بھی جانچ ہوجائیگی کہ ہم اپنے سیاسی اغراض کو کس حد تک کامیابی کے ساتھ پورا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان مخاصمانہ مدِ مقابل کی تحریکات کے ادراک سے جنگ مابعد کے متعلق ہم کو پوری بصیرت حاصل ہوسکتی ہی۔ اور یہ جنگ ہمارے مستقبل کے لئے فیصلہ کُن ہوگی۔

اپنے آیندہ مخاصمین کی صرف جنگی تعداد کا جاننا ہی کافی نہیں ہی اگرچہ یہ علم بھی ضروری بنیاد ہی جس پر ہم اپنی اور تحقیقات قایم کرسکتے ہیں لیکن حقیقتاً ہمکو سخت سے سخت مخاصمت اور دشمنوں کی قابلیت کا تصور اپنے دل میں قایم کرنا چاہیئے دشمنی کا اندازہ بھی ایک دوسرے

سیاسی مقاصد اور قومی مخالفت کے اعتبار سے لازم ہی نیز رقیبوں کی فوجی قابلیت کے متعلق ہماری رائے تازہ ترین معلومات پر مبنی ہونا چاہیئے۔

اگر ہم جُدا جُدا و نیز بحیثیت مجموعی دول متخاصم کی افواج پر نظر ڈالیں تو نتائج مندرجۂ ذیل ہونگے۔ فرانسیسی وزیر مال کلوٹز ( ) کی تازہ اطلاعات کی رو سے جو اُسکی ایک تقریر میں شامل نہیں (جو اسنے اسو دن میں ایک جنگی یادگار کے افتتاح کے موقع پر کی تھی) فرانسیسی فوج کی تعداد بزمانۂ امن ۱۹۱۱ء میں پانچ لاکھ اسّی ہزار تھی۔ اس میں نوآبادیوں کا کور متعینہ فرانس بھی شامل تھا جو بحالت جنگ یورپ میدانی فوج و نیز اس مددگار فوج سے متعلق ہی جو تیس ہزار کے قریب غیر تربیت یافتہ اور بلا ہتیار رکے جنگ کیواسطے بھرتی کر لی گئی تھی۔ وزیر موصوف کی اطلاع کے موافق کل جنگی عملہ مع میدانی اور محفوظ فوج کے اٹھائیس لاکھ آدمی ہیں جو بوقت تیاری جنگ و اجتماع افواج فراہم ہو سکتے ہیں۔ لیکن انہیں اس اجتماع کیوقت کچھ کمی کرنا چاہیئے یہ کمی فرانسیسی ذرایع سے بیس فیصدی ہی۔ لہٰذا کل فرانسیسی میدانی فوج اور محفوظ فوج کا تخمینہ تیس لاکھ کیا جا سکتا ہی۔

انہیں حسابا مجھے اُس ذریعہ سے معلوم ہوا ہی ستّرہ لاکھ نوآبادیوں کی فوج معہ اُنکی محفوظ فوج کے اور شامل کیجائے جس میں سے پچیس فیصدی یا تخمیناً ساڑھے چار لکھ خارج کر دیئے جائیں۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ہتیاروں کی تقسیم بحالت جنگ امن کی تقسیم کے مطابق ہوگی تو جُدا جُدا ہتیاروں کی تعداد کے لحاظ سے جسکی گنجایش ۱۹۱۱ء کے بجٹ میں رکھی گئی تھی تئیس لاکھ میدانی اور محفوظ فوج میں ہتیاروں کی تقسیم اس طرح ہوگی۔ پلٹن کو تقریباً پندرہ لاکھ تیس ہزار۔ رسالہ کو تقریباً دو لاکھ تیس ہزار (کیونکہ بڑا حصہ اس ہتیار بند محفوظ فوج کا باربرداری کے کام میں رہتا ہے) توپخانہ کو تقریباً تین لاکھ اسّی ہزار۔ سفرمینا کی پلٹن کو قریباً ستّر ہزار۔ ریل اور انتظامی کاموں کے لیے (ریل۔ کالم۔ شفاخانہ وغیرہ) نوّے ہزار ان اعداد میں اس سے زیادہ بیشی کی گنجایش نہیں ہی کیونکہ فرانس میں نوّے فیصدی آدمی جو قابل خدمت تھے بُلا لیئے گئے ہیں اور شرح

پیدائش برابر گھٹ رہی ہے۔ ۱۸۷۰ء میں یہ شرح نو لاکھ چالیس ہزار سالانہ تھی ۱۹۱۰ء میں گر کر سات لاکھ نوے ہزار رہگئی ہے۔ خود فوج کو سبکدوش کرنے کے لئے بمقابلہ سابق نوکری کیلئے معیار لیاقت کم کر دیا گیا ہے اور کثیر التعداد چھوٹی چھوٹی جگہیں (کلرک۔ خدمتگار) کم لیاقت لوگوں سے پُر کیجاتی ہیں۔

ان صورتوں میں نئے ذرائع کے دروازوں پر دستک دینے کی ضرورت پڑی۔ اور یہ ترکیب کی گئی کہ فوج کی تعداد باشندگان الجیریا و ٹیونس کی بھرتی سے بڑھائی جائے تاکہ بحالت جنگ یوروپین فوج کی قوت انھیں ملاکر زیادہ ہو جائے۔ اسی کیساتھ حبشی جو نفیس اور قابل اعتماد عنصر ہیں مغربی افریقہ میں بھرتی کئے جاتے ہیں۔ محدود جبریہ بھرتی کا طریقہ جیسا ٹیونس میں ہے الجیریا میں بھی جاری ہونے والا ہے۔ ابتداءً حبشیوں کی فوج اُن لوگوں سے پُر کیجائیگی جو خود اپنی خوشی سے داخل ہوں اور جبریہ بھرتی کا طریقہ نازک موقع پر عمل میں لایا جائیگا۔ یہ حبشیونکی فوج اور الجیریا اور ٹیونس کے قلعوں میں رکھی جائیگی تاکہ اُس فوج کو یورپ میں جنگ کیلئے سبکدوش کردے جس کی تعیناتی اُن قلعوں میں ہے۔ یہ بھرتی شدہ حبشی چونکہ کافر ہیں خیال ہے کہ اُن کا وزن مسلمان باشندوں کے ساتھ ٹھیک رہیگا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حبشیوں کی فوج شمالی افریقہ کی گرمی کو خوب جھیل لیتی ہے اور بڑی کارآمد فوج ہے۔ دو حبشی بٹالینوں متعینہ شاجا (   ) نے جو فیز (   ) کے دھاوے میں شریک تھیں گرمی کو خوب برداشت کیا اور پورے طور پر مفید ہوئیں۔ اس میں شک نہیں اس تدبیر پر زور کے ساتھ عمل کیا جائیگا اور اس میں ہر طرح کامیابی کی اُمید ہے۔ ابتک یہ ابتدائی حالت میں ہے۔ باشندگان الجیریا و حبشیان مغربی افریقہ سے فوجی خدمات لینے کے متعلق گورنمنٹ نے قانونی تجاویز ابھی پالیمنٹ کے روبرو پیش نہیں کی ہیں۔ یہ نہیں معلوم کہ دیسی اور حبشیوں کی فوج کی تعداد کہاں تک بڑھائی جائے گی۔ سابق وزیر جنگ میسمی (   ) نے دیسی اہل الجیریا کی تھوڑی جبریہ بھرتی کی رائے دی تھی۔ اٹھارہ سال کے مرد فوجی خدمت کے لئے الجیریا میں ہر سال بھرتی

کئے جاتے ہیں۔ اس غرض کے لئے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا اس نے ۱۹۱۱ء میں اطلاع دی تھی
کہ باقاعدہ فوج اور محفوظ فوج میں محدود خدمت کے اجرا کے بعد الجیریا اور ٹیونس میں ملاکر تقریباً
ایک لاکھ سے ایک لاکھ بیس ہزار دیسی سپاہی بروقت جنگ فراہم ہوسکیں گے۔ انسے یورپ
میں بھی کام لیا جاسکتا ہی۔ گویا یہ فوج تین زبردست آرمی کورسے جنھیں اول درجہ کے سپاہی ہیں
دریائے رائن والی فوج کی تعداد بڑھانے کے لئے ہی۔ اور اس فوج کی تعداد کئی سال میں
محفوظ فوج کی ترکیب سے بہت بڑھ جائیگی۔ حبشی فوج کی حالت اور ہی۔ فرانس کے پاس مغربی
افریقائی مقبوضات کی فوج کو ملاکر سولہ ہزار حبشی ہیں۔ چونکہ حبشیوں کی آبادی ایک کروڑ سے
ایک کروڑ بیس لاکھ تک ہی یہ تعداد بہت بڑھ سکتی ہی۔ جنوبی الجیریا میں تجربہ کیلئے سینی گال
کے گولندازوں کا ایک بٹالین دستہ ہی سنہ ۱۹۱۰ء میں تیار کیا گیا ہی اور سنہ ۱۹۱۲ء کے مسودہ
بجٹ جنگ میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ سینی گالیوں کا ایک دوسرا بٹالین الجیریا منتقل کردیا
جائے۔ ہم اس نتیجہ پر پہونچنے کے لئے مجبور ہیں کہ حبشی فوج کو زیادہ تعداد میں الجیریا بھیجنے کی
تجویز پر زیادہ عملدرآمد ہوگا۔ مگر سردست امید نہیں کہ حبشی فوج کثیر تعداد میں شمالی افریقہ بھیجی
جائے کیونکہ ابھی کافی تعداد میں تربیت یافتہ آدمی فراہم نہیں ہوئے ہیں۔ سینیگالیونکی رجمنٹ
نمبر ۱ و ۲ و ۳ متعینہ سینی گیمبیا کی تعداد اتنی نہیں ہی کہ ان سے سنگالی فوجوں متعینہ افریقائی
نوآبادیہائے فرانس کی تعداد پوری ہوسکے اگرچہ فرانس اس میں شک نہیں حبشیوں کی
زبردست فوج جمع کرسکتا ہی مگر حبشی دستوں کی یوروپین جنگ کے لئے فراہمی ابھی بعید از
ہی۔ مگر اس میں شک نہیں ایکدن ایسا ہونے والا ہی۔

نیز مراکو فوج سے یورپ میں ابھی کام لئے جانیکا احتمال اس سے بھی زیادہ بعید ہی۔
مراکش کے سپاہی بہت اچھے لڑنے والے ہیں مگر سلطان کے اقتدار کا اثر صرف اسی تھوڑے
حصہ پر ہی جو مراکش کہلایا جاتا ہی۔ اسلئے برسوں تک یہ خیال نہیں ہی کہ یہاں کے سپاہیوں سے
وسیع پیمانہ پر کام لیا جائیگا۔ فرانسیسی مراکش گورنمنٹیں ملک پر اثر قایم کرنے اور فرانس کے

مراکش فوج کو سبکدوش کرنیکے لیے سلطان کی بیس ہزار جنگی فوج کے نظم میں مصروف ہیں بسروت مراکش کے الحاق سے فوجی قوت میں کچھ ایسا بڑا اضافہ نہیں ہوا ہی مگر انتظام ہوجانے کی صورت میں ملک رنگروٹوں کا اچھا گودام ہوگا اور فرانس یقیناً اس ذریعہ قوت سے اپنے معمولی جوش سے کام لیگا جس کا اظہار فوجی معاملات میں ہمیشہ ہوتا ہی۔

لہذا کچھ زمانہ تک فرانسیسی یورپین فوج کو صرف الجیریا و ٹیونس کی فوج سے جبریہ بھرتی کا قاعدہ جاری ہوتے ہی مدد پہونچ سکتی ہی۔ اس سے کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار آدمی ملجائیں گے اور ان افواج کی جنگی ترکیبیں ہر ایک شخص کو معلوم ہیں جس نے ویسن برگ ( ) اور ورتھ ( ) کے میدانہائے کارزار میں انکے کارنامے دیکھے ہیں۔ اسکے علاوہ کم از کم ایک دستہ ترکوز کا تو ہر وقت موجود ہی ہی۔

فرانس کے بعد روس کی فوجی طاقت سے ہمیں خاص سروکار ہی۔ چونکہ زمانہ امن و زمانہ جنگ کے عملوں کا حال شایع نہیں ہوا ہی صحیح تعداد معلوم ہونا دشوار ہی۔ فوج کی مختلف شاخوں کی تعداد کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہیں مگر ہر ایک کی مجموعی تعداد کا اندازہ قریب قریب کیا جاسکتا ہی۔ پچھلے تین سال کے رنگروٹوں کے کاغذات سرکاری کی رو سے روسی فوج کی تعداد بحالت امن تیرہ لاکھ چھیالیس ہزار آدمی ہوتے ہیں جنمیں کا سک و سرحدی محافظ فوجیں بھی شامل ہیں = پلٹن اور گل چلوں کے سینتیس آرمی کور ہیں جنکی تفصیل یہ ہی۔ دمحافظ فوج کا ایک۔ گرانیڈیر کا ایک۔ یورپ میں ۲۵ آرمی کور۔ کوہ قاف میں ۳ ترکستان میں ۲۔ سائبیریا کور ۵) رسالہ ڈویژنوں خود مختار برگیڈوں اور جدا جدا خود مختار رجمنٹوں میں تقسیم ہی۔

بحالت جنگ ہر آرمی کور میں دو ڈویژن اور ۴۲ ہزار آدمی ہوتے ہیں۔ ہر پلٹن کی ڈویژن کے برگیڈ دو ہوتے ہیں جنکی تعداد بیس ہزار ہوتی ہی = ایک گل چلوں کی برگیڈ میں نو ہزار آدمی ہوتے ہیں اور رسالہ کی ڈویژنوں میں چار ہزار پانچسو = ان اعداد کے

اعتبار سے کل آرمی کوروں ڈویژنوں - کل چلوں کے برگیڈون اور رسالہ کے ڈویژنوں کی تعداد اٹھارہ لاکھ ہوتی ہے انہیں علیحدہ ترپ اور وہ ترپ جو سرحد یا قلعجات کی حفاظت کیلیئے ہیں اور شامل کرنا چاہیئیں - اس صورت سے کل مستقل فوج کی تعداد اندازاً بیس لاکھ ہوتی ہے -

یہ کل فوج یورپ کے اندر جنگ میں نہیں لائی جا سکتی - سائبیریا اور ترکستان کے آرمی کوروں کو نکال دینا چاہیئے کیونکہ یہ یقیناً اندرون ملک میں اور مشرقی سرحد پر چھوڑ دیئے جائیں گے - اندرون ملک میں نظم قایم رکھنے کے لئے فنلینڈ ( ) میں غالباً ترپ رکھنا پڑینگے - محافظ فوج سینٹ پٹرس برگ میں - کم از کم ایک ڈویژن ماسکو میں اور کوہ قاف کے آرمی کور کوہ قاف میں اس سے تیرہ آرمی کور گویا پانچ لاکھ چھیالیس ہزار آدمیوں کی کمی ہو جائے گی - اسلیئے ہم کو چودہ لاکھ چون ہزار مستقل میدانی فوج سے کام ہوگا اس میں دوسرے وتیسرے بان کی تنو کاسک رجمنٹیں اور شامل کرنا چاہیئیں جنکی تعداد پچاس ہزار ہو سکتی ہے - علاوہ بریں محفوظ اور سلطنت کی محافظ فوجیں بھی بحالت جنگ کام میں لائی جا سکتی ہیں - محفوظ فوج کی تیاری کے واسطے اتنے تربیت یافتہ آدمی ہیں کہ ہر آرمی کور کے لیئے اول اور دوسرے درجہ کا رزرو ڈویژن بن سکتا ہے - ان افواج کے آدمیوں کی تعداد اگر ہر ڈویژن میں بیس ہزار آدمی سمجھیں جائیں - چودہ لاکھ اسی ہزار ہوگی - ان اعداد میں کچھ کمی کرنا ضرور ہے نیز یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ ان ترپوں میں کون سے بروقت اجتماع افواج جمع کیئے جائیں گے - بہرصورت کسی بڑی جنگ کے لیئے کثیر فوج میدان میں اتارنے کیواسطے تیار ہوگی - ان کل فوجوں کو جو اندرون ملک میں چھوڑی جائینگی منہا کر کے بیس لاکھ آدمیوں کی میدانی فوج یورپ میں بآسانی آراستہ ہو سکتی ہے - بہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اتنی بڑی فوج کے لیئے ہتیار رسامان گولی باروت ذخیرہ کافی مقدار میں جمع ہو سکیگا یا نہیں مگر روس جیسی سلطنت کو اس اعتبار سے حقیر

نہ سمجھنا چاہیئے - ایتلاف ثلاثہ کے تیسرے فریق یعنی انگلستان کیطرف رُخ پھیرنے سے بالکل اور ہی تصویر ہمارے پیش نظر ہوتی ہے -

سلطنت برطانیہ فوجی اعتبار سے دو حصوں میں منقسم ہے - ایک خود سلطنت متحدہ مع نوآبادیوں کے جو انگریزی کیبنٹ کے زیر فرمان ہے دوسرے خود مختار نوآبادیاں - نوآبادیوں کے پاس ملیشیا (قومی فوج) ہے - جو بعض اوقات تیاری کی حالت میں ہوتی ہے - لیکن یورپ کے میدان جنگ میں یہ بالکل نظر انداز کیجا سکتی ہیں -

سلطنت کے بعض حصص کی فوج کے زیر ادارہ انگریزی کیبنٹ دو حصے ہیں ایک ریگولر آرمی (نظام فوج) جسمیں جگہیں بھرتی سے پر کیجاتی ہیں اور دیسی سپاہ سے جو زیر کمان افسران انگریزی ہوتی ہے - دوسرے ٹیری ٹوریل آرمی (نوآبادیونکی فوج) جو والنٹیر و نکی ملیشیا (قومی فوج) ہے - یہ ابھی تین لاکھ کی مطلوبہ تعداد تک نہیں پہنچی ہے اسکی اب دو لاکھ ستّر ہزار تعداد ہے اور یہ صرف حفاظت وطن کیلئے مخصوص ہے - اسکی فوجی قابلیت کا درجہ اچھی اعلیٰ نہیں ہے - بر اعظمی یورپین جنگ میں وہ کسی شمار میں نہیں ہو سکتی - اس صورت میں صرف انگریزی نظام فوج کے ایک جزو سے ہمیں تعلق ہے - اسکی تعداد قریباً ڈھائی لاکھ ہے سپاہی بارہ سال خدمت انجام دیتے ہیں ، سال جھنڈے کے نیچے اور ہ سال رزرو میں - رنگروٹونکی سالانہ فراہمی پینتیس ہزار ہے - ریگولر رزرو (نظام رزرو) کی تعداد اب ایک لاکھ چھتیس ہزار ہے - نیز ایک خاص محفوظ فوج بھی ہے جس کو ملیشیا جیسی تعلیم دیجاتی ہے - یہ خاص اغراض کیلئے بھرتی کیجاتی ہے - اس طرح کل مجموعہ محفوظ فوج کا دو لاکھ تک ہوتا ہے -

انگریزی نظام فوج میں سے ایک لاکھ چونتیس ہزار آدمی انگلستان میں تعینات ہیں - چوہتّر ہزار پانچسو ہندوستان میں (یہ یہاں مع ایک لاکھ اُنسٹھ ہزار دیسی سپاہ کے انگریزی ہندوستانی فوج کہلاتی ہیں) اور قریب اُنتالیس ہزار کے مختلف مقامات پر مثلاً جبل الطارق مالٹا - مصر - عدن - جنوبی افریقہ و دیگر نوآبادیان سلطنت محروسہ میں تعینات ہیں - اس ضمن میں

حالات مصر نہایت قابل توجہ ہیں۔ چھ ہزار انگریزی سپاہ وہاں تعینات ہے۔ اور دیسی مصری فوج میں (سترہ ہزار = بزمانۂ جنگ انتیس ہزار) پانچواں حصہ انگریز افسر ہیں۔ چونکہ دنیائے اسلام میں جوش پھیلا ہوا ہے انگریزوں کی حالت وہاں نازک ہو سکتی ہے۔ گیارہ ہزار سپاہ جو اس وقت جنوبی افریقہ میں تعینات ہے جلد سے جلد بحر روم کے قلعوں میں منتقل ہونے والی ہے۔ بحالت جنگ بر وقت ضرورت ایک خاص ڈویژن وہاں آراستہ کیا جائیگا۔

یورپ کی جنگ میں ہم کو صرف نظام فوج متعینۂ انگلستان پر لحاظ کرنے کی ضرورت ہے۔ جب جنگ کے لئے تیار ہو جاتی ہے تو یہ نظام فوج میدانی فوج ہو جاتی ہے جس میں پلٹن کی چھ ڈویژنیں = ایک ڈویژن رسالہ کی = دو سوار بریگیڈ و آرمی ترپ ہوتے ہیں جنکی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار علاوہ کالموں اور ٹرینوں کے ہوتی ہے سلطنت متحدہ کی باقاعدہ سپاہ جو میدانی نظام فوج کے علاوہ ہے تقریباً ایک لاکھ ہے۔ انمیں بہت تھوڑے سے کمزور سپاہی پیدل توپخانے اور حفاظت ساحل کے لئے انجینیرز رزرو (زیر تیاری) ہوتے ہیں۔ یہ سپاہ مع قریب تیرہ ہزار ملیشیا توپخانے و ملیشیا انجینیروں کے ہوم آرمی (خانگی فوج) کہلاتی ہے جسکی حفاظت میں ٹیری ٹوریل فیلڈ آرمی (نوآبادیونکی میدانی فوج) اپنی آراستگی کی تکمیل کر رہی ہے۔ اس فوج کو جنگی نظام فوج کو قوت پہنچانے کے لئے مہینوں چاہئیں۔ زیادہ سے زیادہ انگریزی مہماتی فوج ڈیڑھ لاکھ فراہم ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی یہ افواج افواج متعینہ نوآبادیوں کے رزرو ہیں جنکو سخت نازک مواقع پر امداد کی ضرورت ہے یہ انگریزی فوج کی دکھتی رگ ہے۔ انگلستان اپنی نظام فوج سے جب ہی کام لے سکتا ہے جبکہ نوآبادیوں میں بالکل امن ہو۔ اس سے یہ ضرورت پیش نظر ہوتی ہے کہ اگر انگلستان سے جنگ چھڑے تو اُس کو اُسکی نوآبادیوں میں دھمکایا جائے۔ بالخصوص مصر میں۔

ان زبردست فوجوں کے مقابلہ میں جو دول ائتلاف ثلاثہ میدان جنگ میں

لاسکتی ہیں جرمنی کے زیر تحت مندرجہ ذیل فوج ہے۔

۵۸۹۷۰۵ سپاہی (بحالت امن معہ افسران نان کمیشنڈ) اور ۲۵۵۰۰ افسر۔ آسٹریا کی فوج بحالت امن ۳۶۱۵۵۳ سپاہی اور تقریباً ۲۰۰۰۰ افسر۔ ہر دو سلطنت کی مجموعی تعداد کا تخمینہ مندرجہ ذیل ہے۔

جرمنی میں ۱۸۹۲ء میں فوج میں مع والنٹیروں اور رنگروٹوں کے ۱۹۴۶۷۴ آدمی بھرتی کئے گئے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں ۲۶۷۲۸۳ آدمی۔ ۱۷ سال کی سالانہ اوسط ۲۳۰۹۷۵ رہی۔ اس سے مجموعی تعداد سپاہیوں کی ۳۹۲۶۵۷۵ ہوتی ہے۔ اگر معمولی کمی کا تخمینہ ۲۵ فیصدی رکھا جائے تو ۲۹۴۴۹۳۱ تعلیم یافتہ آدمی باقی رہتے ہیں۔ زمانۂ امن کا عملہ اس میں شامل کردینے سے کل تخمینی تعداد ۳۵۳۴۶۳۶ ہوتی ہے جس کا مقابلہ فرانسیسی بھی تقریباً اسی تعداد سے کرسکتے ہیں۔

آسٹریا میں سالانہ بھرتی کی تعداد قریب ایک لاکھ پینتیس ہزار ہے۔ ملازمت کی مدت کی خدمت جنگ منہا کرکے مجموعی تعداد ۱۲۱۵۰۰۰ ایا (لینڈس ٹرم) معمولی ۲۵ فیصدی کمی کے بعد ۹۱۱۲۵۰ ہوتی ہے۔ اس میں ۹ سالہ دستی تعلیم یافتہ لینڈس ٹرم کے شامل کرنا چاہئیں جنگی تعداد بعد منہائی علیٰ ہذا القیاس ۹۱۱۲۵۰ ہوتی ہے۔ فوج کی زمانہ امن کی تعداد شامل کرنے سے پوری مجموعی تعداد جنگی حیثیت سے ۲۱۸۴۰۵۳ ہے۔ قریب قریب اُتنی جتنی روس کل منہائیوں کے بعد یورپ کے میدان میں لاسکتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی ترتیب کے لئے جرمنی و آسٹریا میں کتنے سپاہی بحالت جنگ فراہم ہونگے۔ اسکا یہاں بیان کرنا مصلحت نہیں۔ اسکا انحصار کچھ تو اُن افواج پر ہوگا جو فراہم ہوسکیں گی اور کچھ اور واقعات پر جو پبلک میں نہیں آسکتے۔ نئی ترتیبوں کا تخمینہ چاہے کتنا ہی زیادہ ہو ہماری تعداد روس و فرانس کی تعداد کے برابر نہیں ہوسکتی ہم کو دشمن کی اعدادی فضیلت کے توڑنے کیلئے فوجی ترکیبیں۔ اچھی سپہ سالاری اور موقع و محل کے بروقت استعمال کو کام میں لانا چاہیئے۔

حتی کہ اگر اٹلی کی فوج بھی جرمنی و آسٹریا کے ساتھ ملجائے تو بھی جہاں تک مجھے علم ہے میدان جنگ میں اعدادی مساوات نہوگی۔

اٹلی کی فوج کا عملہ بزمانۂ امن ۲۵۵۰۰۰ آدمی ہی۔ جو ۱۲ آرمی کور اور ۲۵ ڈویژنوں میں تقسیم ہی۔ پلٹن کی تعداد جسکی ۹۶ رجمنٹیں ہیں ۱۴۰۰۰۰ ہی۔ علاوہ بریں ۱۲ رجمنٹیں برسیگلیری کی ہیں۔ جس کیساتھ ۱۲ پائوں گاڑی کے بٹالین اور آٹھ الپائن رجمنٹیں ہیں جسکی کل ۸۰ کمپنیاں ہیں۔ رسالہ کی ۲۹ رجمنٹیں۔ جنمیں سے ۱۲ ملا کر ۳ کیولری ڈویژن بنائی گئی ہیں۔ توپخانہ کی تعداد ۲۴ میدانی توپخانہ رجمنٹوں اور ایک سوار توپخانہ کی رجمنٹ پر ہی اور کل توپیں ۸ سوار اور ۱۹۳ میدانی ہیں۔ علاوہ بریں ۲۷ کوہی توپیں اور قلعہ کے توپخانہ کی ۱۰ رجمنٹیں ۹۸ کمپنیوں میں ہیں۔ ۶ انجنیر رجمنٹیں ہیں۔ جنمیں ایک تار برقی کا رجمنٹ اور ایک ہوائی جہاز کا بٹالین ہی۔ جنڈارمری میں ۲۸۰۰۰ آدمی ہیں۔

لایق جنگ فیلڈ آرمی کی تعداد سات لاکھ پچتر ہزار ہی۔ تقریباً ستر ہزار آدمی اول و دوم لائن کی ترتیبوں میں بھرتی کیے جاتے ہیں۔ ملیشیا کی تعداد تقریباً تین لاکھ نوے ہزار ہے۔ موبلایز ہونے والے ریزرو ونکی تعداد معلوم نہیں ہی۔ فیلڈ آرمی تین آدمیوں میں تقسیم ہی جسکے کل نو آرمی کور ہیں۔ اور ان میں آٹھ سے بارہ تک ٹیری ٹوریل آرمی کے ڈویژن اور چار کیولری ڈویژن اور چار کیولری ڈویژن شامل کردیئے گئے ہیں۔ نوآبادیوں میں اٹلی کے پاس بنا ڈیر میں اڑتالیس افسر و اہلکار یورپین افسر اٹلی نژاد اور تین ہزار پانچسو دیسی سپاہی ہیں۔ ارٹریا میں ایک سو اکتیس افسر یورپین سپاہی نان کمیشنڈ افسر اور سپاہی اٹلی نژاد اور تین ہزار آٹھ سو دیسی سپاہی۔

اس طرح اٹلی کثیر فوج میدان میں لاسکتا ہی۔ مگر جنوبی اٹالوی سپاہ کی جنگی قابلیت میں شبہ ہی ممکن ہی کہ ساحل کے تحفظ کے لیے کثیر تعداد فوج کی ضرورت پڑے۔ اور طرابلس کی حفاظت کیلئے جو آبادیات کا کام نہیں ہی فرانس کے مقابلہ میں زبردست فوج چاہیئے۔

ترکی فوج بڑی کار آمد ہو گی جس کے ساتھ شریک ہو جائے خواہ اتحاد ثلاثہ کے خواہ اُس کے مخالفین کے۔

بحالت امن ٹرکی نظام فوج کی تعداد دو لاکھ پچھتر ہزار ہی سنہ ۱۹۱۱ء میں اُس کے تین ڈویژن تھے۔

اول۔ جنگی نظام فوج۔

پلٹن	۱۳۳۰۰۰
رسالہ	۲۶۰۰۰
توپخانہ	۴۳۰۰۰
سفر مینا	۴۵۰۰
سپاہ خاص	۷۵۰۰
دستہائے ٹرین	۳۰۰۰
کاریگر	۳۰۰۰
کل	۲۲۰۰۰۰ آدمی

دوم۔ رولیف (ملیشیا) کیڈر جسکی پلٹن میں ۲۵۰۰۰ آدمی شامل ہیں = اس تعداد کے اندر قانون رولیف کے مطابق مختصر تعلیم کے لیے آدمی باری باری بھرتی کیے جاتے ہیں۔

سوم۔ افسران سپاہ نظام و رولیف۔ فوجی ملازمین حکام و دیگران بیش از ۳۰۰۰۰ نفر

ترکی فوج کی کل تعداد سات لاکھ ہی۔ ہم کو صرف سپاہ یورپ اناتولیا۔ آرمینیا و شام پر لحاظ کرنا چاہیئے۔ یہ کل سپاہ یورپ کے میدان جنگ میں جمع نہیں ہو سکتی۔ برخلاف ازیں مستحفظ فوج کو غیر معمولی امداد خیال کر سکتے ہیں۔ یہ فوج عموماً لوکل حفاظت اور اندرونی امن و امان قائم رکھنے کے لیے کار آمد ہی۔ اس ملیشیا کے تیس یا چالیس ہزار آدمی جمع ہو جانا دشوار کام نہیں ہی۔ ترکی سپاہیوں کی اعلیٰ فوجی قابلیت کی وجہ سے ترکی فوج نہایت کار آمد چیز خیال کیجا سکتی ہی۔

اسلئے ترکی اتحاد کا ایک بیش قیمت جزو ہی خواہ جس فریق کے ساتھ شامل ہو جائے۔

چھوٹی چھوٹی بلقانی ریاستیں بھی کثیر فوج میدان میں لاسکتی ہیں۔

مانٹی نگرو چالیس ہزار سے پینتالیس ہزار فوج میدان میں لاسکتا ہی۔ ۱۰۴ توپیں ۲۴ مشین گن علاوہ گیارہ کمزور رزرو بٹالین کے جو سرحدی و خانگی کاموں کے لئے ہیں۔

سرویا کے پاس بحالت امن اڑتالیس ہزار فوج کا تخمینہ کیا گیا ہی۔ اس تعداد تک فوج کبھی نہیں پہونچتی اور موسم سرما میں اُسکی تعداد گر کر دس ہزار رہجاتی ہی۔ جنگی عملہ ڈھائی لاکھ آدمیوں کا ہی جنکے پاس ۱۶۵۰۰۰ رائفل ۵۵۰۰ تلواریں۔ ۴۳۲ میدانی و کوہی توپیں (۴۸ توپوں کے ۱۰۸ توپخانے) ہیں۔ علاوہ بریں ۴ سے ۶ تک توپوں کے ۶ بھاری توپخانے اور ۲۲۸ مشین گنیں ہیں۔ آخر میں رزرو کے دستے ہیں (تھرڈ لائن) اس صورت سے کل تین لاکھ پانچ ہزار آدمی فراہم ہوسکتے ہیں۔ باستثنائے ملیشیا جو غیر متیقن چیز ہی۔

بلغاریہ کی فوج کا کل عملہ بہ حیثیت امن ۵۹۰۲۰ ہی۔ یہ نہیں معلوم کہ فوجکی مختلف شاخوں میں اُنکی تقسیم کیا ہی۔ بحیثیت جنگ ۳۰۰۰۰۰ فوج جمع ہوتی ہی مع پلٹن جسکے پاس ۲۳۰۰۰۰ رائفل۔ ۸۴۸ توپیں ۲۳۲ مشین گنیں اور ۶۵۰۰ تلواریں ہوتی ہیں۔ کل فوج کی تعداد ۴ لاکھ ہی۔ انمیں رزرو اور ملیشیا بھی شامل ہی۔ ملیشیا خانگی خدمت کیلئے کام میں آتی ہی اور اس میں اکتالیس سے چھیالیس سال تک کی عمر کے آدمی ہوتے ہیں۔

رومانیہ جس کی سیاسی حالت عجیب ہی بذات خود ایک جدا قوت ہی۔ رومانیہ میں ملیشیا کا رسالہ مسمی "کالاراشی" (سمجھدار نوجوان کسانوں کا) ہی اسکے سپاہی قلیل زمانہ تک باری باری خدمت کرتے ہیں۔ علاوہ بریں اور سپاہ مدت خدمت کے اعتبار سے ہمیشہ جھنڈے کے ساتھ رہتی ہی۔

بحالت امن فوج میں ۵ ہزار افسر اور نوّے ہزار کا مستقل عملہ ہوتا ہی اور کم وبیش ۱۲ ہزار آدمی باری باری خدمت کرتے ہیں پلٹن کی تعداد کم وبیش ڈھائی ہزار افسر اور ستّاون ہزار

سپاہی ہیں مستقل رسالہ (رزرو یوری) کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار سپاہی اور چھ سو افسر اور
توپخانے کے چودہ ہزار سپاہی اور سات سو افسر ہیں۔

جنگ کے لئے میدانی فوج قریب ۶۰۰۰ افسر اور ۲۷۴۰۰۰ سپاہیوں اور ۵۵۰ توپوں کے
فراہم ہوسکتی ہے۔ انمیں ۲۱۵۰۰۰ پلٹن ۷۰۰۰ رسالہ اور ۲۰۰۰۰ توپخانہ ہوتا ہے۔ لہذا رسالہ
بمقابلہ زمانۂ امن کمزور رہتا ہے۔ کیونکہ لنڈ لاہر "کالاراشی" کے ایک حصہ سے رسالہ کا کام نہیں
لیا جائیگا۔ معہ رزرو و ملیشیا کل فوج کی تعداد ۴۳۰۰۰۰ ہوگی ۶۵۰۰۰ تعلیم یافتہ سپاہی
جنگی خدمت کے لئے فراہم ہیں۔

اگرچہ فوجی نقطہ خیال سے ریاستہائے بلقان کو خاص طور پر آسٹریا۔ ٹرکی و روس سے
سروکار ہے اور بالواسطہ اُن کے تعلقات جرمنی سے ہوتے ہیں تاہم چھوٹی چھوٹی وسطی
یورپین سلطنتوں میں براہ راست ہمارے واسطے اہمیت پیدا ہوسکتی ہے اگر اُن کو ہمارے ساتھ
یا ہمارے خلاف جنگ میں شرکت کرنے کے لئے مجبوری یا ترغیب ہو۔

ہمارے مغربی ہمسایوں میں سب سے پہلے سوئیٹزرلینڈ و ہالینڈ قابل لحاظ ہیں اُسکے
بعد بلجیم۔ سوئیٹزرلینڈ بحالت جنگ ۲۶۳۰۰۰ آدمیوں کی مجموعی فوج جمع کرسکتا ہے۔ مہماتی سپاہ
کی تعداد جو حملہ آورانہ جنگ کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے ۹۶۰۰۰ پلٹن اور ۵۰۰۰ رسالہ
مع ۲۸۸ میدانی توپوں اور ۴۸ میدانی ہوٹزر (ہوٹزر کے توپخانے زیر تیاری ہیں) کے
ہے اسکا کل مجموعہ ۱۴۱۰۰۰ ہوتا ہے۔

لینڈ ویر میں پچاس ہزار پلٹن چار ہزار رسالہ ہوتا ہے مع ۲۶ بارہ سینٹیمیٹر توپوں کے
جو پیدل توپخانے کے ہوتی ہیں۔ اسکی کل تعداد ۶۹۰۰۰ ہے اور لینڈس ٹرم کی سپاہ میں
۳۵۰۰۰ آدمی ہوتے ہیں۔

ہالینڈ کی فوج کا اوسط بزمانۂ امن ۳۰۰۰۰ آدمی ہیں۔ جو بوجہ قلیل مدتہائے ملازمت
ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ بالعموم ۱۳۰۰۰ پلٹن ۱۰۰۰ رسالہ ۵۰۰۰ میدانی توپخانہ ۴۰۰ سہ قلعہ کا

توپخانہ اور ۴۴۰۰ انجینیر۔ کشتی ران اور سپاہ باربرداری تیار رہتے ہیں۔ جنگ میں میدانی
فوج کی تعداد ۸۰۰۰۰ ہوتی ہے۔ اور اس میں ۶۴۰۰۰ پلٹن بائیسکل والے مشین گن کے دستے
۲۶۰۰ (دو ہزار چھ سو) سوار۔ ۲۴۰۰ توپخانے اور ۵۱۰ انجینیر ہوتے ہیں۔ یہ فوج ۴ آرمی
ڈویژن فی ۱۵ بٹالین۔ ۴ اسکواڈرن۔ ۶ توپخانوں اور ایک دستہ انجینیر پر مشتمل ہے۔
علاوہ بریں اسی ہزار قلعہ کی فوج ہے جسمیں ۱۲ قابل شرکت جنگ اور ۴۶ لینڈویر پلٹن کے
بٹالین۔ ۴۴ قابل شرکت جنگ اور ۴۴ لینڈویر پیدل توپخانہ کی کمپنیاں اور ۱۶ انجینیروں
اور عارضی پل بنانیوالوں کی جماعتیں مع لینڈویر[1] کے شامل ہیں۔ ہالینڈ کا ساحل بھی قلعہ
بند ہے۔ ہیلڈر (   ) مونیڈن (   ) ہک آف ہالینڈ
(   ) وول کریک (   ) وسیر نگلیٹ (   )
میں مختلف پشتے ہیں۔ اگرچہ فلشنگ (   ) کے استحکامات ابھی کارآمد نہیں
ہیں۔ ایمسٹرڈم (   ) بھی ایک قلعہ ہے جسکے ادھر ادھر جدید فورٹ
ہالینڈ میں استحکامات ہیں۔

اس صورت میں ہالینڈ انگریزی فوجوں کے اترنے میں سخت دشواریاں پیدا کرنے کے لیے بہت موزوں ہے مگر اسکے ساتھ توپخانوں پر اچھی توپیں چڑھادی جائیں۔ لیکن اگر وہ ہمارے خلاف ہوا تو جرمن حملہ کی تاب نہ لاسکے گا۔ بلجیم کی بحالت امن ۴۴۸۰۰ سپاہ ہے جسکی تقسیم اس صورت سے ہے ۲۶۰۰۰ پیدل۔ ۵۴۰۰ رسالہ ۴۶۵۰ میدانی توپخانہ۔ ۳۴۰۰ قلعہ کا توپخانہ۔ ۱۵۵۰ انجینیر و باربرداری۔ جنگی حیثیت سے میدانی فوج کی تعداد ایک لاکھ ہوگی۔ ۷۴۰۰۰ پلٹن۔ ۷۲۵۰ رسالہ ۱۰۰۰۰ میدانی توپخانہ۔ ۱۹۰۰ انجینیر و باربرداری اور یہ فوج چار آرمی ڈویژنوں اور دو کیولری ڈویژنوں میں تقسیم کیگئی ہے۔ ہر کیولری ڈویژن میں ۲۰ اسکواڈرن اور توپخانے ہیں۔ ہر آرمی ڈویژن میں بڑے سترہ انفنٹری بٹالین۔ ایک اسکواڈرن۔ ۱۲ توپخانے اور ایک دستہ انجینیروں کا ہوتا ہے۔

[1] یعنی کاشتکاروں کی پلٹن ۱۲

علاوہ بریں اسّی ہزار قلعجات کی فوج ہے۔ جو شہروں کی محافظ فوج سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ اینٹ ورپ
خاص فوجی مرکز ہے اور بہت مستحکم قلعہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں ماس کے کنارہ کنارہ
لیئر ہالی اور نامور قلعہ بند شہر ہیں۔ کنارہ پر کوئی استحکامات نہیں ہیں۔ ڈنمارک چونکہ وہ
سے بالٹک کے راستہ ہیں۔ ہمارے لیئے بڑی توجہ اہمیت رکھتا ہے۔ کوپن ہیگن دار السلطنت
میں بڑا مستحکم قلعہ ہے۔ بر خلاف ازیں فوج قابل توجہ چیز نہیں ہے۔ کیونکہ سپاہیوں کی تعلیم چند ماہ
ہوتی ہے سلطنت میں بہ زمانہ امن تقریباً دس ہزار پلٹن۔ آٹھ سو رسالہ ۲۳۰۰ توپخانہ
اور ۱۱۰۰ خاص آدمی رہتے ہیں۔ کل ۴۲۰۰۰ آدمی مگر تعداد مابین ۵۷۰۰۰ و ۶۲۰۰۰ بدلتی
رہتی ہے۔ بوقت جنگ ۴۲۰۰۰ سپاہیوں و ۰۰۰ [illegible] ارترونکی فوج میدان میں لائی جا سکتی ہے۔
جسمیں ۵۰۰۰ پیدل ۳۰۰۰ سوار ۹۰۰ توپخانہ اور ۲۰۰۰ خاص سپاہی ہوتے ہیں۔

سویڈن میں آٹھ قسم کے اول بان ہیں جسمیں اکیس سال سے اٹھائیس سال تک کے
عمر کے لوگ لیے جاتے ہیں اور اس کی تعداد دو لاکھ ہے۔ نیز چار قسم کے دویم بان ہیں جنکی
تعداد نوّے ہزار ہے اور اس میں اٹھائیس سے بتیس سال کی عمر کے لوگ لیے جاتے ہیں تیس ہزار
تعلیم یافتہ والنٹیر ہیں جو [illegible] سے بتیس برس کی عمر تک کے موجود ہیں لینڈس ٹرم کی
آٹھ قسمیں ہیں جنکی تعداد [illegible] لاکھ چھ ہزار نفر ہے۔ چنانچہ معمولی تخمینہ سے معلوم ہو سکتا ہے
کہ [illegible] ہو سکتی ہے۔ پوری اوّل بان بھی اسی کے ذیل میں آ سکتی ہے

[illegible] چھیالیس ہزار [illegible] فوج میدان میں آ سکتی ہے۔ یونان یورپین
جنگ میں قابل توجہ نہیں۔ دیگر چھوٹی چھوٹی بلقانی ریاستوں کے شرکت میں ٹرکی کیلئے بہت
تکلیف دہ ہو سکتی ہے اور اسلئے ہمارے لیئے خالی از اہمیت نہیں ہے۔ اسمیں ایک لاکھ چھیالیس ہزار
فوج میدان میں آ سکتی ہے۔ علاوہ ازیں ۳۸۰۰۰ آدمی اینڈویرین ہیں اور ۶۳۰۰۰ لینڈس ٹرم میں
[illegible] زمانہ امن کے فوج کی تعداد ۱۱۶۲۳۲ نفر ہے جسمیں ۳۴۰۰۰ آدمی مستقل
طور پر افریقہ میں تعینات ہیں۔ جنگ میں وہ تین لاکھ ستائیس ہزار آدمی جمع کر سکتا ہے

(ایک لاکھ چالیس ہزار جنگی فوج - ایک لاکھ چون ہزار سپاہ قلعجات تینتیس ہزار جنڈارمری)
اجتماع افواج کا انتظام اس قدر خراب ہوتا ہی کہ جینے کی کوشش میں بھی زیادہ سے زیادہ
ستر اسی ہزار آدمی میدان میں لائے جا سکتے ہیں۔ نقشۂ منسلکہ سے اُن سلطنتوں کی بحری قوت
کے متعلق جن سے آجکل ہمیں سروکار ہی ایک دوسرے کی قوت کا خلاصہ معلوم ہوتا ہی۔ یہ
خلاصہ ۱۹۱۱ء تک کا ہی۔ اس سے باعتبار تعداد ظاہر ہوتا ہی کہ انگریزی بیڑا ہمارے بیڑے سے
دوگنا زبردست ہی۔ یہ فضیلت رفتار اور جدید جہازوں کی تعداد سے اور بڑھ گئی ہے۔
مئی میں ہمارے پاس صرف چار جدید جنگی جہاز اور ایک مسلح کروزر تھا انگریزوں کے پاس
دس جنگی جہاز اور چار مسلح کروزر ہیں جو جنگی جہازوں کے برابر ہیں۔ ہمارے نئے جہازوں
سے اس نسبت میں فرق نہیں آتا جنگی جہازوں کی نسبتی تعداد زیادہ بہتر ہوتی جاتی ہے۔
مسلح کروزروں کی تعداد بہ نسبت اب کے ایسی بہتر ہو گی ہمارے کروزروں میں بہت سے ایسے جہازات
جو جنگی اعتبار سے بیکار ہیں۔ اور آہنی پوش ساحلی حفاظت کے جہازات کا شمار جنگی جہازوں میں
نہیں ہو سکتا فرانس بھی مئی ۱۹۱۱ء میں باعتبار تعداد جہازات جنگی ہم سے کچھ آگے تھا۔ مگر
فرانسیسی بیڑے کے متعلق جو کچھ معلومات بہم پہونچی ہیں اُن کی رو سے وہ جرمنی بیڑے کا
باعتبار خوبیِ جہازات و قابلیت ملاحان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تاہم انگریزوں کے ساتھ ملکر وہ
کارآمد چیز ہو جائیگا۔

فرض کرو کہ بحالت جنگ فرانس نیز انگلستان کو کچھ بحری فوج بحر روم میں چھوڑنا پڑی
لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ فوج مجموعی اٹالوی و آسٹروی بیڑے سے زیادہ زبردست
ہو بلکہ تقسیم دول کی تبدیلی پر ممکن ہی کہ اول سے کمزور ہو۔ ہم یہ بھی فرض کرتے ہیں کہ تعداد
کروزر دیگر مختلف یوروپین مقامات پر روک لئے جائیں گے۔ مگر ابھی یہ بات باقی ہے کہ
انگلستان فرانس بحر شمالی میں جرمنی کے خلاف صرف جنگی جہازوں کا بیڑا جرمنی سے تگنا زبردست
لا سکتے ہیں۔ اور اُسکی مدد کیلئے کہیں زیادہ برتر فوج تارپیڈو (تباہ کن) جہازوں اور

سلطنت	جنگی جہازات (جنکا وزن ۵ ہزار ٹن سے زیادہ ہے)		مسلح محافظ ساحل جہازات ۳۰۰۰ سے ۵۰۰۰ ہزار ٹن تک		مسلح جہاز اور کشتیاں جنکا وزن ۳ ہزار ٹن سے کم ہے		مسلح کروزر		محفوظ کروزر		تارپیڈو جہاز		آبدوز جہاز
	تعداد	وزن	تعداد	وزن	تعداد	وزن	تعداد	وزن	تعداد	وزن	۲۰۰ ٹن سے زیادہ وزن کے	۱۰۰ اور ۲۰۰ ٹن کے درمیان	
جرمنی													
تیار	۲۵	۳۳۲۴۱۰	۵	۲۰۶۰۰	×	×	۱۰	۱۱۴۵۹۰	۳۳	۱۲۲۱۳۰	۱۱۷	۷۰	۱۲
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۱۲	×	×	×	×	×	۴		۷				
انگلستان													
تیار	۵۰	۷۹۳۲۶۰					۳۸	۴۸۴۹۷۰	۶۶	۳۵۳۵۴۰	۲۴۳	۳۶	۶۳
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۱۲	۲۸۶۶۴۰					۶	۱۴۵۳۲۰	۲۰		۵۱		۱۹
فرانس													
تیار	۳۲	۳۱۴۹۳۰					۲۲	۲۱۴۶۷۰	۱۰	۵۰۷۸۰	۷۱	۱۹۱	۶۲
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۴	۹۳۸۸۰									۱۳		۱۹
اٹلی													
تیار	۸	۹۶۹۸۰					۱۰	۷۹۵۳۰	۴	۱۰۰۴۰	۵۵	۳۹	۷
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۴	۸۴۰۰۰							۳	۱۰۲۰۰	۱۴	۲۸	۱۳
آسٹریا ہنگری													
تیار	۱۱	۱۰۲۶۲۰					۳	۱۸۸۷۰	۴	۱۰۵۹۰	۱۸	۶۶	۷
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۵	۹۴۵۰۰							۳		۶		
روس													
بیڑہ بالٹک (تیار)	۴	۶۲۳۰۰			۱	۱۷۶۰	۶	۶۴۹۵۰	۴	۲۷۲۷۰	۶۰	۱۹	۱۳
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۸										۱		۱
بیڑہ بحر اسود (تیار)	۶	۷۲۶۴۰							۲	۱۳۶۲۰	۱۷	۱۰	۴
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۴								۰		۱۴		۷
بیڑہ سائبیریا									۲	۹۱۸۰	۲۰	۷	۱۳
ممالک متحدہ امریکہ													
تیار	۳۰	۴۳۴۸۹۰	۴	۱۳۱۲۰			۱۴	۱۸۱۲۶۰	۱۶	۶۵۲۷۰	۴۰	۲۲	۱۹
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۷	۱۹۰۰۰۰									۱۴		۲۰
جاپان													
تیار	۱۳	۱۹۴۶۹۰	۲	۸۵۴۰			۱۳	۱۳۹۸۳۰	۱۲	۴۹۱۷۰	۵۹	۴۹	۱۲
منظور شدہ یا زیر تعمیر	۳						۴	۱۰۷۱۲۰	۳	۱۵۰۰۰	۲		۱

آب دوز کشتیوں کی ہوگی۔ اگران دول کے اتحاد میں روس بھی شامل ہوگیا تو ہمارے
مخاصمین کی فوج میں اور بھی اضافہ ہو جائیگا جس کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ بحر بالٹک
میں ۱۹۱۱ء کے موسم گرما میں دو بڑے روسی جنگی جہاز تھے نیز کروزرونکا بالٹک کا بیڑہ
ہمارے ساحلوں کو ہمیشہ دھمکا سکتا ہی۔ بلکہ بالٹک کا راستہ روک سکتا ہی۔ ایک نہ ایک
صورت سے ہمیں اس بیڑے سے بھی بھڑنا پڑیگا۔ اتحادیوں کے مددگار کروزروں کا
بیڑہ بھی جن کے لئے انگلستان وقتاً فوقتاً مدد بھیج سکتا ہی ہمارے مقابلہ میں افضل ہوگا۔

جہازونکی خوبی اور ملاحوں کی تعلیم کے لحاظ سے یہ خیال کیا جاسکتا ہی کہ ہمارا بیڑہ
فرانس و روس کے مقابلہ میں بیّن طور پر افضل ہے۔ مگر اس لحاظ سے انگلستان کے ابھی
ہماری جہازی توپیں غالباً انگریزوں کی توپوں سے افضل ثابت ہونگی۔ اور ہمارا تار پیڈو
کا بیڑہ اپنی جرأت نفیس تعلیم اور دلیرانہ جوش کی وجہ سے اعدادی نقصانات کی تلافی
کردیگا۔ مگر یہ دیکھنا ہی کہ ان باتوں کا انگریزی جیسے تجربہ کار و مشہور بیڑے کی بھاری
فضیلت پر کیا اثر پڑیگا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ بحری فضیلت جنکا خاص حالتوں
میں لحاظ کرنا ضروری ہی بہت زیادہ ہی۔ اور اس اعتبار سے ہماری حالت بدتر ہو رہی ہے
کیونکہ سلطنتہائے ایتلاف ثلاثہ اُتنے زمانہ میں ہم سے کہیں زیادہ جہازات تعمیر و آراستہ
کرسکتے ہیں۔

اگر ہم سیاسی نقطۂ خیال سے اُن جُداجُدا سلطنتوں کے قیاسی طرز پر غور کریں جو جنگ
مابعد میں جرمنی کے خلاف حصّہ لینگی تو ممکن ہی کہ جنگ کی شدت ہر سلطنت کی صورتمیں ایک ہی
نہو۔ کیونکہ ہمارے امکانی دشمنوں کے سیاسی اغراض بہت مختلف ہیں۔

سب سے پہلے فرانس پر نظر ڈالنے سے ہم کو یہ خیال کرنیکا حق حاصل ہی کہ تنِ تنہا وہ ہمارے
مقابلہ کا نہیں ہی۔ مگر بحیثیت ممبر اتحاد ہمارے لئے خطرناک ہوسکتا ہی۔ فرانسیسی سپاہ کی
فوجی قابلیت درحقیقت اعلیٰ ہی۔ اعدادی لحاظ سے ہمارے مغربی ہمسایہ کی فوج تقریباً

برابر ہی۔ اور بعض شاخوں میں باعتبار نظام و آراستگی فرانس کو فضیلت ہی۔ لیکن بعض شاخوں میں
ہم کو ترجیح ہی۔ چنانچہ فرانسیسی فوج ایک کمانیر کی ماتحتی اور متحدہ اسپرٹ سے عاری ہی جو جرمن
فوج۔ جرمن قوم کی استوار قوت اور افسروں کی اجتماعی اسپرٹ کا خاصہ ہی فرانس کے پاس
وہ قومی رزرو بھی نہیں ہی جسنے ہماری فوج کی تعداد دگنی ہو سکتی ہی۔ لیکن اگر فرانس
کوئی بڑی افریقائی فوج یوروپین میدان جنگ میں لا سکے تو اُسکی فوج کی تعداد کا تخمینہ
ہماری تعداد کے مقابلہ میں بالکل اور ہو گا۔ یہ امکان بھلا دینے کے قابل نہیں ہے بلحاظ
حالات و معالات سابقہ ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ فرانس چاہے تھوڑے ہی عرصہ کے لیے سہی جرمنی
پر فضیلت حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے گا۔ وہ خوب جانتا ہی کہ وہ اپنے سیاسی
مقصود تک بغیر اپنے مشرقی ہمسایہ کی پوری شکست کے نہیں پہونچ سکتا۔ اور یہ نتیجہ صرف غیر
معمولی کوششوں کے عمل میں نہیں لانے سے حاصل ہو سکتا ہی یہ امر یقینی ہی کہ فرانس انتہائی
سرگرمی کے ساتھ صرف اپنی فوجی قوت کے بڑھانے میں ہی ساعی نہو گا بلکہ اگر جرمنی نے
اس پر حملہ کیا تو اپنے تحفظ میں جان توڑ کوشش کریگا۔ لیکن غالباً جرمنی پر وہ حملہ آور نہو گا تاوقتیکہ
وہ اپنی قابلیت کو انتہائی درجہ پر نہ پہونچا دے اور اسکو یہ یقین نہو جاوے کہ قابل جنگ
اتحادیوں کی مدد سے اُسے فوجی غلبہ حاصل ہی۔ غیر موافق حالتوں میں بازی نہایت سخت ہے۔
لیکن اگر فرانس کے خیال میں کل ٹرپ اُسکے ہاتھ میں ہیں تو اُس کو حملہ آورانہ جنگ سے جھجک
نہو گی اور ہم کو مہلک ضرب لگانے کے لئے ہر چیز کی بازی لگا دے گا۔ اس دشمن سے ہمکو
نہایت سخت خصومت کی اُمید کرنا چاہیئے۔ اگر اتحاد ثلاثہ ٹوٹ جائے جسکا اب گمان ہی تو یہ
وقت بہت قریب آگیا سمجھ لینا چاہیئے۔ اگر ہم سے یہ جنگ بہ شرکت انگلستان ہو لی تو متحدہ دول
عظمیٰ ہمارے ترکیبی داہنے بازو کو بلجیم و ہالینڈ میں سے آکر ہٹانے کی کوشش کرینگے اور ویزل
( ) و فلشنگ ( ) کے درمیان جو قلعے ہیں اُنکے بیچ میں سے
ہو کر جرمنی میں گھس آئینگے۔ لیکن اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ رائین ( ) کا

مستحکم خطِ بچ جائے گا اور ہمارے مرکزوں پر خشکی کیطرف سے حملہ نہو گا۔ انگریزی فرانسیسی متحدہ بیڑے کی فوقیت کی وجہ سے حملہ آور فوج بلا دقت ہمارے سواحل پر اپنا مرکز قایم کرلیگی ایسی کارروائی سے ہماری مغربی سرحد پر سامنے سے حملہ کرنے میں بیحد سہولت ہوگی اور فرانسیسی میٹز ( ) اور ڈیڈن ہوفن ( ) کا محاصرہ کرنیکے بعد فتحیابی کے ساتھ رائن ( ) کی طرف آگے کو بڑھ سکیں گے۔ انگلستان جس کی دشمنی کا شل فرانس کے ہم کو یقین ہی ہمارے خلاف بڑی جنگ صرف ایسے اتحادی کی حمایت سے کریگا جو اصلی حملہ میں آگے ہو انگریزی سپاہ صرف امدادی ہوگی۔ اُس میں الگ معرکہ آرائی کی قوت نہیں ہی۔ انگلستان کے اغراض کا میدان بالکل الگ ہی اور یہ اغراض فرانس کے اغراض سے میل نہیں کھاتے۔

انگلستان کی غرض ہماری بحری فوج وہماری بحری تجارت کی تباہی ہی تاکہ وہ بوجوہات مفصلۂ ماقبل ہماری قوت کو اور آگے پھیلنے سے روک سکے۔ مگر اُسکا اس میں کوئی فائدہ نہیں کہ ہماری یوروپین سلطنتی حیثیت کو تباہ کرنے یا فرانس کو یورپ کے اندر فوقیت حاصل کرنے میں مدد دے۔ انگریزی اغراض کا اقتضا ہی کہ یوروپین سلطنتوں کے درمیان خاص توازن قایم رہے انگلستان فرانس سے اس غرض کے لئے کام لینا چاہتا ہی کہ اُس کی مدد سے اپنے ذاتی اغراض حاصل کرے مگر وہ اپنے اتحادی کے فائدہ کے لئے کبھی ایسی قربانیاں گوارا نکرے گا جو قطعاً ضروری نہیں ہیں۔ مختصراً یہ کہ اگر اُس نے دیکھا کہ وہ اپنی سیاسی حالت و اغراض فضیلت بحری سے ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لینے کے لئے مجبور ہی۔ تو یقیناً اس کی تدبیر معرکہ آرائی انھیں اصول پر ہوگی۔

اگر انگلستان جیسا گمان غالب ہی جلد یا دیر میں اس ارادہ پر قایم ہو جائیگا تو ظاہر ہے کہ اُسکا نفع سریع فتح میں ہی۔ اس میں اول تو اُسکی تجارت کو ضرورت سے زیادہ دنوں تک جنگ سے ضرر نہیں پہونچیگا۔ دوسرے اگر انگلستان کے ہاتھ بڑی جنگ سے بندھگئے تو اُسکی عالمگیر

سلطنت کی ڈھیلی اور بعید المرکز قوتوں میں حرکت پیدا ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ اور ممکن ہے کہ
نوآبادیاں اپنے اپنے اغراض کیطرف متوجہ ہو جائیں۔ اگر انگلستان کی فوجیں زیادہ عرصہ
تک یوروپین جنگ میں مصروف رہیں تو بعید نہیں کہ ہندوستان[1] اور مصر میں انقلابات شروع
ہو جائیں۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ وہ سلطنتیں جو شریک جنگ نہیں ہیں تعویق فیصلہ کیصورت
میں ہماری طرفدار بنکر بیچ میں پڑیں۔ مداخلت غیر جانبداری کی پیش بندی کیلئے ۱۸۷۰ء
میں ہمارے لئے پیرس کا جلدی لینا مفید ہوا۔ ایسی ہی حالت میں انگلستان کے معاملہ میں
پیدا ہو سکتی ہیں۔ اسلئے ہم کو دل میں بٹھاتے رہنا چاہیئے کہ بحری حملہ سخت ترین حملہ ہوگا۔
اور اس مستحکم ارادہ کے ساتھ کیا جائیگا کہ ہمارا بیڑہ اور ہمارے بڑے تجارتی مرکز بالکل نیست و
نابود کردیئے جائیں گے۔ نیز یہ ممکن ہی نہیں بلکہ اغلب ہے کہ انگلستان براعظم یورپ میں اپنے
اتحادیوں کے ساتھ ملکر لڑنے کے لئے فوج لائیگا۔ نیز ساحل پر بحری حملے میں مدد چاہیگا۔
دوسری طرف بری جنگ میں صرف اُس حد تک اس قسم کی جان توڑ ہمت کا اظہار کیا
جائیگا جس حد تک کہ ہماری بحری مرکزوں کے فتح و برباد کرنے کے اغراض پر عمل ہو۔ انگریز
اس سے زیادہ کرنے پر راغب ہونگے کیونکہ جرمن مددگار جو اکثر انگلستان کی لڑائیاں لڑے
ہیں اب شامل نہیں ہونگے۔ قوم کی بڑی سے بڑی کوششیں بحری جنگ تک محدود ہو جائینگی۔
بری جنگ محض محدود غرض کے لئے کیجائے گی جس پر اُسکی نوعیت کا انحصار ہوگا۔ یہ
بہت مشکوک بات ہے کہ انگریزی فوج کامیابی کے ساتھ یوروپین افواج کے خلاف حملہ آورانہ
جنگ کرنے کے قابل ہو سکے گی جنوبی افریقہ میں انگریزی رجمنٹیں بہت دلاوری سے لڑیں

[1] لیکن ہندوستان اور مصر جنگی بغاوتوں پر اسکو بھروسہ تھا اسکی اُمید کے خلاف نکلے۔ ہندوستان نے اس موقع
پر جس شاندارانہ طریقے سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا ہے اسکی نظیر تاریخ میں نہیں ملسکتی۔ جرمنی کو اب کم از کم اپنی
اصولی غلطی کا ادراک ہوگیا ہوگا۔ نہ صرف جرمنی بلکہ دیگر متخاصمین سلطنتوں کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستان
کا ہر ہر فرد جو انگریزی حکومت کی برکت کو محسوس کرچکا ہے تاج برطانیہ پر سے قربان ہونے کو طیار ہے۔

اور انھوں نے بڑے نقصانات اُٹھائے نیز حملہ آورانہ جنگ میں چالاکیوں اور جنگی تدابیر دونوں میں اُنھیں پوری ناکامی ہوئی اور چند مستثنیات کے ساتھ سپہ سالاری بھی اتنی ہی خراب رہی۔ خبروں سے معلوم ہوا ہی کہ آخر کر تب جو آیرلینڈ میں بڑے پیمانہ پر جنرل فرینچ کی نگرانی میں ہوئے تھے۔ جہاں تک قابلیت صف آرائی سے تعلق ہی اُن سے انگریزی فوج کی حالت اچھی ثابت نہیں ہوئی۔ مشرق کیطرف متوجہ ہونے سے یہ پیشینگوئی کرنے کے لیے کہ روس کیا کریگا ہم روسی نقطہ خیال سے یہ تسلیم کرسکتے ہیں کہ بہ نسبت کسی جدید مشرقی جنگ کے (خلاف جاپان یا چین)، اُسکو مغرب میں کامیابی کی زیادہ اُمیدیں ہیں سلطنت روس کے مغرب میں زبردست اتحادی ہیں جو جرمنی پر حملہ میں شریک ہونے کے لئے بیچین ہیں۔ بوجہ حالات جغرافیائی و وسایل خبر رسانی بمقابلہ منچوریا وہاں قوت کی تیز اور باقاعدہ ترقی کے لیے بہت زیادہ موقع ہیں۔ عام رائے جیسی مثل سابق جرمنی کے ساتھ سخت نفرت شامل ہی اس جنگ کے موافق ہوگی اور جرمنی و آسٹریا پر فتح حاصل ہونے سے صرف قسطنطنیہ کا ہی راستہ نہیں کھلجائیگا بلکہ مغربی یورپ میں روس کا سیاسی و تجارتی اثر بہت بڑھ جائیگا۔ اس کامیابی سے ایشیا کی شکستوں کی بڑی تلافی ہو جائے گی اور ایسے اچھے موقع ملیں گے جنکی سلطنت کی بعید مشرقی سرحدوں پر کبھی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔

لہذا اگر روس ان مواقع کا موازنہ کرکے مغربی حملہ آورانہ جنگ میں مبتلا ہوا تو جنگ کیصورت غالباً فرانسیسی جرمن جنگ سے بالکل مختلف ہوگی۔ اول تو روس اپنی وسعت مملکت کی وجہسے کامل تسخیر سے محفوظ ہی۔ بحالت شکست اُسکا مرکز ثقل ہٹ نہیں سکتا۔ اس لئے روسی جنگ پر سلطنت کی سیاسی ہستی یا عدم ہستی کا انحصار نہیں ہوسکتا۔ روسی بدقت اُن جنگوں میں کبھی انہماک ظاہر کرینگے جنکے مقاصد صاف صاف اُنکی سمجھ میں نہیں آئے ہیں۔ اسکی تمام سلطنت بھرمیں تمدنی و نیز سیاسی تعلیم اس قدر کم ہی بالخصوص کسانوں میں کہ خارجی پالسی کے مسائل کا سمجھنا ناممکن ہی رعایا کے علاوہ وہ فرقے جنھوں نے کچھ تھوڑی سی بھی سطحی ناقص تعلیم اسکولوں میں

پالیسی انقلابات کے حامی ہوگئے ہیں یا آنکھ بند کرکے اُس پالسی کے پیرو ہیں جو انکے اغراض
کے لئے مناسب معلوم ہوتی ہی۔کم از کم کسان جنگ سے صرف اپنے انقلابی تدابیر کی ترقی
میں کام لینگے جیسا انھوں نے روسی جاپانی جنگ کے نازک موقع پر کیا تھا۔ان صورتوں
میں خیال نہیں کہ اُس متحدہ قومی جوش کا اظہار ہو جس سے حملہ آورانہ جنگ مستقل دلی قوت کے
ساتھ عمل میں آسکے۔صورت معاملات میں ۱۹۱۲ء سے غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی ہی جب
دفاع حملہ میں کچھ اتفاق رائے کا اظہار ہوا تھا۔اگر روس آجکل جرمنی و آسٹریا کے ساتھ مغربی
جنگ میں مبتلا ہوا تو وہ اپنی کل فوج میدان میں نہیں لاسکتا اوّل تو انقلابی عناصر جو اندرون
سلطنت ہیں بلا لحاظ اغراض توم وسائل قوت قومی کی ہر کمزوری کو غنیمت سمجھکر اندرونی
سیاسیات میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کرینگے۔دوسرے مشرق بعید میں جاپان یا
چین جب روس کی فوجیں مغرب میں خوب گھری ہونگی اپنی سیاسی اغراض بزور شمشیر پورے
کرنے کے موقع کو ہاتھ سے نجانے دینگے۔لہذا جیسا پہلے بیان ہوچکا ہی روس کو اس موقع
کے لئے کچھ فوج محفوظ رکھنا پڑیگی۔

حالات موجودہ میں اگرچہ روس اپنی پوری قوت جرمنی و آسٹریا کے مقابلہ کیلئے نہیں
لاسکتا اور اُسکو ہمیشہ کچھ فوج یوروپین جنوبی سرحد پر چھوڑنیکی ضرورت ہی مگر اُس پر بمقابلہ
دیگر سلطنتوں کے شکستوں کا کم اثر ہوتا ہی۔روسی سیاسی اقتدار پر نہ تو جنگ کریمیا سے نہ
اُن سنگین قربانیوں سے جو اسکو ترکوں کے مقابلہ میں حصول فتح کے لئے کرنا پڑیں نہ جاپانیوں کے
مقابلے میں زک اُٹھانیسے کوئی بھاری اثر پڑا ہی۔مشرق یا جنوب میں شکست کھاکر وہ کسی
اور مہم کیطرف متوجہ ہوتا ہی اور کسی دوسری سرحد پر اپنے نقصانات کی تلافی کرنے کی
کوشش کرتا ہی۔

ظاہر ہی ان حالتوں کا اثر نوعیت جنگ پر پڑیگا۔روس یقیناً ہمارے مقابلہ میں
بھاری فوج میدان میں لائیگا۔ٹرکی و جاپان کی جنگوں میں اندرونی معاملات کی وجہ سے

وہ اپنی پوری طاقت سے کام نہ لے سکا۔ معرکہ جاپان میں خود فوج کی انقلابانہ شورش کا جنگی کارروائیوں پر اثر پڑا تھا اور گمان غالب ہے کہ یوروپین جنگ میں بھی یہی حالتیں زور کیساتھ ہونگی بالخصوص اگر شکستوں نے انقلابی تحریکات کی مدد کی۔ روس کے خلاف جنگ میں بمقابلہ کسی اور جنگ کے ہم کو ابتدا ہی میں بہت کچھ کرنا پڑے گا۔

اگر جنگ میں ابتداءً کارروائیاں ناکامیاب رہیں تو انکا اثر کل حالت پر بمقابلہ کسی اور جنگ کے زیادہ وسیع ہوگا۔ کیونکہ اس سے ملک کے اندر صرف ہمدردانہ خیالات ہی نہیں پیدا ہونگے بلکہ مخاصمانہ تحریکیں بھی ظہور میں آئیں گی جن سے عمل جنگ کو سخت صدمہ پہونچیگا۔

روسی فوج کی قابلیت کا جہاں تک تعلق ہے روسی جاپانی جنگ نے ثابت کردیا کہ سپاہ بڑے استقلال سے لڑتی ہے۔ اس جنگ میں بہت سی مثالیں نفس کشی کی ظاہر ہوئیں۔ اور سنگین نقصانات کو جوانمردی کے ساتھ برداشت کیا گیا۔ برخلاف ازیں حملہ آوری میں روسی بالکل ناکامیاب رہے کچھ تو جنگی ترکیبوں کے لحاظ سے مگر خاصکر کمانیرونکی کوتاہی اور افراد کی پست ہمتی سے طریقہ عمل جنگ بالکل غلط تھا۔ عدم قوت فیصلہ و عزم ہر درجہ کے افسرونکی خصوصیات میں تھے اور ایک متنفس بھی ایسا سامنے نہیں آیا جس نے اوسط درجہ سے اوپر ابھرنے کی کوشش کی ہو۔ یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ شکست منچوریا کے زمانہ سے روسی سپہ سالاری کی اسپرٹ بالکل بدل گئی ہے اور یہ کہ ممتاز شخصیتیں اسٹیج پر آئی ہیں۔ لہذا اس فوج کا مقابلہ نہایت جرأت کے ساتھ حملہ آورانہ پالسی سے کرنا چاہیئے جب ہم ان باتوں کا مقابلہ جرمنی کی حالت سے کرتے ہیں تو اس بات سے چشم پوشی نہیں کرسکتے کہ ہمیں اگر اپنے سیاسی اغراض کا حصول یا اپنے دشمنوں کے حملے کا دفاع چاہیئے سخت فوجی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔

اوّل ہمارے ملک کی جغرافیائی ترکیب اور مواقع ہمارے بہت خلاف ہیں۔ ہمارے ملک کی کھلی ہوئی سرحد کی وجہ سے ہمیں مسلسل تحفظ کا موقع نہیں ہے اور برلن مرکز گورنمنٹ

وانتظام سرحد کے خطرناک قرب میں واقع ہے۔ ہماری مغربی سرحد پہ جو بذاتِ خود مستحکم ہے شمال کی جانب سے بلجیم و ہالینڈ میں ہوکر بآسانی حملہ ہو سکتا ہے۔ کوئی قدرتی روک کوئی مستحکم قلعہ مخاصمانہ حملے کے مقابلہ کے لئے نہیں ہے اور غیر جانبداری محض کاغذی شہر پناہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جنوب میں سدِ آہن کا توڑ سوئیٹزرلینڈ میں ہوکر حملہ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ گو ملک کی ساخت کی وجہ سے بھاری دشواریاں حائل ہیں۔ اور اگر اہل سوئیٹزرلینڈ استقلال کے ساتھ اپنا تحفظ کریں تو اُنکی روک کو توڑنا آسان کام نہیں ہے۔ اُنکی فوج کوئی حقیر چیز نہیں ہے۔ اور اگر اُن پر اُنکے پہاڑوں میں حملہ کیا جائیگا تو وہ ویسے ہی لڑیں گے جیسے سیمپاک ( ) اور مرٹین ( ) میں لڑے تھے۔ بحرِ شمالی سے بالٹک کے قدرتی راستے یعنی ساونڈز ( ) دگریٹ بلیٹ ( ) خارجی توپوں کے سامنے ہیں اور آسانی سے ہمارے دشمنوں کا شکار ہو سکتے ہیں تنگ ساحل جہاں بحرِ شمالی کا سامنا ہے بذاتِ خود ایک مستحکم جلو ہے اگر ہالینڈ میں ہوکر بآسانی مسخر ہو سکتا ہے۔ انگلستان ہمارے ساحل کے سامنے اس طرح واقع ہوا ہے کہ ہماری پوری بحری تجارت کا بآسانی سدباب ہو سکتا ہے۔ صرف جنوب و جنوب و مشرق میں آسٹریا کی وجہ سے ہم براہ راست حملہ سے محفوظ ہیں باقی ہر طرف دشمن ہمارا حلقہ کئے ہوئے ہیں تین طرف سے ہمارے اوپر حملہ ہو سکتا ہے یہ حالت ہمیں اندرونی خطوط پر لڑنے کے لئے مجبور کرتی ہے اور اس اعتبار سے ہم کو اچھے موقع ہیں۔ لیکن اگر ہمارے دشمن صحیح و موزوں تدبیرِ عمل سمجھیں تو یہ بھی خالی از خطرات نہیں ہے۔

اپنی عام سیاسی حالت پر نظر ڈالنے سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ ہم سب سے الگ ہیں اور اپنے متیقن سیاسی تدابیر کے عملدرآمد میں ہم کو کسی سے اعانت نہیں مل سکتی

انگلستان فرانس وروس ہماری قوت کے توڑنے میں غرض مشترکہ رکھتے ہیں
اس غرض کا احساس جلدی یا دیر میں بذریعہ ہتیاروں کے کرایا جائے گا۔ لہذا جرمنی
کی قوت بڑھانا کسی قوم کی غرض نہیں ہے اگر ہم اپنی قوت کی توسیع چاہتے ہیں
جس کی ہماری حالت مقتضی ہے تو ہمیں بزور شمشیر نہایت برتر دشمنوں کے مقابلہ
میں اسکو حاصل کرنا چاہیئے۔ ہمارے اتحادات تحفظی ہیں نہ صرف ضابطہ میں بلکہ
اصلیت میں بھی۔ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ یہ اُن کی کمزوری کا باعث ہے نہ تو
آسٹریا نہ اٹلی کی طرح اس بات پر مجبور ہیں کہ مسلح فوج سے ایسی جرمنی پالسی کی
تائید کریں جس کا منشار اضافہ قوت ہو۔ حتیٰ کہ ہمیں اُن سے سیاسی امداد کی بھی
توقع نہیں جیسا کہ اٹلی کے طرز عمل نے الجیراز (   ) کی کانفرنس
میں کافی طور پر ثابت کردیا۔ اس وقت یہ بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ آیا ہم
ہمیشہ ممبران اتحاد ثلاثہ کی حمایت پر تحفظی جنگ میں بھروسہ کرسکتے ہیں یا نہیں۔
حال میں جو میل فرانس وانگلستان کے ساتھ اٹلی کا ہوا ہے وہ ایک غیر معمولی
صورت کے خیال سے بھی بالاتر ہے۔ جب ہم اس بات پر خیال کرتے ہیں کہ
اٹلی کی فوج فرانس کا مقابلہ کرنے اور اپنے سواحل کو دشمنوں کے حملہ سے
بچانے کے لایق نہیں ہے اور اس پر کہ طرابلس کے الحاق سے ایک نیا مقبوضہ
پیدا ہوگیا ہے جس کا تحفظ فرانس و انگلستان کے مقابلہ میں آسان کام نہیں تو
ہمیں اس بارہ میں کافی شک ہوتا ہے کہ اٹلی ایسی جنگ میں شریک ہوسکتا
ہی جس میں انگلستان فرانس ہمارے خلاف متحد ہوں۔ آسٹریا لاریب ہمارا
وفادار اتحادی ہے اُس کے اغراض کا ہمارے اغراض سے قریب تعلق
ہی۔ اور اُس کی پالسی میں وفاداری وراستبازی کی وہی اسپرٹ ہے جو
ہماری پالسی میں آسٹریا کے ساتھ۔ بایںہمہ اُس کی طرف سے بھی ہم خالی از فکر

نہیں ہیں کیونکہ آسٹریا جیسی مختلف النسل سلطنت میں جہاں متعدد سلافی عناصر ہیں ممکن ہی کہ حب الوطنی اس درجہ ہو کہ گورنمنٹ روس سے آخر دم تک لڑنا گوارا کرے۔ دراں حالیکہ روس ہمیں شکست دیدے۔ ایسا ہونا بعید نہیں ہے۔ اُن امکانات کے بیان کرنے میں جنکا ہماری پالسی پر اثر ہو سکتا ہے ہم اس خیال کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔ لہذا شاید ایک نہ ایک دن ہم کو اقوام کی عظیم الشان جنگ میں تنہا کھڑا ہونا پڑے گا جسطرح کبھی فریڈرک اعظم کھڑا ہوا تھا جب انگلستان بیچ لڑائی میں رذالت کیساتھ اُس کو چھوڑ بھاگا تھا لہذا ہم کو اپنی ہی طاقت اور عزم فتح پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

ایسی جنگ بمقابلہ کسی اور قوم کے ہمارے لئے بہت زیادہ سیاسی وقومی وجود کی جنگ ہوگی یہ ایسی ہی ہونی چاہیئے کیونکہ ہمارے مخالفین اپنے سیاسی مقاصد فقط ہماری برّی وبحری تباہی سے حاصل کرسکتے ہیں اگر فتح ناقص رہی تو اُن کو متواتر جنگ کا اندیشہ رہیگا اور یہ اُن کے اغراض کے خلاف ہوگا۔ وہ اسکو خوب جانتے ہیں اور اس لئے جنگ سے بچتے ہیں کیونکہ ہم اپنا تحفظ انتہائی شدّت اور استقلال سے کرینگے۔ باایں ہمہ اگر واقعات نے جنگ کو اٹل کردیا تو ہمارے دشمنوں کے اس ارادہ سے کہ ہمیں پیوندِ زمیں کردیں اور ہمارے اس عزم سے کہ اپنی حیثیت فتحیابی سے قایم رکھیں جنگ جان توڑ جنگ ہوجائے گی۔ جو جنگ ان صورتوں میں لڑی جائے گی اور ناکامیاب رہے گی اس سے ہماری محنت شاقہ سے حاصل کی ہوئی سیاسی اہمیت برباد ہوجائے گی۔ ہماری قوم کا مستقبل جوکھوئیں پڑجائیگا ہم صدیوں پیچھے پھینکدیئے جائیں گے۔ مہذّب دنیا میں جرمن خیال کے

اثر کو لغزش ہو جائے گی۔ اور اس طرح پر نوع انسان کی وہ صحیح ترقی
رُک جائے گی جس کے لئے سرسبز و شاداب جرمنی ضروری شرط ہے ہماری
جنگ مابعد ہمارے ملک اور نوع انسان کے اعلیٰ ترین اغراض کے واسطے
لڑی جائے گی۔ اس سے وہ تاریخ عالم کی اہمیت کے جامہ سے مزین ہو جائیگی
"وہ عالمگیر سلطنت یا تنزل" ہمارا نعرہ جنگ ہوگا۔ اس خیال کو پیش نظر رکھ کر
ہم کو جنگ کے لئے تیار رہونا چاہیئے۔ فتح کرنے کے پورے ارادہ اور
آخر تک مستقل رہنے کے عزم سے چاہے کچھ بھی ہو ہم ابتدا کرینگے۔

لہذا ہم کو مختصر جنگ کے لئے ہی نہیں بلکہ طویل معرکہ کے واسطے تیار
ہو جانا چاہیئے۔ اپنے دشمنوں کی شکست کی تکمیل کے واسطے ہمیں مسلح رہنا
چاہیئے تاوقتیکہ فتح ہمیں نصیب ہو لیکن اگر شکست ہو تو اپنے ملک کے اندر اپنا
تحفظ کرتے رہیں حتیٰ کہ آخر میں کامیابی حاصل ہو۔

اس لئے اپنے دشمنوں کے ساتھ کوئی اعدادی مساویت قایم رکھنا
کافی نہیں ہے۔ برخلاف ازیں ہمکو قوم کے کل زوروں کو جمع کرنیکی کوشش
لازم ہے۔ اور اُس بڑے فیصلہ کے لئے تیار اور مسلح ہونا جو سر پہ ہے واجب
ہے ہم کو نیز دشوار باتوں میں اپنے مخاصمین پر کچھ فوقیت حاصل کرنے کی سعی
کرنا چاہیئے تاکہ ایسی جنگ میں جو شروع ہی سے غیر مساوی ہے ہمارے
ہاتھ میں چند جیتنے والے ٹرمپ ہوں۔ اثنائے تیاری جنگ میں یہ دو باتیں
یاد رکھنا چاہیئں صرف اُن فرایض کے متواتر احساس سے جو جنگ نے
ہم پر عاید کئے ہیں ہم اپنی پوری تیاریاں عمل میں لاسکتے ہیں اور اُن مطالبات
کو پورا کرسکتے ہیں جنکا مستقبل ہم سے طلبگار ہے۔ ساڑھے چھ کروڑ نفوس کی
قوم جو اپنے کل زوروں کی بازی اپنی ذات کے لئے تحصیل حیثیت اور

اُس حیثیت کے قیام پر لگا دے مغلوب نہیں ہو سکتی مگر اُس کے لئے وہ دن بُرا دن ہے جب وہ محض قوت کے عکس پر بھروسہ کرے یا اپنے دشمنوں کی قوت کا غلط اندازہ کرکے ناقص تدابیر پر قانع ہو جائے اور تقدیر یا اتفاق پر بھروسہ کرکے اُس حیثیت کے ملنے کی تمنا رکھے جو صرف جد و جہد اور کل قوتوں کی ترقی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

باب ہشتم

آیندہ بحری جنگ

یورپ کی آیندہ بڑی جنگ میں غالباً آسٹریا کی معیت میں ہم اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہوں گے اور اس طرح جو فوجیں بھی ہمارے مقابل ہونگی اُن کو مغلوب کرسکیں گے مگر بحری جنگ میں ہم کو اپنی ہی کائنات پر بھروسہ کرنا پڑے گا اور تن تنہا اُن برتر افواج کے مقابلہ میں اپنا تحفظ کرنا ہوگا جو یقیناً ہم کو سخت دبائینگی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ جنگ انگلستان سے ہوگی۔ اگرچہ ہم انگلستان پر حملہ کرنیکا خیال نہیں کرسکتے کیونکہ ایسے حملہ میں سوائے مایوسی کے اور کیا دھرا ہی مگر خود انگلستان کو ہماری سیاسی قوت کے روکنے میں خاص توجہ ہی لہذا ہمارے بیڑے کو نیست و نابود کرنے اور فرانس کو مدد دینے کیلئے خاص حالتوں میں وہ ہم پر حملہ کریگا علاوہ بریں انگریزوں نے اس بات کی کوشش کی ہی کہ اُن کے ساتھ جنگ کا خیال ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہی۔ وہ جرمن حملہ کا اس قدر زیادہ ذکر کرتے ہیں کہ اُن کو حیرت ہوگی اگر اس مسئلہ پر مخالفانہ نقطہ خیال سے روشنی ڈالی جائے۔ علاوہ بریں جو تیاریاں وہ بحر شمالی میں کر رہے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہی کہ اُن کا خیال جرمنی پر حملہ کرنیکا ہی۔ یہ تیاریاں مثل ترکیبی دھاوے کے ہیں اور بحری مرکزوں کی توسیع سے اُن کے اس ارادہ میں کسی شک وشبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی راسنتھ کا بڑا فوجی بندرگاہ یقیناً جرمنی سے جنگ کے مواقع کے لئے بنایا گیا ہی اسکے

ہرگز کچھ اور معنی نہیں ہوسکتے ناآرچ د) بھی حال میں ایک زبردست بحری مرکز
کردیا گیا ہی اور جزائر ارکینیز د) میں اسکاپا فلو د) کا معمولی
لنگرگاہ بھی بڑھا کر کروزر اسٹیشن بنا دیا گیا ہی۔ یہ کارروائیاں براہ راست وعلانیہ ہمارے
خلاف ہیں اور فوجی حالت جو اس صورت سے پیدا ہو گئی ہی قابل تفحص ہی۔

انگریزوں کو جرمنی سے جنگ کا خیال ۱۹۰۲ء سے پیدا ہوا ہی اُس سال سے پہلے
کوئی خیال اس امکان کا نہ تھا اور اسلئے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہی کہ گذرے ہوئے وقت
کی وہ تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے تدابیر کی مخالفانہ نوعیت میں فرق نہیں آتا اور نہ اس
بات میں کہ انگریزوں کی تیاری ہائے جنگ جرمنی کی خلاف ہیں۔ کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہی
لہذا ہمیں جیسا کہ دنیا کی عام حالت ہمکو یقین دلاتی ہی اس امکان پر بھروسہ کرنا چاہیئے
کہ انگلستان سے بحری جنگ ہوگی اور اُس وقت ہمیں بے انتہا فوقیت تعداد کے مقابلہ میں
لڑنا پڑیگا۔ دشمن کی فوقیت اتنی زیادہ ہوگی کہ عرصہ دراز تک ہم انگریزی بیڑے پر جارحانہ
کارروائی نہ کرسکیں گے۔ مگر ہم کو اس امکان کا تصور کرنا چاہیئے کہ اگر انگلستان نے ہم پر حملہ
کیا تو کسی نہ کسی طرح ہم اُس پر غالب ہو جائیں گے اور بحری آزادی حاصل کرلینگے ہم اس
امکان پر اب بحث کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں میں مختصراً اپنی ذاتی رایوں کا اظہار کرتا ہوں
جنمیں کوئی اصطلاحی بحری معلومات شامل نہیں ہیں اور اُنکا تعلق محض اُن فوجی خیالات سے
ہی جو ہمارے قیاسی مخاصمین کے دل میں گذر سکتے ہیں اور گذرینگے۔ میں امیرالبحری کے کوئی
راز بتا نہیں سکتا کیونکہ مجھے کوئی راز معلوم ہی نہیں۔ مگر میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ اہل
جرمن کو اس بات کا صاف ادراک کراؤں کہ انگلستان کی طرف سے کیا خطرات ہیں اور
اُنکا کس طرح مقابلہ ہوسکتا ہی ان خطرات اور اس بات کے یقین سے کہ ہم میں اتنی قوت
نہیں ہی کہ ہم خود جنگ کے محرک ہوں۔ یہ سوال باقی رہجاتا ہی کہ تحفظی بحری ترکیب کے وہ کیا
وسائل ہیں کہ ایک فایق اور چاق چوبند دشمن کے مقابلہ میں حفاظت ہوجائے اور نتیجہ غلبہ حاصل ہو

یہ ترکیب اس طرح ممکن ہو کہ دشمن پر اسکے حملے کا انتظار کیے بغیر ناگہانی حملہ کر دیا جائے
اور جو عمل جاپان نے پورٹ آرتھر کے سامنے کیا تھا وہی یہاں بھی کیا جائے۔ اس طریقہ
سے البتہ جنگ کے ابتدا ہی میں انگریزی بیڑے کو سخت نقصان پہونچ سکتا ہی اسکی فوقیت
گھٹ سکتی ہی اور کامیاب محاصرہ کا آغاز کچھ عرصہ کے لئے معرض التوا میں پڑ سکتا ہی۔ ایسی
کوشش بعید از قیاس نہیں ہی مگر اس کارروائی میں میرے نزدیک کسی بڑی کامیابی کی امید
نہیں۔ انگریزوں نے اپنے کھلے ہوئے بندرگاہوں میں وسیع تحفظانہ عمارات سے اپنے آپکو
ایسے حملوں سے محفوظ کر لیا ہی۔ ایسا کرنے سے تارپیڈو اور آبدوز کشتیوں کو جوکھوں میں
ڈالنا خطرناک ہی۔ ان کشتیوں کی بعد کو جنگ میں ایسی ایسی دلاورانہ کارروائیوں کے
لئے سخت ضرورت پڑیگی۔ حتیٰ کہ انگریزی تجارت کے خلاف بھی جنگ میں بمقابلہ سابق کم
اُمیدیں ہیں۔ جونہی کہ سیاسی کشیدگی شروع ہو جائیگی انگریزی تجارتی جہازوں کو اُن کے
متعدد کروزر اپنی پناہ میں لیجائیں گے۔ ان صورتوں میں ہمارے معاون کروزر کچھ نہ کر
سکیں گے اور ہمارے خارجی جنگی جہاز کوئلہ ختم ہونے سے پہلے دشمن کے جنگی جہازوں پر
فوراً حملہ کرنا شروع کر دینگے کیونکہ ان جہازوں کے کوئلے کے صندوق پھر بھرنا سخت کام
ہو جائے گا۔

باایں ہمہ انگریزی تجارت کے خلاف جنگ دلاوری و جوش کے ساتھ کرنا لازم ہی اور یکایک
شروع کر دینا چاہیئے جہازات جو مال غنیمت میں ہاتھ لگیں اُن کو سفاکی ساتھ تباہ کر دیا جائے
کیونکہ انگریزوں کی بڑی فوقیت و نیز اپنے کم خارجی مرکزوں کے باعث ہم اپنے جہازوں کو بڑے
خطرے میں ڈالے بغیر خیریت سے واپس نہیں لاسکتے اُن غیر جانبدار جہازوں کا جنہیں ممنوعہ
اشیا لدی ہوں سخت تدارک کیا جائے مگر کوئی بڑے قیمتی نتائج انگلستان کی تجارت کے خلاف
جنگ کرنے سے نہیں نکل سکتے برخلاف ازیں انگلستان متعدد کروزروں و معاون کروزروں
سے جو اسکے پاس ہیں ہماری بحری تجارت کو بیکار کر سکتا ہی۔ حتیٰ کہ زمانہ امن میں ناگہانی

حملہ کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیئے۔ انگلستان کے اغراض اگر جوکھوں میں ہوتے ہیں تو اسکی یہ عادت نہیں کہ اپنے فعل کو اعلیٰ لحاظات سے پابزنجیر کردے۔

ان صورتوں میں ہمارے لئے سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں کہ اپنے ساحلی قلعوں کی توپوں کے سایہ میں اپنا جنگی بیڑا لیکر ہٹ آئیں اور سرنگوں سے اپنی سواحل کی حفاظت کریں اور ان کو انگریزی جہازوں کے لئے خطرناک بنادیں۔ سرنگیں حملہ کی محض پُراثر روک ہیں بشرطیکہ اُن کی حفاظت کیجاسکے مگر اُن سے کثیر نقصان بھی ہوسکتا ہے اگر دشمن کو انکا علم نہو نیز اسکا انتظام کرنا ہم پر واجب ہوگا کہ باہر سے ضروریات کی اشیا آسکیں کیونکہ ہمارے سلسلہائے مراسلات انگریز بالکل منقطع کردینگے۔ سب سے سہل اور ارزاں طریقہ ہوگا کہ باہر کا مال بذریعہ ہالینڈ یا شاید غیر جانبدار بلجیم آئے اور ہمارا گھر تیار شدہ مال ہالینڈ اور فلانڈرس کے بندرگاہوں کے ذریعہ سے باہر جائے۔ نئے تجارتی راستے ڈینمارک میں سے نکالے جاسکتے ہیں۔ ہماری بحری تجارت معطل رہیگی مگر ان تدابیر سے تجارت کا کامل سد باب نہوگا۔

لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ انگلستان ایسے مراسلات کا غیر جانبدار علاقہ میں سے ہوکر گذرنا گوارا نہ کرے کیونکہ اس طریقہ سے ہماری تجارت پر اُسکی جنگ کا اثر بہت خفیف ہوجائیگا۔ ان تجارتی راستوں کے بند کرنے کی کوشش غیر جانبداری کے خلاف ہوگی اور سلطنتوں کے سامنے یہ اہم سوال ہوگا۔ کہ آیا وہ انگلستان کی مرضی کے موافق کاربند ہوں اور جرمنی کو اپنا دشمن بنائیں یا جرمن سلطنت کیساتھ اُس حسپیدگی کو ترجیح دیں جو جغرافیہ کی رو سے انکو حاصل ہے۔ اُن کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنا پڑے گی انگلستان سے بحری جنگ یا اپنے جرمن ہمسایہ سے یورپین جنگ۔ اسمیں ہر ایک بہت خطرناک ہے یہ بات کہ انگلستان کمزور تر ہمسایونکی غیر جانبداری کی زیادہ پروا کریگا دراں حالیکہ ایسا خطرہ زیر تنقیح ہو قابل یقین نہیں۔ انفرادی غیر جانبدار سلطنتوں کے اخیر فیصلے کے متعلق کوئی پیشینگوئی

نہیں کیجا سکتی اسکا انحصار غالباً اُس عام سیاسی حالت اور سیاسی مطلع پر ہوگا جو دیگر دول عالم کا
انگریزی فرانسیسی جنگ کے متعلق اُسوقت رہیگا۔ اس بارہ میں فرانس و روس کی پالسی ایک
اہم جزو ہوگی۔ ان صورتوں میں اسکی علت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہو کہ ہالینڈ والے جانب
سمندر اپنی غیر جانبداری قائم رکھنے کے لئے اپنے ساحل کے ضروری مقامات کو قلع بندی
سے مستحکم کرنے کی زور کے ساتھ تجویزیں پیش کررہے ہیں۔ نیز انھیں اپنی مشرقی سرحد کی بھی
فکر ہی جس پر ظاہر ہی کہ جب وہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہونگے جرمنی کا حملہ ہوگا۔ میں آگے
اُن سیاسی و فوجی امکانات کا بیان نہیں کرونگا جو پیدا ہو جائینگے۔ بحالیکہ ہالینڈ۔ بیلجیم و
ڈینمارک جنگ سے مجبور ہو کر کوئی ہمدردانہ معاہدہ کرلیں۔ مگر میں صرف یہ بتلاؤنگا کہ بحری
جنگ کا یورپ کی جنگ اور بالعموم سیاسی تعلقات پر بڑا وسیع اثر ہوگا اور ہونا چاہیئے۔
ڈینمارک کا طرز عمل بہت اہم ہوگا کیونکہ بالٹک کی آمد و رفت کے راستہ کا انحصار اُسی پر
رہیگا ہمارے لئے نہایت ضروری ہو کہ یہ راستہ کھلا رہے اور اسی کے انتظام کی طرف سے
اطمینان کرلینا لازم ہی بیلٹ اور ساؤنڈ کا کھلا ہوا دروازہ جنگ کرنے کے لئے نہایت
اہم ہوسکتا ہی۔ سوئیڈن ( ) کیساتھ کھلی تجارت ہمارے لئے ضروری ہے
کیونکہ جب اور ممالک سے برآمد اشیا بند ہو جائینگی تو ہماری حرفت کا زیادہ انحصار سوئیڈن کے
لوہے کی کچی دھات پر رہ جائیگا۔ اسکا انحصار معاملات کی عام حالت اور متعلقہ اقوام کی پالیسی
پر ہوگا کہ آیا یہ بحری راستہ حکمت عملی کے معاہدات سے محفوظ رہ سکتا ہی یا فوجی کارروائی سے
کھلا رہنا چاہیے بجز اُر ڈینمارک پر ہم دشمن کا قبضہ گوارا نہیں کرسکتے۔ پیچیدہ اور سنگین معاملات
سیاسی و فوجی دونوں اس طرح پر انگریزی و جرمن جنگ سے اُٹھ کھڑے ہونگے ہماری تجارت کو
ہر صورت میں بڑا نقصان ہوگا کیونکہ بحری سلسلہ بہم رسانی ہر طرف سے منقطع ہو جائینگے
فرض کرو کہ فرانس و روس ہماری بری سرحد کو بند کردیں۔ اُس صورت میں صرف سوئیزرلینڈ
و آسٹریا میں ہو کر تجارت کا راستہ ہمارے لئے کھلا رہیگا۔ اس حالت میں ہماری حنائگی

مشکلات سخت ہوجائینگی اور زیادہ سختی کے ساتھ جنگ کرنیکا جوش ہم میں پیدا ہو جائیگا
بہرصورت جب جنگ سامنے ہو ہم کو بلا توقف ایک راستہ تیار کرنا چاہیئے جسکے ذریعہ سے
ہم ضروری اشیا خوردنی اور کچا مال باہر سے منگا سکیں اور اپنی بنائی ہوئی فاضل
چیزیں چاہے تھوڑی مقدار میں ہوں بھیج سکیں۔ یہ تدابیر وقت کے وقت عمل پذیر نہیں
ہوسکتیں۔ ان کو زمانہ امن میں محنت سے مکمل کرنا چاہیئے اور گورنمنٹ کے ایک معین سررشتہ کی
سپردگی میں یہ تیاریاں دیدی جائیں۔ وزارتِ تجارت ظاہر ہے اس کے لئے موزوں
سررشتہ ہے اس سررشتہ کو بڑی تجارتی کوٹھیوں کے مشورہ سے وہ راستے تیار کرنا چاہئیں
جن پر ہماری تجارت کو چلنا لازم ہے۔ گویا ایک قسم کی تجارتی بیداری ہونا چاہیئے۔

یہ ہدایتیں ابتدائی تدابیر ہیں جن پر انگلستان سے جنگ چھڑنے کی حالت میں ہمکو
عمل کرنا ہے اول ہم کو دفاعی جنگ کرنا چاہیئے اور اسلئے اپنے سواحل کے محاصرہ کا خیال
کرنا پڑیگا دراں حالیکہ ہم انگریزی حملہ کا دفاع کردیں۔ اس محاصرہ کے دو طریقہ ہوسکتے
ہیں۔ انگلستان ہمارے پورے ساحل بحر شمالی کا محاصرہ کرسکتا ہے اور ساتھ ہی ڈینمارک کی
آبنایوں کو بند کرسکتا ہے جس سے بندرگاہان بالٹک کا سلسلہ مراسلات منقطع ہوجائیگا
یا ایک جانب تو انگلش چینل ( ) اور دوسری جانب شمالی اسکاٹلینڈ
و ناروے کے درمیان پیکر ہیڈ ایکر سنڈ ( ) خط پر کھلے ہوئے
سمندر کا سدباب کرسکتا ہے اور اس طرح ہماری بحری تجارت کو بیکار اور بلجیم و ہالینڈ۔
ڈینمارک و سویڈن کے جہازوں کو قابو میں لاسکتا ہے پورے محاصرہ سے انگریزی بیڑہ
پر بڑا بار پڑیگا۔ انگریزی ماہرین فن کے خیال کے مطابق مستقل محاصرہ کی صورت میں
مرکز و محاصرائی خط کے درمیان دو سو بحری میل سے زیادہ فاصلہ ہونا چاہیئے۔ چونکہ
کل انگریزی بندرگاہ ہمارے ساحل سے بہت زیادہ فاصلے پر ہیں محاصرہ جاری رکھنے
کی دقتیں بہت زیادہ بڑھ جائینگی یہی وجہ ہے کہ ہارچ ( ) کی کھاڑی حائل ہیں

مستحکم بحری بندرگاہ بنا دی گئی ہی۔ انگریزی ساحل پر وہ سب سے اچھا بندرگاہ سمجھا جاتا ہے اور جرمن ساحل سے تین سو میل سے زیادہ اُس کا فاصلہ نہیں ہی۔ اُس میں قلع بندی و نیز جنگ کے زمانہ میں محفوظ آمد و رفت کے واسطے موقع ہیں۔ مگر جرمن بندرگاہوں کا فاصلہ اغراضِ محاصرہ کے لئے کوئی بہت اہم چیز نہیں ہی اگر انگریزوں نے ایسے محاصرہ کا خیال کیا تو وہ یقیناً ہمارے کنارہ پر اور شاید ہالینڈ کے کنارہ پر مرکز قائم کرنے کی کوشش کرینگے ہمارا کام یہ ہی کہ ہر صورت سے کوششوں کو روکیں۔ صرف ہر مقام کو مثل ہیلی گولینڈ ( ) بورکم ( ) و سلٹ ( ) کو زمانۂ امن میں مستحکم کرنیکی ہی ضرورت نہیں ہی بلکہ کل اُترنے کی کوششوں میں بذریعہ اپنے بیڑے کے روک اور پیچیدگی پیدا کرنا لازم ہی۔ اس کام کو بیڑا بذریعہ آبدوز کشتیوں کے انجام دلیکتا ہی۔ ان کو تارپیڈو کشتیاں ساتھ ملکر کام کرسکتی ہیں اگر اُترنے والی فوج اُسوقت بھی جہاز پر ہو۔

ایسے پورے محاصرہ میں دشمن کو نقصان پہنچانے کے بہت سے موقع ہیں۔ بشرطیکہ ساحلی استحکامات کی ترکیب بغرض حملہ آوری ایسی ہو کہ اُنکی پناہ میں بیڑا اکیجا ہو سکے اور اپنے مقامات سے حملہ آورانہ کارروائیوں کے لئے آگے بڑھ سکے۔ ایسے موقع ہمارے شمالی کنارہ پر ہیں اور ہم کو اپنی کوششوں سے مختلف طور پر اُن سے کام لینا چاہیئے۔ ہمکو لازم ہی کہ متواتر اور ناگہانی حملوں سے بوقت شب کچھ تو بذریعہ آبدوز کشتیوں اور تارپیڈو کشتیوں اور کچھ بذریعہ جنگی جہازات حملہ آور بیڑے کو سانس لینے کی مہلت ندیں اور اُسکو امکان بھر نقصان پہنچائیں۔ ہم کو برتر مخالف افواج سے مصروف جنگ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ سمندر میں جنگ کے سلسلے کو منقطع کرنا ناممکن ہی اسلئے کہ دشمن کی توپوں کی زد سے بچنے کے لئے کوئی پناہ نہیں ہوتی۔ جو جنگ چھڑ گئی بس اُسکا خاتمہ ہی ہوجانا چاہیئے۔ دشمن کو معتدبہ نقصان اُس حالت میں پہونچ سکتا ہی کہ اُس پر جری حملہ ہو۔ چھڑی ہوئی جنگ کو بغیر کثیر نقصانات اُٹھائے چھوڑ دینا صرف نہایت غیر معمولی طور پر اچھے موقعوں کی صورت میں ممکن ہی مثلاً

جب قلعہ بند مرکز کا قرب ہو۔ کامیاب جنگی تاک جھانک سے دشمن پر متواتر حملے کرنا یقینی ممکن العمل ہو سکتا ہی۔ ایسے موقعوں پر جب ایک نہ ایک جگہہ وہ کمزور ہو گیا ہی۔ محاصرہ کے لئے فوجوں کی تفریق لازمی ہی اور حملہ آور فریق کا جنگی بیڑا جو محاصرہ کے بعید ترین خطوط سے پیچھے اور نظر سے دُور ہوتا ہی ہمیشہ طوفان خیز سمندر کے مقابلہ میں پوری تعداد کے ساتھ نہیں ٹھہر سکتا مگر تحفظ کرنیوالے فریق کی فوج محفوظ بندرگاہ میں ہوتی ہی اور ہر وقت نکلنے اور جنگ کے موقع کی منتظر رہتی ہی۔

کل باتوں پر لحاظ کرکے ایسا محاصرہ حملہ آور فریق کے لئے بہت گراں ہو سکتا ہی اسلئے ہم خیال کر سکتے ہیں کہ انگریز دوسری ترکیب پر چلنے کا فیصلہ کرینگے۔ بہرصورت بندرگاہی تعمیرات راسیتہ ( ) واسکا پا فلو ( ) جنمیں بعض زیرِ تعمیر اور بعض مجوزہ ہیں اسی خط محاصرہ کے لئے منتخب کیگئی تھیں۔ اس ترکیب سے تین سو بحری میل لمبا خط محدود کر لیا جائیگا۔ اور فوجی پہلو سے یہ ممکن العمل ہی۔ انگلش چینل کے روکنے کیلئے تھوڑی سی فوج کی ضرورت ہی کیونکہ جہازی راستہ بہت تنگ ہی ماسوا ان کل باتوں کے بڑے انگریزی بحری گودام ڈاور ( ) پورٹ لینڈ ( ) پورٹسمتھ ( ) ڈیلی مستہ ( ) خط محاصرہ پر یا اسکے ذرا پیچھے ہی واقع ہیں۔ علاوہ بریں جرمن ساحل کی پناہ کا سدِّ باب کرنے کے لئے اس خط پر ہر ایک حملے کیلئے شیرنیس ( ) اور ہارچ ( ) کے بازو ونکی مدد ہی۔ شمالی خطِ محاصرہ کی حالت بھی مجوزہ بندرگاہی تعمیرات ختم ہونے پر ایسی ہی اچھی ہو جائیگی۔ لہذا محاصرہ کرنے والے بیڑے کیلئے راستھ ( ) بڑا بندرگاہی مرکز ہی اور کروزر کا اسکوڈرن مدد کے لئے جزائر ارکنی ( ) کے اُدھر رہ سکتا ہی۔ جرمن شمالی کنارہ کے ہر حملہ آور بیڑے پر جناح کیلطرف راستھ ( ) و شیرنیس ( ) سے بلا لیس پیش حملہ ہوگا اور خط پناہ سی اُسکا سلسلہ منقطع کر دیا جائیگا۔ لہذا بوجہ فوقیت قوت انگریزی اس خط پر حملہ آور

بیڑے کو کوئی بھاری نقصان پہونچانا قریب قریب ناممکن ہی سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ
بالٹک سی محاصرائی خط کے شمال مشرقی حصہ پر دھاوا کیا جائے۔ یہاں ہم کو خاصی محفوظ پناہ
ملیگی لیکن اسکے لئے یہ نہایت ضروری ہی کہ جس طرح ممکن ہو ساونڈ (Sound) اور گریٹ بیلٹ
( ) کا راستہ کھلا رکھیں۔ ان آبنایوں کے تصرف سے صرف بالٹک ہی ہمارے
قبضہ میں نہ رہیگا بلکہ انگریزی محاصرہ کرنیوالے بیڑیکے خلاف ہمیں حملہ آورانہ کارروائیوں کیلئے
اجتماع کے واسطے بندر کھلے ملینگے۔ اُن کل نفعوں کے باوجود جو توسیع شدہ نظام محاصرہ سے
انگریزوں کو ہونگے اس نظام پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں جو انگریزی نقطہ خیال سے
قابل لحاظ ہیں۔ اول اُس سے بہت سی قوموں کے اغراض کو نقصان پہنچتا ہی جنکے سواحل سے
بحر شمالی و بحر بالٹک ٹکراتے ہیں کیونکہ یہ بحر محاصرہ میں شامل ہیں۔ دوسرے انگلستان کو اپنا
بیڑا دو یا تین حصوں میں متفرق طور پر تقسیم کرنا پڑتا ہی۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہی کہ انگلستان اپنے فائدے کی کوشش میں کمزور فریقوں کے
اغراض کا لحاظ نکریگا جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ یہ بھی خیال ہو سکتا ہی کہ محاصرہ کے بارہ میں
سلطنتہائے متعلقہ سے رضامندی کیساتھ کوئی معاملہ ہو جائے۔ بیڑے کی تقسیم کے متعلق یہ ہی کہ
اس سے خاص طور پر کوئی مضر صورتیں پیدا نہیں ہوتی ہیں۔ عارضی طور پر منقسمہ حصص کو پھر ملا
دینے میں کوئی دشواری نہیں ہی۔ اور جرمنی بحری فوج پر بیڑے کی مجموعی قوت جدا جدا حصوں کی
فوقیت کی ضامن ہی تاہم حملہ آور بیڑے کی اس تقسیم سے دفاعی فریق کو اصلی حصہ میں شامل
ہونے سے پہلے بعض جدا جدا حصوں پر حملہ کرنے اور اُن کو ضرر پہنچانیکا موقعہ مل سکتا ہی
بشرطیکہ دشمن کو دھوکا دیا جائے اور چستی کے ساتھ اچانک اُس پر حملہ کیا جائے۔ ایسی حالتوں میں
معمولی برّی جنگ کی ترکیبوں سے کام نہیں لیا جا سکتا کیونکہ گشت لگانے والے جہاز برابر
پھرتے رہتے ہیں۔

اس محاصرہ سے حملہ آور فریق آخر کار کمزور و خستہ ہو جائیگا۔ مگر یہ سمجھ لو کہ یہ ترکیب بمقابلہ

پورے محاصرہ کے زیادہ سہل العمل ہو اور اس سے ہمارے بیڑے کی حملہ آورانہ قوتوں پر زیادہ سخت بار پڑتا ہو۔ ہم کو صرف بعید سمندروں میں ہی جا کر حملوں کی ہمت نہ کرنا ہوگی بلکہ ہم کو اتنا زبردست ہونے کی ضرورت ہو کہ اپنے حملہ آور بیڑے کے بازو کو دشمن کے حملہ سے اچھی طرح بچا سکیں۔

بالآخر یہ اُمید نہیں کہ انگریز محاصرہ جیسی خفیف ترکیب پر عمل کرینگے۔ وجوہات جو جلد سے جلد فیصلہ کے لئے اُن کے واسطے محرک ہوں گے پہلے بیان کر دیئے گئے ہیں یہ بتا دیا گیا ہو کہ فرانس سے متحد ہو کر لڑنے کی حالت میں اپنے بیڑوں کو خشکی طرف مدد پہنچانیکے لئے وہ غالباً فوج اُتارینگے۔ اُن کو کوئی فیصلہ کن نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ ہماری بحری مرکز لینے کی کوشش نہ کریں یعنی دل ہلیس ہیون ( ) ہیلی گولینڈ) دہانہ ایلب ( ) وکیل (Kiel) اوران مقامات کے بچانے کی کوشش میں ہمارے بیڑے کو تباہ نہ کردیں اور اس صورت سے ہمیں بحری جنگ کے قابل نہ رکھیں۔

یہ بھی اتنا ہی یقینی امر ہے کہ ہماری برّی فوج انگریزوں کو اترنے سے باز رکھنے میں مدد دے گی اور عقب کے حملوں کے دفاع اور سلسلہ جزرسانی کے جاری رکھنے سے ساحل کے تحفظ میں نہایت مفید اعانت پہنچائے گی۔ انگریزوں کے حملہ کی کامیابی کا انحصار زیادہ تر ہمارے ساحلی قلعوں کی فوج اور توپوں پر ہوگا اس جنگ سے بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ یہ قلعے دفاع اور حملے کے لئے کیسے ہیں۔ ہماری کل آیندہ تاریخ کا انحصار ان قلعوں کے ناممکن التسخیر ہونے پر ہے۔ یہ قلعے بیڑے کی شرکت میں ہمارے سواحل و بحری مرکزوں کے تحفظ کے لئے ہیں اور ان سے دشمن کو اس قدر کثیر نقصان پہنچنا چاہیئے کہ دونوں بیڑوں کا تفاوت بتاریج برابر ہو جائے۔ یہ یاد رہے کہ ہمارے جہازات اُس وقت تک اچھا کام کر سکتے ہیں جبتک ہمارے قلعے مقابلہ کرتے رہیں گے۔

یہ امر کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہی کہ ایسے دفاع کے لئے پالسی کی بنا راچانک حملوں پر ہو۔ مگر ایک اچھا نظامِ خبر رسانی ضروری ہی۔ ایسے ہی نظام سے حملے کے ٹھیک موقعوں کا اطمینان ہو سکتا ہی اور اس کے ذریعہ سے مخالف بیڑے کی نقل و حرکت کی اطلاع اس قدر جلد مِل سکتی ہی کہ ہم دفاع کی ضروری تدابیر اختیار کر سکتے اور ہمیشہ اپنے سے زیادہ تعداد میں دشمنوں کے حملے سے پناہ گزیں ہو سکتے ہیں۔ انگریزی کروزروں کی تعدادی فضیلت اس قدر بڑھی ہوئی ہی کہ ہم کو غالباً جاسوسی کے لئے ہوائی بیڑے کی سریع و قابل اعتماد امداد پر بھروسہ کرنا پڑیگا۔ ہوائی بیڑے کی اہمیت کو اس لئے کم نہیں سمجھنا چاہیئے اور مخالف ہوائی جہازوں کے دفاع کے لئے یا تو خاص ترکیب کی توپیں ہوں یا ویسے ہی اُن پر حملہ کیا جائے۔

ہوائی جہازوں سے بھی کام لیا جا سکتا ہی۔ کثیر انگریزی فوج کے ساتھ جنگ کرنے میں ہمارے بیڑے کو انسے مدد ملیگی اور دشمن کے جہازوں پر اُن سے گولے پھینکے جائیں گے۔ ممکن ہی کہ اس طرح پر بتدریج مخالف فوجوں میں توازن پیدا ہو جائے مگر یہ امکانات موہوم ہیں۔ جہازات ایک حد تک اُن گولوں سے جو جہازوں سے پھینکے جا سکتے ہیں بذریعہ زرہ محفوظ ہیں اور غبارہ سے صحیح نشانہ لگانا بھی آسان نہیں ہی مگر ایسے حملے کے قاعدوں کا امکان ذہن نشین رہنا چاہیئے۔

فنِ پروازی کا جہاں تک تعلق ہی دفاعی فریق نفع میں رہتا ہی کیونکہ جرمن ساحل سے اڑ کر ہمارے ہوائی جہاز اور پرواز کرنے والے آلات انگریزی حملہ آور بیڑے پر زیادہ کامیابی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ انگریز ہمارے قلعوں اور جہازوں پر کر سکتے ہیں کیونکہ اُنکا مرکز یا تو خود بیڑا ہوگا یا بعید انگریزی ساحل۔

فوقیت کے ان امکانات کی تاک جھانک احتیاط سے کرنا چاہیئے اور کسی بات سے غفلت نہ کیجائے جس سے دشمن کو ضرر پہنچتا ہو اور جری سے جری جوش حملہ آوری

اور بلا جھجک دلاوری کے ساتھ ساتھ اُن ذرایع سے کام لیا جائے جو صنعت اور بحری تعمیرات و استحکامات کیلئے سائنس سے حاصل ہیں۔ یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم اپنے مغرور دشمن کو ضعیف کرنے کی توقع کر سکتے ہیں تاکہ آخر میں اس کو کھلے سمندر میں فیصلہ کُن جنگ کی دعوت دے سکیں۔ اس جنگ میں ہم کو فتح ہونی چاہیئے یا بہرحال اپنے آپ کو شکست نہ ہونے دیں کیونکہ اس سے یہ فیصلہ ہوگا کہ آیا ہم ایک دولت کی حیثیت انگلستان کے پہلو بہ پہلو یا اُس کے مقابلہ میں حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ فتح محض جرمنی کے اغراض کے لئے بلا اشتراک غیری نہ ہوگی۔ ہم اس جنگ میں جیسا اکثر پہلے بھی ہوا ہے مشترکہ اغراض دنیا کے وکیل ہونگے۔ کیونکہ یہ جنگ محض اپنے ہی واسطے امتیاز حاصل کرنے کے لئے نہ ہوگی بلکہ سمندروں کی آزادی کے واسطے ہوگی یہ عظیم الشان مقصد روس کا ملکہ کیتھرائن دوم کے عہد حکومت میں تھا اور فرانس کا نپولین اول کے زمانہ میں اور نہایت سخت کوششوں کے ساتھ فرانس کی تاریخ کے آخری صفحوں میں ۱۸۴۰ء تک یہ مقصد رہا اور عظیم الشان سلطنت جمہوری ریاست ہائے متحدہ امریکہ سخت محنت سے اُسکی کوشش کرتی ہے۔ یہ قوموں کے حقوق کی ترقی ہے جس کی ہر قوم متمنی ہے۔ اس جنگ میں ہم روحانی حیثیت سے تنہا نہیں کھڑے ہیں بلکہ کل لوگ اس وسیع کرۂ ارض پر جنگی جذبات میں خودداری و آزادی ہی ہمارے ساتھ اس معرکہ میں ایک قوم کے متکبرانہ حوصلوں کے خلاف شریک ہیں۔ وہ قوم جسکا مقصد باوجود مصنوعی فیاضانہ ہمدردانہ پالسی کے کچھ اور نہیں رہا ہے سوائے اسکے کہ اپنی ذاتی نفع کی متلاشی ہو اور اپنے حریفوں کو بے دریغ ابھرنے سے روکے اگر فرانسیسی بیڑا جسکی ہم اُمید کر سکتے ہیں انگریزی بیڑے کیساتھ ملکر شریک جنگ ہوا تو انگلستان کے مقابلہ میں تنہا جنگ کرنا ہمارے لئے اُس وقت اور بھی سخت ہو جائیگا۔ فرانس کا نیلے پانی والا بیڑا ہمارے اتحادیوں کو بحر روم میں روکے رہیگا اور انگلستان اپنی کل فوج سے

ہیں دبا سکے گا۔ یہ ممکن ہوگا کہ ہر دو دول کے متحدہ بیڑے بحر روم و بحر شمالی دونوں میں آئیں کیونکہ انگلستان اپنے بحر روم کے اغراض کی حفاظت خالی فرانس کے ہاتھ میں مشکل سے چھوڑیگا۔ اس لئے کسی آخری کامیاب نتیجے کی اُمید ہمارے لئے مفقود ہو جائے گی۔ مگر ہم کو اُس حالت میں بھی دل نچھوڑنا چاہیئے۔ برخلاف اس کے ہم کو فرانسیسی بیڑے سے گویا خشکی پر لڑنا چاہیئے یعنی یہ کہ فرانس کو ایسی پوری شکست دیجائے کہ وہ مجبور ہو کر انگلستان کے ساتھ اتحاد سے دست بردار ہوجائے اور پوری تباہی سے بچنے کے لئے اپنا بیڑا ہٹالے۔ جس طرح ۱۸۷۰-۷۱ء میں ہم اٹلانٹک کے کناروں تک گئے تھے اسی طرح اب بھی پوری تسخیر کی دل میں ٹھاننی چاہیئے کہ فرانسیسی بحری بندروں پر قبضہ ہوسکے اور فرانسیسی بحری گودام برباد کئے جاسکیں۔ یہ جنگ فرانس کے ساتھ دست بدست جنگ ہوگی یہ ایسی جنگ ہی جس سے بشرط فتحیابی فرانس کی حیثیت باعتبار دولت عظمی ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے گی اگر فرانس باوجود تنزل اوسط پیدایش ایسی جنگ کی دل میں ٹھانے گا تو یوروپین اقوام کی اوّل قطار میں جو جگہ لئے ہوئے ہی اُس کے جاتے رہنے اور دائمی سیاسی ماتحتی کی ذلت میں پڑ جانے کا خطرہ ہے غرضکہ اس قسم کی بازیاں لگی ہوئی ہیں اور نتیجہ پر سب کی نگاہ ہونا چاہیئے۔

بحری جنگ میں روس کی شرکت کا بھی خیال کرنا چاہیئے یہ کم خطرناک ہے کیونکہ روسی بالٹک بیڑا ابتک بھی کمزور ہی اور ایسی آسانی سے متحد نہیں ہوسکتا جیسے انگریزی بیڑا فرانسیسی سے اُسکے خلاف ہم اندرونی خط پر جنگی کارروائیاں کرسکتے ہیں یعنی یہ کہ موقع سے بالٹک میں بسرعت بذریعہ نہر قیصر ولیلم اپنے جہازوں کو متحد کرنا ممکن ہی۔ ہم روسی جہازوں پر نہایت فایق فوج سے حملہ کرسکتے ہیں اور پلٹ کر بحر شمالی میں واپس آسکتے ہیں۔

ہالینڈ کی آبنائین دشمن کے قبضہ میں سمجھا نا چاہئیں اگر یہ انگریزوں کے ہاتھ لگ گئیں تو بالٹک میں کل آزادانہ کارروائیاں قریب قریب ناممکن ہوجائینگی اور ہمارے ساحلِ بالٹک کی دفاعی حفاظت صرف ہماری ساحلی توپوں سے ہو سکے گی۔

باب نہم

فیصلہ کُن مسئلہ

میں نے بحری جنگ مابعد کی قیاسی حالتوں پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہی کیونکہ میرے خیال میں عام سیاسی و جنگی حالت کا ٹھیک اندازہ بحری و بری جنگ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے سے ہوسکتا ہی اور اُن امکانات و خطرات کے احساس سے بھی جو ہمارے سواحل و بری و سرحدات پر متحدہ فوجوں کے عمل سے پیدا ہوسکتے ہیں ممکن ہی۔ بس اسی طریقہ سے ہم اُس نہج کا فیصلہ کرسکتے ہیں جس پر ہماری جنگی تیاریاں ہونی چاہئیں۔

اُن خیالات سے جو انگلستان کی بحری جنگ اور اُس کے اتحادیوں کے متعلق مبحث میں آچکے ہیں ظاہر ہوتا ہی کہ ہمیں مخالفانہ بحری حملہ سے کامیابی کے ساتھ اپنی آپ کو بچانے کے لیے بڑی جدوجہد کرنا پڑی گی۔ ان سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ہم کو آخری بحری فتح پر بھروسا نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ خشکی پر ہم فتحیاب نہوں۔ اگر متحدہ انگریزی فرانسیسی فوج نے ہالینڈ میں سے شمالی جرمنی پر حملہ کیا اور پیچھے سے ہمارے ساحلی قلعوں کو دھمکایا تو ہمارے بحری استحکامات بیکار ہوجائینگے۔ یہی حالت مشرقی حصہ کی ہوگی۔ اگر روسی فوجیں کامیابی سے بالٹک کے کنارے کنارے بڑھیں اور مخالفین کے متحدہ بیڑے نے ملکر کام کیا تو دشمن کی بری کارروائیوں سے بحری جنگ کا جاری رکھنا فعل عبث ہوجائیگا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سب سے پہلے ضروری بات یہ ہی کہ خشکی پر فوجوں کی ترتیب ایسی خوبی کیساتھ کی جائے کہ کل

صورتوں میں ہم فتحیابی کے ساتھ برّاعظم یورپ پر اپنی حالت قایم رکھ سکیں۔ کامیابی کے ساتھ بحری جنگ کرنی اور شاہی پالسی جو قوت پر مبنی ہی اختیار کرنے سے قبل اس حالت کو بالکل محفوظ کردینا لازم ہی۔

جب تک اٹلی میں روما کو ہنی بال ( ) کا خوف لگا رہا اُس وقت تک سلطنت کی بابت کوئی خیال قایم نہو سکا۔ تاریخ میں اُس کی فیروزمندانہ ترقی کا اغاز نہوا تاوقتیکہ اُس کو اپنے ملک میں پورا اطمینان حاصل نہوگیا۔

مگر ہمارے استدلال سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہی کہ بحری جنگ کا اثر برّی کامیابی پر ہوسکتا ہے اگر دشمن کو ہماری بیڑی کے تباہ کرنے اور ساحل بحری شمالی پر زبردست دستے اتارنے میں کامیابی ہوئی تو اُن کو پسپا کرنے کے لیے کثیر برّی فوج کی ضرورت ہوگی اور اس سے سرحدات کی جنگی ترقی پر وسیع اثر ہوگا۔ اس لیے بیحد ضروری ہی کہ اپنے سواحل کے تحفظ کا انتظام ایسا کیا جائے کہ ہر حملہ گو کثیر تعداد ہی کے ساتھ کیوں نہو کامیابی سے پسپا کیا جا سکے۔

اسی کے ساتھ سیاسی حالت کے لحاظ سے یہ یقین بھی دل میں جاگزیں ہوتا ہی کہ ہماری اس جنگ کی تیاریوں میں برّی و بحری فوج کی تدریجی اضافہ کا خیال ہرگز نہ ہونا چاہیے جن سے قومی خزانہ پر کچھ بھی بار پڑتا ہو اور تمدّنی ترقی کے لیے گنجایش نکلتی ہو۔ امر قطعی یہ ہی کہ اُن سب خیالوں کو بالائے طاق رکھدیا جائے اور انتہائی کوشش سے اس جنگ کے لیے تیاری کی جائے جو سر پر ہی اور جس پر ہماری کل آیندہ سیاسیات و تہذیب کا دارومدار ہی۔ دنیاوی پالسی کے وسیع خیالات اور جُدا جُدا سلطنتوں کے سیاسی حوصلوں نے یہ بتا دیا کہ ہر جگہ صورت معاملات ہمارے لیے نازک ہی اور یہ کہ ہمارے اوپر وہ وقت ہی کہ یا تو ہم دنیا کی زبردست طاقت ہوجائینگے یا ہمیں زوال ہوجائیگا۔ اتحاد ثلاثہ کے اندرونی شگاف نے جلیا اٹلی نے اپنے علانیہ عمل سے ٹرکی کے ساتھ ظاہر کردیا اس نازک موقع کو ہمارے سامنے لاکھڑا کیا ہی۔ وہ موقع جو مشیت نے اجتماع افواج و تیاری جنگ مہلک کے لیے مقرر کیا ہی جلد گزر جائیگا۔ ہم کو اس موقع سے کام

لینا چاہیئے اگر ہم الیگزاعظم کی اس کارروائی کو نہیں بھولے ہیں کہ ہم جرمن ہیں - اس نقطۂ خیال سے ہم کو جنگ بری و بحری کے لیے تیاریاں کرنا چاہئیں - اسی صورت سے بس ہم قومی فرض کا حق ادا کر سکتے ہیں -

اس سے میری مراد یہ نہیں ہی کہ ہم اَندھا دُھند وہ تدبیریں اختیار کریں جو صرف ضروریات موقع کے لیے ہوتی ہیں جو کچھ ہم فوجی قابلیت کی خاطر کریں اُس میں دو ضرورتوں کا لحاظ لازم ہی اوّل اُس سے سنگین عقدہائے موجودہ حل ہوجائیں دوسرے آیندہ کی ترقی میں مدد ملے مگر ہماری خطرناک حالت جان توڑ کوششوں کے لیے محرک ہوسکتی ہی تاکہ اخیر وقت ہم کو اُس میں سے جو پچھلے سالوں میں ہم کھو بیٹھے ہیں کچھ ملجاوے -

چونکہ فیصلہ کُن سوال برّاعظم یورپ پر اپنی نہایت خطرناک حالت کا تحفظ ہی اوّل ہمارے سامنے برّی جنگ کا سخت مسئلہ پیش ہونا چاہیئے یعنی یہ کہ کن ذرایع سے ہم دشمنوں کی عظیم الشان کثرت تعداد پر غالب آنے کی توقع کر سکتے ہیں - یہ کتنا اُس وقت جب کہ اٹلی اتحاد ثلاثہ کا لڑنیوالا ممبر نہ رہے یقینی ہے بحری جنگ کی تیاریوں کی اہمیت اس کے بعد ہی -

سب سے پہلے لازمی ضرورت یہ ہی کہ بحالت جنگ برّی قوم کی کل لڑنیوالی فوج فراہم کیجائے ملک کے کل جوانوں کو ہتیاروں کی تعلیم دی جائے اور فوجی خدمت عام کردیجائے -

عام فوجی خدمت کے نظام نے جو ضرورت کے وقت ایجاد ہوا تھا تعداد کی شاندار ترقی سے ہم کو غیروں کی غلامی سے نکالا ہی - امن کے سالہائے دراز میں زبردست اور مسلح قوم کو تعلیم دی ہی - جرمنی کو جنگہائے اتحاد میں فتح پر فتح دلائی ہی - قوم کی معاشرتی ترقی میں اُسکی اہمیت کا جو درجہ ہی اُس پر علیحدہ باب میں بحث ہوچکی ہی -

فرانس کی آبادی اس وقت تقریباً چار کروڑ ہی - یورپین روس کی مع پولینڈ و کوہ قاف چودہ کروڑ - اس کے مقابلہ میں جرمنی کی آبادی صرف ساڑھے چھ کروڑ ہی - مگر چونکہ روسی فوج زیادہ تر متعدد اسباب سے مجبور ہوکر کسی خاص وقت یا جگہ پر کام نہیں دے سکتی اور فوجی

قابلیت میں بھی کم ہی آتنی جرمن فوج جو اس آبادی کی مناسبت سے ہو کامیابی کے ساتھ دونوں دشمنوں
کا مقابلہ کر سکتی ہی بشرطیکہ استقلال کے ساتھ اندرونی خط پر کام کرے۔ چاہے انگلستان بھی
شریک جنگ کیوں نہو جائے۔

اپنی بدبختی سے ہم نے عام جنگی خدمت کے خیال کو پس پشت ڈال دیا ہی اور بظاہر اُس پر
باقاعدہ عمل کرنا چھوڑ دیا ہی۔ وہ ملک جہاں عام فوجی خدمت کا طریقہ جاری ہی اب فرانس ہے
ہم اس کی بابت قیل و قال تو بہت کرتے ہیں مگر جھوٹ موٹ اسے قایم کیے ہوئے ہیں۔ کیونکہ
شاید صرف پچاس فیصدی صحیح البدن لوگ تعلیم کے لیے بھرتی کیے جاتے ہیں بالخصوص بڑے
بڑے شہروں سے فوج کے لیے کم رنگروٹ لیے گئے ہیں۔

اس بارہ میں جدید نظم کی ضرورت ہی جس سے جوش کے ساتھ قومی افواج مجتمع ہو جائیں
اور ایسی سپاہ بن جائے جو اس وقت ہمارے پاس نہیں ہی۔ جبتک اس ضرورت کو پورا نہ کیا
جائیگا۔ ہم دول مخالف کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکینگے۔

مگر اس ضرورت کو قومی فرض سمجھنے کے بعد یہ بات ہمارے پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس
کمی کا قلیل عرصہ میں پورا ہونا ناممکن ہی۔ ہماری فوج کی تعداد یکبارگی بقدر ڈیڑھ لاکھ کے نہیں
بڑھ سکتی۔ تعلیم دہندہ عملہ و سامان ضروری تیار نہیں ملیگا اور مالی اعتبار سے صرف مطلوبہ فوراً
نہیں برداشت کیا جا سکتا۔ اضافی افواج کا پورا اثر بتدریج اُس وقت محسوس ہونا شروع ہوگا
جب کہ محفوظ فوج اور لینڈویر (   ) کی تعداد اسی مناسبت سے بڑھ
جائیگی۔ لہذا ہم عام فوجی خدمت کے اضافہ کی طرف آہستہ آہستہ آسکتے ہیں۔ پنج سالہ قانون کسی
اعتبار سے جائز نہیں ہی۔ لیکن اگر ہم اپنی فوج کی تعداد وسیع پیمانہ پر بڑھانا چاہتے ہیں۔ تو ہمکو
یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ باوجود پورا زور لگانے کے کام آہستہ آہستہ ہوگا اور عرصہ دراز تک ہم کو اپنے
دشمنوں کی تعداد کے پاس بھی پھٹکنے کی اُمید نہ کرنا چاہیئے۔

اس لیے اپنی فوج کے اضافہ تعداد پر ہی ہم کو قناعت نہ کرنا چاہیئے ہم کو اور تدبیریں بھی

دشمن پر غالب ہونیکی نکالنا چاہئیں۔ ان تدبیروں کا پتہ روحانی سلطنت میں ملیگا۔
تاریخ بیشمار مثالوں سے بتاتی ہے کہ اعداد بذات خود جنگ کے اندر اُس وقت اہم جزو ثابت ہوئے ہیں جب مخالفین بھی اور اعتبارات سے دوسرے فریق کے ہم پلہ رہے ہیں یا جب ایک فریق کی فوقیت اعدادی قانونِ مقررہ کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہے۔
بہت سی حالتوں میں ایک فریق کی خاص فوقیت (مثلاً بہتر سامان۔ سپاہ کی زیادہ قابلیت نمایاں سپہ سالاری یا زیادہ ترکیبیں) اعدادی فضیلت پر غالب رہی ہے۔
روما نے دنیا کو تھوڑی فوج سے فتح کیا۔ فریڈک اعظم نے قلیل فوج سے یورپ کی متحدہ فوجوں کا مقابلہ کیا۔ حال کی تاریخ اعدادی اعتبار سے کمزور جاپان کی فتح کو نہایت زبردست دشمن کے مقابلہ میں بتلاتی ہے۔ ہمیں بھروسا نہیں کہ کوئی بڑا کمانیر سرداری کے لیے ملیگا۔ دوسرے فریڈک اعظم کا پیدا ہونا دشوار ہے۔ نہ ہمیں پہلے سے یہ علم ہے کہ ہماری سپاہ مخالف افواج کے مقابلہ میں فائق ثابت ہوگی۔ مگر ہم اس بات کے جاننے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ آیندہ جنگ میں وہ کونسی فیصلہ کن باتیں ہونگی جنسے پلڑا فتح یا شکست کی طرف جھک جائیگا۔ اگر ہم کو اس کا علم ہے اور جنگ کی تیاری معینہ غرض سے کرتے ہیں اور ضروری باتوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں تو ہم فوقیت کا حقیقی ذریعہ پیدا کر سکتے ہیں اور مخاصمین پر وہ سبقت حاصل کر سکتے ہیں جن کی برابری کرنا اثنائے جنگ میں اُن کے لیے دشوار ہوجائیگا اگر اس کے بعد خود جنگ میں ایک غالب اصول ایسی پالسی کا اختیار کرینگے جو زمانہ موجودہ کی جنگ کی خاص نوعیت سے پیدا ہوتی ہے تو ہمارے لیے ایسی یقینی فوقیت حاصل کرنا ممکن ہے کہ جو کثیر تعدادی فضیلت کے مساوی ہوجائیگی۔
اصل نکتہ کی بات یہ نہیں کہ بٹالین کے مقابلہ میں بٹالین ہو۔ توپ خانہ کے مقابلہ میں توپ خانہ یا جسقدر توپیں مشین گن۔ ہوائی جہاز اور دیگر صنعتی آلات دشمن کے پاس ہیں اُتنے ہی ہمارے پاس ہوں۔ اگر تمام کوشش مادی دائرہ میں دشمن کے برابر یکجا کی جائے تو یہ حماقت ہے

اس سے ایک قسم کی روحانی غلامی وکمتری کا خیال پیدا ہوتا ہی۔

بجائے اس کے ان باتوں میں فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جن پر آخری فیصلہ کا دارومدار ہی ہمارے محکمہ جنگ کا فرض ہی کہ قوت کے یہ فیصلہ کن عناصر امن کے زمانہ میں ہی تیار کرے اور ان سے ایک مسلمہ اصولِ فضیلت کے مطابق جنگ میں کام لے۔ اس سے ہم کو دشمنوں پر روحانی فوقیت اور روحانی فوقیت کے ذریعہ سے مادی فوقیت حاصل ہو سکتی ہی ورنہ خطرہ ہی کہ اُن کی کثرت تعداد سے ہم کچلڈالے جائیں۔

ہم اس منزلِ مقصود پر روایت اور رسم کے فرسودہ راستوں سے بذریعہ رقابت تیاری فوج نہیں پہنچ سکتے۔ ہم کو صاف نظر سے جنگ کی آیندہ حالت کو دیکھنا چاہیے اور ضرورت پڑے تو اُن راستوں پر چلنے سے خائف نہونا چاہیئے جن کا تجربے اور استعمال سے تزکیہ نہیں ہوا ہی۔ نئے منازلِ مقصود پر نئے راستوں ہی سے پہنچ سکتے ہیں اور ہماری فوجی تاریخ متعدد مثالوں سے بتاتی ہی کہ ترقی اور رائے کی جدت جس کے لیے دل نشین دلائل ہوں فضیلت کے لیے ماخذ ہیں۔ متغیر حالتوں میں اس علم کی روحانی قابلیت کے فیصلے کی تلاش کہاں کی جائے نئے طرز عمل پر چلنے کی روحانی جرأت کہاں مل سکتی ہی۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن سے عظیم الشان کامیابیاں ہم آغوش ہو سکتی ہیں۔

باقاعدہ اُن خیالات تک پہنچنے کے لیے جو آیندہ جنگ میں فیصلہ کن ہوں، اس جگہ اُسکی نوعیت پر زیادہ صراحت کے ساتھ بحث کرنا خالی از طوالت نہوگا ان مسائل کا پورا بیان میں نے اپنی کتاب "آجکل کی جنگ" میں کردیا ہی۔ اس مقام پر میں صرف اپنی تحقیقات کے نتایج کا خلاصہ دونگا تاکہ آیندہ کے ضروری مسائل پر غور کرنے کے لیے بنیاد قایم کیجائے۔

آیندہ یورپ کی جنگ میں آدمیوں کے دل کے دل اس کثرت سے کام میں لائے جائینگے جس کی نظیر کسی سابق جنگ میں نہ ملے گی وہ ہتیار استعمال کیے جائینگے جنسے زیادہ مہلک کبھی دیکھنے میں نہ آئے ہونگے اسقدر کامیاب اور مختلف ذرایع خبر رسانی کے فراہم ہونگے جو اس

سے پہلے جنگوں میں نصیب نہیں ہوئے تھے - یہ تین اہم باتیں آیندہ جنگ میں ہونگی -

ٹڈی دل بذاتِ خود زیادتیِ قوت پر دال ہو مگر ان میں عناصر کمزوری بھی ہوتے ہیں جسقدر اُن کی تعداد زیادہ ہوگی اور جسقدر کم وہ پیشہ ور سپاہیوں کے زیر کمان ہونگے اُسی قدر اُن کی جنگی و نظامی قابلیت کم ہوگی - جنگ کے وقت بالخصوص جب وہ اکٹھا ہوں اُن میں جتنی کم صلاحیت صبر و تحمل کی ہوگی اور کھانے کی زیادہ خواہش اُتنے ہی وہ زیادہ سست و کاہل ہونگے -

چونکہ پھیلنے کے لیے اُنھیں زیادہ جگہ کی ضرورت ہوتی ہو اس لیے سب سے ایک ہی وقت میں نتیجہ خیز کام لینا بیحد دشوار ہوجاتا ہو نیز اُن میں بمقابلہ چھوٹے مجتمع سپاہ کے دستوں کے اخلاقی پست ہمتی کے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہو اپنے سرداروں کی جنگی ترکیبوں کے لیے خطرناک ہو سکتے ہیں - جب رسد کم ہوجاتی ہو انتظام خراب ہوجاتا ہو اور کمانیر کا ٹڈی دل پر قابو جاتا رہتا ہو جن پر وہ مقررہ قاعدوں سے کمان کرتا ہو -

آج کل کے ہتیاروں کی خوبی یہ ہی نہیں ہو کہ زیادہ دور ماریں بلکہ زیادہ ہلاکت پھیلائیں اور اس لیے سپاہی کے اوسان زیادہ اچھے ہونے چاہئیں - خطرناک رقبہ زمانہ سابق کے مقابلہ میں جلد شروع ہوجاتا ہو - حملہ میں جو جگہ طے کرنا ہوتی ہو وسیع تر ہوگئی ہو - حملہ آور فریق اسکو آہستہ چلکر یا دوڑ کر طے کرتا ہو - دفاعی کارروائیوں میں سپاہی کو اکثر تھاوڑہ بھی چلانا پڑتا ہو اور اس اثنائے میں بمقابلہ زمانۂ سابق تیز آتشباری کا سامنا ہوتا ہو اور کل صورتوں میں ایام گزشتہ کے مقابلہ میں اُس کو زیادہ فیر کرنا پڑتے ہیں - کیونکہ فائرنگ رتیز فائرنگ سے جس کا سپاہ کو سامنا ہوتا ہو ہر غلط حرکت پر اموات کی تعداد بڑھتی ہو - ان حالتوں میں فوجی پیشہ کے شعبے کو نقصان پہنچتا ہو - پناہ اور رسدوں کی بمقابلہ سابق قلت ہوجائیگی - القصہ درآنحالیکہ سپاہی کی قیمت اوسطاً گھٹ گئی ہو - اس کے کام بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں -

آخر میں مراسلات کے بہتر ذرایع سے کثیر التعداد فوج کے انتظام و خورد و نقل میں سہولت

ہوگئی ہی مگر انھوں نے اس کو ریل اور خاص سڑکوں تک پابند کردیا ہی جس سے اثنائے جنگ میں شکست کھانے یا خستہ ہوجانے سے فوج کو سخت تردقتوں کا سامنا ہوسکتا ہی کیونکہ سپاہ اُن پر سفر کرنے کی عادی ہوگئی ہی اور کمانیروں کو ان ذرایع پر بھروسا ہی۔

اِن خیالات سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ بڑی فوقیت اُس سپاہ کو ہوسکتی ہی جس کی جنگجویانہ صلاحتیں اور ترکیبی قابلیت بہ مقابلہ اپنے مخاصمین کے زیادہ ہوتی ہی۔

وہ کمانیر جو بمقابلہ دشمن کے کل کارروائیاں جلد تر کرسکتا اور کثیر التعداد سپاہیوں کو تھوڑی جگہ میں جاکر اُن سے کام لے سکتا ہی۔ ہمیشہ اعدادی حیثیت سے فائق فوج کو فیصلہ کن صورتوں میں جمع کرسکے گا اگر قابل تر فوج پر اُس کا پورا قابو ہی تو مخالف فوج کے ایک حصہ پر اُس کو فیصلہ کن کامیابیاں ہونگی اور وہ اُس سے اور حصوں کے مقابلہ میں کام لے سکتا ہی پیشتر اس سے کہ دشمن کو میدان جنگ کے اور حصوں میں ایسے اچھے موقع ملیں۔

چونکہ افواج کی ترکیبی قابلیت اور اوسان زیادہ تر حملہ آوری میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس صورت میں سب سے زیادہ ضروری ہیں لہذا لازمی نتیجہ یہ ہی کہ عافیت حملہ آورانہ جنگ میں ہے۔

حملہ میں قطع نظر اخلاقی قوت کے جو اُس کی وجہ سے کام میں لائی جاتی ہی فوقیت کا انحصار زیادہ تر سرعت کار پر ہوتا ہی۔ چونکہ حملہ آور فریق اپنی تدابیر کے موافق حملے کی سمت کا تعین کرتا ہی وہ منتخبہ مقام پر اچانک حملہ شدہ مخالف کے مقابلہ میں فائق فوج جمع کرسکتا ہی۔ آغاز سے جو حملہ آور فریق کا حق ہی وقت اور جگہ کی سبقت حاصل ہوجاتی ہی جو جنگی کارروائیوں اور ترکیبوں کے لیے بہت مفید ہی جس فریق پر حملہ ہوا ہی وہ اس سبقت کی برابری جب کرسکتا ہی کہ اُس کو وقت پر حملہ آور کے ارادوں کی اطلاع ہوجائے اور اُن تدابیر کے اختیار کرنے کا موقع ملجائے جس سے کامیابی کی اُمید ہو۔ اس لیے جتنی سرعت سے حملہ آور جنرل چھاپا ماریگا اور کامیابی حاصل کریگا اور جتنی قابل اُس کی افواج ہوگی اُتنی ہی زیادہ فوقیت ہوگی۔ جس کا ضامن

فطرتاً حملہ ہی۔

اس فوقیت کی مقدار کثرت فوج سے زیادہ ہوتی ہی۔ اگر دھاوا کرنے والی افواج کثیر التعداد ہیں جنپر قابو نہیں ہوسکتا اور کھڑے ہونے کے فاصلے زیادہ ہیں تو تحفظ کرنے والے کمانیر کے واسطے اچانک حملہ کی روک نہایت دشوار اور وقت طلب امر ہوجائیگا۔ برخلاف ازیں حملہ آور جنرل کے لیے کامیابی کے اچھے موقع ہونگے۔ بالخصوص جب خوش قسمتی سے اُس کے پاس اچھی فوج بھی ہو۔ آخر میں آغاز سے اعدادی کمزوری کو فتح کا امکان حاصل ہوجاتا ہی جتنی کہ چاہیے اور حالتیں مساوی ہوں اور مصروف کارزار آدمیوں کی کثرت تعداد سے اور بھی زیادہ۔ بہت ہی صورتوں میں آجکل کی فوج کے ٹڈی دَل کو ایک ہی وقت میں اور پورے طور پر مصروف جنگ کرنا ناممکن ہی۔ لہذا فیصلہ کُن سمت میں یعنی اس سمت میں جس سے دشمن کی شریانیں کٹ جائیں فتح بالعموم کل جنگ کے زمانہ کے لیے فیصلہ کُن ہوتی ہی اور اس کا اثر میدانِ جنگ کے بعید حصوں تک میں محسوس ہوتا ہی۔ اس لیے اگر حملہ آور اس سمت میں فائق تعداد کے ساتھ دھاوا کرکے فتح پاسکے بدیں وجہ کہ دشمن اپنی تعدادی فضیلت سے نفع نہیں اُٹھاسکتا تو ممکن ہی کہ اعدادی حیثیت سے قوی تر فوج کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوجائے اِس قانون کے موافق فریڈرک اعظم فائق ترکیبی قابلیت و حملہ آورانہ طاقت سے محض کثیر التعداد و قوی کی بہت زیادہ قوت رکھنے والے دشمن پر ہمیشہ غالب رہتا تھا۔

اس کے لیے اور ثبوت درکار نہیں ہی کہ حملے کی فوقیت سُرعت کی نسبت سے بڑھتی ہی اور مخالف افواج کی کاہلی سے۔ اِس لیے اپنی نقل و حرکت کے چھپانے اور دشمن کی پر اثر ترکیبوں کو خراب کرنے سے ایسی فوقیت حاصل ہوجاتی ہی جو باوجود بالواسطہ ہونے کے بہت زیادہ قابل لحاظ ہی۔

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آیندہ جنگ میں فوقیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے لیے حسب ذیل باتیں واجب ہیں۔ اوّل جہاں تک ممکن ہو تیاری کے زمانہ میں افواج کی ہمنگی

ترکیبوں اور صلاحیتوں کو ترقی دیجائے اور حملہ آورانہ نقل و حرکت کے چھپانے اور دشمن کی ترکیبی قوتوں کو خراب کرنے کے ذرایع بڑھائے جائیں۔ دوسرے خود جنگ کے اندر حملہ آورانہ طریقہ اختیار کرکے پہلا وار کیا جائے اور فیصلہ کن اطراف میں فوقیت حاصل کرنے کے لیے افواج کی تاک جھانک کی قابلیت کو جہاں تک ممکن ہو کام میں لایا جائے۔ بالخصوص وہ سلطنت اس قاعدہ پر عمل کرنے کے لیے مجبور رہی جس کے مقاصد ناقابل واگزاشت ہوں اور جو اپنے سے زیادہ قوی دشمنوں کے حملے کی زد میں ہو۔ اُس کو سب سے پہلے اپنی فوج کی حملہ آورانہ قوتوں کو بڑھانا چاہیئے کیونکہ ترکیبی مدافعت کو اکثر حملہ آورانہ طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔

یہ اُصول نمایاں طور سے جرمنی پر عاید ہوتا ہے۔ جن باتوں پر میں نے زور دینے کی کوشش کی ہے اُن کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے جب کہ ہم مستقبل کا بھروسے کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری کل تدابیر کا منشا فوج کی قابلیت کا بڑھانا ہو۔ بالخصوص حملہ کے متعلق اس مقصد کے سامنے کل مقاصد کو سر تسلیم خم کرنا لازم ہے۔ اس صورت سے ہمارا ایک مرکزی نقطہ ہوگا جس پر کل تدابیر کا مرکز قائم کیا جا سکتا ہے۔ ہم ان تمام تدابیر سے ایک ہی غرض کے لیے کام لے سکتے ہیں اور اس طرح پر ہم اُن غلطی رستوں پر بھٹک جانے سے باز رہینگے جن کو معاملات کی جدا جدا صورتوں پر لحاظ کرنے کی حالت میں ہم آسانی سے اختیار کر لیتے ہیں اگر ہم اس متحد کن اُصول پر پابندی کرتے تو ہماری بہت سی فروگزاشتوں اور ارتکابات کا کچھ اور ہی رنگ ہوتا۔

وہ ضرورتیں جنکو میں نے نہایت لازمی تبایا ہے ہماری موجودہ کوششوں کے رجحان کے یک گونہ خلاف ہیں اور اس زمانہ کے حاوی اثرات کو ثابت قدمی سے روکنے کی ضرورت ہے۔

فوجیں جن کے ذریعہ سے ایک سلطنت دوسری سلطنت پر سبقت لیجانے کی کوشش

کرتی ہی جتنے بڑی ہونگے اُتنی ہی قابلیت اور سپاہیوں کی ترکیبی لیاقت کم ہوگی اور نہ صرف
اوسط لیاقت کی یہ حالت ہوگی بلکہ ہر جدا جدا دستے کی۔ بڑی فوجیں اپنے ہی مدعا کے لیے
خطرناک ہوجاتی ہیں جنرل وان برینڈن سٹن د اجنھوں
نے ۱۸۷۰ء کے دھاوے مرتب کیا تھا فرانسیسی عام بھرتی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں
"وہ (بڑی فوجیں) اپنی ہی چربی سے گھٹکر مرجائینگی" اگر پوری فوج کی نسبت سے رسالہ نہ رکھا
جائے تو اس سے کمانیر کو دشمن کی ترکیبی قابلیتوں کو نقصان پہنچانے اور کامیابی سے
اپنی نقل وحرکت چھپانے کا موقع نہیں ملیگا۔ فوجی تعلیم کے زمانہ میں اِس آخر الذکر فرض
کی طرف کبھی ضروری توجہ نہیں کی گئی ہی۔ آخر میں یہ کہونگا کہ سپاہیوں کی قابلیت
کو کبھی اتنا ضروری نہیں سمجھا گیا ہی جتنا کہ وہ یقیناً آیندہ جنگوں میں ثابت ہوگی۔

جنگ کی غیرادراکی خیال وکمزور مراعات سے جو عام رائے کے دباؤ کا نتیجہ ہیں اور
اکثر اصلی ضروریات کے ناقص احساس سے وہ تدابیر عمل میں لائی گئی ہیں جن سے لابدی طور
پر فوج کی ضروریات اور اصلی غرض محصلہ میں ضروری تناقض واقع ہوگیا ہی۔ یہ تدابیر خالص
فوجی نقطۂ خیال سے جائز نہیں ہیں۔ جب یہ مان لیا گیا کہ دشمن پر مطلوبہ فوقیت ان راستوں
پر چلنے سے حاصل نہیں ہوسکتی تو اُن کو ترک نہ کرنا خلاف دلیل وحجت ہی۔

یہ ضروری تناقض درمیان ضرورت وغرض محصلہ عام فوجی خدمت کے قانون کے اجرا
میں ظاہر ہوتا ہی اُس کے کم وبیش اجرا کی خواہش اور مطلوبہ سرمایہ کی عدم رغبت کے
درمیان رائے معلق ہی اور ہر قسم کے بہانے کیے جاتے ہیں جن سے ظاہر داری قایم رہے
مگر اس نظام کا امتحان نہیں کیا جاتا۔ ان میں سے ایک طریقہ۔ ارسائز زرو کا ہے۔
جس کی ایکبار پھر تجویز کی جارہی ہی۔ مگر صورت معاملہ خفیف تعلیم سے جو ان سپاہیوں کو
دی جاتی ہی بہتر نہیں ہوئی ہی۔ اس نظام سے ایک فوجی غول فراہم ہوجاتا ہی جس میں جنگی
قابلیتوں کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس انتظام سے موجودہ تعلیم دہندہ اسٹاف پر بڑا بار

پڑتا ہے اور یہ ایک طرح سے ان کے لیے بھی مضر ثابت ہوگا۔ نہ اُس تجویز سے میدانی فوج
کی قوت میں کوئی اضافہ ممکن ہے کیونکہ ان خاص محفوظ فوجوں کے غول کو شامل کرنے کے
کیڈر دستیاب نہیں ہوتے لہذا یہ غول صرف رنگروٹی گوداموں کے پُر کرنے کے لیے
ہے اور نقصانات کی تلافی کرنے میں ایک حد تک سہولت پیدا کرسکتا ہے۔ اسی طرح کا تناقص
سپاہیوں سے کام لینے میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ ہر فوج کی تقسیم آج کل اسی طرح کی جاتی ہے۔ اوّل
نظام فوج جس کی ترتیب تو امن کے زمانہ میں مگر پوری تکمیل جنگ کے زمانہ میں کی جاتی ہے۔
دوم نئی بھرتیاں جن کی ترتیب اجتماع فوج کے وقت ہوتی ہے۔ آخر الذکر کی فوجی ترکیبی
قابلیت سپاہیوں کے جثہ اور عمر پر منحصر ہے مگر نظام فوج کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت کمتر ہوتی
ہے۔ لینڈ ویر ( ) کی بھرتی شدہ افواج باوجود نفیس خدمت
کے جو انہوں نے ۱۸۷۰-۷۱ء کے میدان جنگ میں انجام دی اس کی مثال ہیں اور نئی
فرانسیسی بھرتیاں جن سے اُس عرصہ میں کام لیا گیا تھا بالکل بیکار ثابت ہوئی تھیں۔ یہ افواج
دوسری قطار میں کام کرتی ہیں۔ حملہ آورانہ جنگ میں ان کا کام ریلوں اور مرکزوں کا تحفظ
مفتوحہ علاقوں کے قلعوں میں رہنا اور ایک حد تک دشمنوں کے قلعہ کا محاصرہ کرنا ہوتا ہے۔
درحقیقت ان کو یہی کام کرنا پڑتے ہیں جن سے اور طرح میدانی فوج کمزور ہو جائے۔ دفاعی جنگ میں
ان کا کام مقامی تحفظ ہوتا ہے اور قومی جنگ کی اعانت۔ ابتداءً اس محدود دائرہ میں کام
کرتے کرتے یہ نئی سپاہی فرائض جنگ کی انجام دہی کے لائق ہو جاتے ہیں اور تھوڑی
سی حملہ آوری کی قوت پیدا کر لیتے ہیں جو اوّل اوّل قابل بھروسے کی نہیں ہوتی اور سپاہیوں
کے دستوں سے جتنا کم کالموں ٹرینوں اور رسالہ کا کام لیا جائیگا۔ اتنی ہی ان کی قدر کم
ہوتی جائیگی۔ تاہم ہم نے اس بات کو مان لیا ہے کہ بحالت جنگ اس سپاہ کے کچھ حصہ سے
اوّل قطار میں کام لیا جاسکتا ہے اور فیصلہ کن کارروائیاں اُن کے سپرد کی جاسکتی ہیں۔
محفوظ اور نظام فوج جہاز پر برابر سمجھی جاتی ہے۔ اور کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ ان میں کچھ لوگ

اوروں کے مقابلہ میں کم کام دینے والے ہیں۔ اس غیر ادراکی تصور میں بڑا خطرہ ہی۔ مگر میدانِ جنگ میں جہاں کہیں ممکن ہو نظام فوج سے کام لینا چاہیئے اور بجائے اس کے کہ ادنیٰ سپاہیوں سے ایسا کام لیا جائے جس کے وہ اہل نہوں تعداد کو محدود کر دیا جائے۔ حسب ضرورت ہم میں اتنی ہمت ہونا لازم ہو کہ ایسے لشکر سے حملہ کریں جو تعدادی حیثیت سے چاہی کمتر ہو مگر تیزی اور قابلیت کے اعتبار سے برتر ہو۔ ہم کو اس ادراک کے ساتھ حملہ کرنا چاہیئے کہ تیزی وار کی قوت اور قابلیت کثیر التعدادی کی فوقیات پر بھاری رہے اور یہ کہ زمانہ حال کی بڑی فوجوں میں فیصلہ کن صورت کی فتح کا بمقابلہ سابق آخر نتیجہ پر بڑا اثر ہوتا ہی۔

فیصلہ کا انحصار نظام فوج پر ہی نہ کہ کثیر التعداد رنگروٹوں پر جو بھرتی کے وقت اُس کیساتھ لگا دیئے جاتے ہیں۔ جو کمانیر اس اصول پر عمل کرتا ہی اور رنگروٹوں سے بس اتنا کام لیتا ہی کہ اپنی فوج کی پوری چستی قایم رکھ سکے وہ اُس فوج پر زبردست فوقیت لیجائیگا جس کا سردار بوجہ ناقابل سپاہ کے عام طور پر دشواری میں ہی اور جس نے کثرت فوج کی وجہ سے کم لیاقتی کا نقصان اٹھایا ہی۔ اس لیے کثیر التعداد محفوظ فوج کے سپاہیوں کو نظام فوج کی امداد کے لیے ہونا چاہیے۔ جن کے چھوٹے چھوٹے کام حتی الامکان اُن کو کرنا لازم ہیں اگر اس صورت سے اُنسے کام لیا جائیگا تو قومی محفوظ سپاہیوں کی اعدادی فوقیت سے خود جنگ کے اندر یقینی فوقیت حاصل ہوگی۔

اس دلیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ حتی الامکان نظام فوج کو زبردست اور قابل بنانا چاہیئے اور اُن کے اسٹاف پر زیادہ کام کا بوجھ محفوظ سپاہ کو اُن کے برابر بنانے کے لیے ڈالکر بیکار کمزور کرنا غلطی ہی۔ یہ غرض بعض حالتوں میں پوری ہوسکتی ہی مگر عام قابلیت کا درجہ لشکروں میں گر جائیگا۔

اس لیے ہماری ایک غرض یہ ہونا چاہیئے کہ نظام فوج کو مضبوط کریں۔ حالتِ امن کی مستقل فوج کا اضافہ کثیر التعداد مگر ناقص تربیت یافتہ محفوظ فوج کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہے۔ عملہ کے افسروں کی تعداد بڑھانا نہایت ضروری ہی۔ سپاہی حالتِ امن میں جتنا زبردست

ہوگا جنگ کے لیے اتنا ہی قابل ہوگا۔ اس لیے قابلیت کا خیال کرنا چاہیئے نہ کہ تعداد کا۔
اجتماع نہ کہ کمزوری ہماری پسناہ ہے۔ اگر ہم عام فوجی خدمت کی ترقی فوج کے تعداد کی
اضافہ سے چاہتے ہیں تو ہم کو نئی بھرتیاں مرتب کرنا چاہئیں کیونکہ اس سے افسران اور ماتحت
افسران کی تعداد میں اضافہ ہوجائیگا۔ یہ کارروائی اور بھی زیادہ ضروری ہی کیونکہ موجودہ سکیم
کی تعداد بہت سے صحیح البدن رنگروٹوں کے داخل کرنے اور انکی پوری تعلیم کے انتظام کیواسطے
ناکافی ہی۔ عام فوجی خدمت کا تدریجی اجرا انتظام فوج کے اضافہ تعداد کے ساتھ ساتھ سب سے
پہلی عملی ضرورت ہی۔ اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ پلٹنوں کی جنگی نقل وحرکت، فوج کی
جنگی قابلیت، سواروں کی تعداد اور کمین گاہ کے کام میں انتظام، سامان اور تعلیم سے
کسقدر ترقی ہوسکتی ہی۔

مجھے اوّل ایک بات بتانی چاہیئے جس کا تعلق اُن مسئلوں سے بالکل جدا ہی جن پر پہلے
بحث ہوچکی ہی مگر جو فوجی کام کے ہر شعبے میں نہایت اہم ہی بالخصوص حملہ میں جس کے لیے مستعدی
اور جدّت عمل کی ضرورت ہی۔ میری مراد شخصیت کی اہمیت سے ہی۔

سپہ سالار سے لیکر جو اپنے دماغی خیالات کو ذمہ داری و تغیر حالات کے دباؤ سے
عملی صورتوں میں لاتا ہی اور بریگیڈیر جو ایک عام مقررہ اسکیم کے موافق بلا مشورہ کے کام
کرتا ہی ہر کارہ سوار تک جو خطروں سے گھرا ہوتا ہی اور دشمن کے ملک میں صرف اپنے ہی
ذرایع پر بھروسہ کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہی اور اس نوجوان سپاہی تک جو میدانِ جنگ
میں اپنے لیے لڑتا ہی اور موت کے منہ میں فتح کے واسطے جدوجہد کرتا ہی۔ ہر جگہ آج کل کی جنگوں
میں اور زمانہ سے زیادہ شخصیت ہر چیز پر غالب رہتی ہی۔ بشمار جنگی ترکیبوں کے اثر نے پلٹن
کی یکجائی ترتیب کو متروک کردیا ہی اور شخص واحد اپنی ذات کے بھروسے پر چھوڑ دیا گیا ہی۔ افسر کا
بلاواسطہ اثر کم ہوگیا ہی۔ رسالہ کی ترکیبی فرائض میں جو اُس فوج کا خاص کام ہی۔ پہرے کے
سوار اور رار دلی مقابلہ سابق اپنے ترپ سے زیادہ علیحدہ رہتے ہیں اور اپنی ہی ذمہ داری

پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ توپ خانہ میں خود مختار فعل کی اہمیت پر بہ مقابلہ سابق صاف طور سے زیادہ زور دیا جائیگا۔ میدان جنگ و جنگی کارروائیوں کا رقبہ کثرت تعداد فوج کی وجہ سے بڑھ گیا ہے۔ سالار بمقابلہ سابق میدانِ جنگ کے مختلف حصّوں میں کارروائیوں کا معائنہ نہیں کرسکتا۔ وہ مجبور ہے کہ اپنے ماتحتوں کو زیادہ آزادی دے۔

دفاعی حالت میں شخص واحد کا فرض اپنی جگہ پر جمے رہنا ہے اور کمانیر کا خاص کام یہ ہے کہ محفوظ فوج سے کام لے۔ دشمن کے جوابی نقل و حرکت کے اعتبار سے جو پہلے سے نہیں معلوم ہوسکتیں اور حملہ آور سپاہ کی کامیابی یا ناکامیابی کے لحاظ سے حملہ آوری کی صورت میں حالتیں لحظہ بلحظہ بدلتی رہتی ہیں حتیٰ کہ منفرد سپاہی کو جب جنگ میں تزلزل ہوتا ہے کبھی آگے بڑھنا پڑتا ہے کبھی صبر و تحمل سے ٹھہرنا تاوقتیکہ مدد آجائے۔ جن چیزوں پر فیر کرنا ہے اکثر اُن کو خود ہی منتخب کرنا پڑتا ہے مگر وہ اپنی فوج کا اتصال نہیں چھوڑتا۔ حملہ آوری میں کمانیر کو اپنی قابلیتوں سے مختلف کام لینا پڑتے ہیں۔ چالاکی ترکیبیں، دلاوری، کامل محنت، غور کی جانچ، سریع فیصلہ یکے بعد دیگرے اُسی کام میں لانا پڑتے ہیں اس میں متضاد فرائض کی انجام دہی کی قابلیت ہونا چاہیئے اس سے شخصیت پر بھاری بار پڑتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اُس فوج کو نمایاں فوقیت ہوگی جس میں سب سے زیادہ ایسے لوگ ہونگے جنھیں اپنے اوپر بھروسا ہو اور خود مختارانہ طبیعت رکھتے ہوں اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے ہم کو سخت جدوجہد کرنا چاہیئے یعنی اس اعتبار سے اپنی دشمن پر فائق ہونا چاہیئے۔ اور یہ غرض ممکن التحصیل ہے۔ شخصیت میں ترقی ممکن ہے بالخصوص روحانی کوشش کے دائرہ میں غور اور خوض کی قوتیں متواتر مشق سے بڑھ سکتی ہیں۔ مگر وہ شخص جو اُن حالتوں کا اندازہ کرسکتا ہے جس کے مطابق اُسے عمل کرنا ہے۔ جو اُس دائرے پر حاوی ہے جس کے اندر وہ کام کرتا ہے۔ ایسا شخص یقیناً جلد اور آسانی سے اپنے ارادہ کا فیصلہ کرلیگا بہ مقابلہ ایسے شخص کے جس کے سامنے کوئی ایسا معاملہ ہو جس کو وہ اچھی طرح نہیں سمجھتا۔ خود اعتمادی جرأت اور استقلال مصیبت تجربہ اور علم سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اناڑی اور جھجک والا رنگروٹ تبدریج ایک صاف

دماغ اور چست و چالاک سا جنٹ ہو جاتا ہے اور یہی حالت بڑے عہدوں میں ہوتی ہے مگر جس شخص
کی دماغی ترقی مسائل حل طلب کے لیے ناکافی ہوتی ہے وہ عمل کے وقت رہ جاتا ہے ممتاز افسر بورکی
( ) مجبور ہو گیا جب اس کو ایسی فوج کی سرداری کرنا پڑی جن کے حالات
سے وہ پورے طور پر واقف نہ تھا۔ برخلاف ازیں جنرل جانزہی ( )
کا صاف دماغ اور استقلال شکست کی حالت میں بھی قایم رہا۔ لہذا تیاریوں کے اہم کاموں میں
ایک کام یہ ہے کہ فوج کا روحانی مرتبہ بڑھایا جائے گویا ان کے خصائل کو بنایا اور بلند رتبہ پر پہنچایا
جائے۔ بالخصوص اُن لوگوں کی خود اعتمادی اور خود مختارانہ قابلیت کو ترقی دینا ضروری ہے جو اعلیٰ
عہدوں پر ہیں۔ طویل فوجی زندگی میں خیالات ضرورت سے زیادہ جلدی قایم ہو جاتے ہیں اور بوڑھا
سپاہی قدیم روایتی سلسلہ خیالات پر عمل کرتا ہے اور اس کے بعد کوئی آزاد رائے قایم نہیں کر سکتا
ایسی ترقی کے خطرہ کی جانب سے چشم پوشی لازم نہیں ہے۔ فوج کی سخت اور یکساں ترکیب میں جو
اس کی اخلاقی قوتوں کو دوگنا کر دیتی ہے یہ نقص ہے۔ اس سے ایک طرفہ ترقی ہوتی ہے۔ جو کثیر الاطراف
حقائق کے خلاف ہوتی ہے اور وہ شخصیت کو ابھرنے نہیں دیتی۔ یہ حالت ایک گونہ جرمنی میں
کثیر التعداد فوج سے حملہ کرنے کی اسکیم میں تھی۔

متحدہ ارادہ وعمل سے قوت میں پورا زور آجاتا ہے۔ متحدہ ارادہ کو بڑی ہی بڑی روحانی
خود مختاری کے ساتھ چلنا چاہیئے جو ہر نازک موقع کا مقابلہ کر سکے اور اصلی قاعدوں سے پیچیدہ
مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

اکثروں کا خیال ہے کہ انسان انسان سب ایک ہیں شخصیت کوئی چیز نہیں مگر یہ خیال غلط
ہے عہد امن میں جب جعلی شہرتوں کا دور دورہ ہوتا ہے اور کسی حقیقی جنگ کے بھوسی غلہ سے جدا نہیں ہوتی
انجام وہی فرض کی متوسط حالت کافی سمجھی جاتی ہے۔ مگر جنگ میں شخصیت حالتوں کو متغیر کر دیتی ہے۔
ذمہ داری اور خطرہ سے شخصیت آگے آجاتی ہے اور اس سے اُن کی حقیقی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے
جس طرح کیمیائی عمل خالص دھات کو میل سے جدا کر دیتا ہے۔ وہ فوج خوش قسمت ہے جس نے اس قسم

کے لوگوں کو امن کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز کر دیا ہے اور اُن پر قایم رکھا ہے۔ صرف
اسی طریقہ سے ہم اُن خطروں سے بچ سکتے ہیں جو یکطرفہ دستور العمل سے پیدا ہوتے ہیں۔ ولیم اول
کے لیے یہ خوبی دائمی یادگار ہے کہ کم از کم نہایت اعلیٰ ذمہ داری کے عہدوں کے لیے ایام امن
میں وہ بڑے بڑے لوگوں کو منتخب کرتا تھا اور باوجود سخت مخالفت کے وہ اُن لوگوں کا ساتھ دیتا
تھا جو ضرورت کے وقت دل اور کام کے آدمی ثابت ہوتے تھے اور جن میں اتنی جُرات ہوتی تھی
کہ اپنے منتخبہ رستوں پر قایم رہیں۔ ناموری کے لیے یہ حق حقیر نہیں ہے۔ کیونکہ بسا اوقات غیر معمولی
شخص حسد اور بے اعتباری کا نشانہ ہو جاتا ہے مگر از راں متوسط فرزانہ جو کسی عملی کارروائی
کے قابل نہیں ہوتا تربیت یافتہ فائق شخص معلوم ہوتا ہے اور جنگ کی سخت حقیقت کے دباؤ
سے ہی گیستی (   ) کے مصرعون کی تصدیق ہوتی ہے۔

ہر ملک میں لوگ غلام اور فاتح اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ انسان کے لیے خوش
قسمتی کا عظیم الشان انعام صرف شخصیت ہے۔

باب دہم

نظامِ فوجِ برّی

میں اب بعض مسائلِ نظم پر بحث کرنا چاہتا ہوں مگر میری یہ نیت نہیں ہے کہ اُن کل ضروریات اور اغراض کو ظاہر کردوں جن کی طرف ہمارے فوجی حلقے آجکل متوجہ ہیں۔ میں بجائے اس کے اُن عام مصالح کے بیان کرنے کی کوشش کرونگا۔ جن پر میری رائے میں فوج کی آئندہ ترقی کے فیصلہ کا انحصار ہے۔ بحالیکہ ہم استقلال کے ساتھ اُن شعبوں میں فوقیت حاصل کرنیکے متمنی ہیں جو یقینی طور پر جنگ مابعد میں نہایت کارآمد ثابت ہوں۔ تفصیلات کی صرف اُن باتوں کے لئے ضرورت ہے جو خاص طور پر ممتاز یا محتاجِ تشریح ہیں۔ ظاہر ہے کہ میری رائیں موجودہ انتظامات و حالات کے خلاف ہونگی مگر حاشا میری غرض اُن پر نکتہ چینی کرنا نہیں ہے۔ دراں حالیکہ ہماری فوج نے مالی مشکلات اور سیاسی نزاعات میں رہ کر خاص معین ابتداؤں سے بہت سے مختلف لوگوں اور تغیرپذیر رایوں کے زیر اثر بے قاعدگی سے موجودہ صورت اختیار کی ہے۔ لہذا میری رائیں اصولی ضروریات پر مبنی ہیں۔ ایک اعتبار سے اُس کی ذات نکتہ چینی سے بری ہے وہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے سے موجود ہے جس کی ہیئت تامہ کے متعلق آنے والی تاریخ ہی فیصلہ دیسکتی ہے۔ مگر ہماری فوج کی آئندہ توسیع مستقبل سے متعلق ہے اور اُس کا راستہ بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے وہ قابل بننے کے لئے مفرح راستوں پر چلسکتی ہے۔ اور سیاسی حیثیت سے اس مقصد کا پورا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے ماضی پر میں معترضانہ نظر نہ ڈالونگا۔ بلکہ مستقبل کی خدمت کرونگا۔

ہماری جنگی تیاریوں کا دستور العمل جیسا میں پہلے بیان کرچکا ہوں بڑی سی بڑی لڑنیوالی

فوج اور زیادہ سے زیادہ ترکیبی قابلیت ہونا چاہیئے تاکہ اُن کے ذریعے سے حملہ آورانہ جنگ کامیابی کے ساتھ ہو سکے۔ اس لئے جو کچھ بیان کیا جائیگا ان دو شقوں کے متعلق ہوگا۔ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے جنگی طاقت کا دار و مدار کچھ تو تعلیم۔ فوجی تیاری اور عملۂ افسران پر ہے اور کچھ افواج کی ترکیب اور اس لئے لائن رجمٹوں کی صورت میں اُن کے زمانۂ امن کی تعداد پر بھی ہے۔ لائن رجمٹوں سے ہمیں خاص سروکار ہے کیونکہ یہی حقیقی میدانی افواج ہیں۔ پچھلے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ مستقل فوج میں نئی بھرتیوں کے لئے ضروری خاکے پہلے سے تیار نہ رہیں بلکہ ہر جُدا جُدا شاخ کی تعداد اس قدر رکھی جائے کہ بوقت جنگ آسانی سے وہ پوری تعداد تک پہنچ جائیں۔ سرداروں، افسروں اور غیر کمیشن یافتہ افسروں کی قابلیت و خصائل بھی سپاہیوں کی لیاقت کے لئے اہم چیزیں ہیں وہ انتظام فیصلے اور آغاز کے پشت و پناہ ہیں اور چونکہ وہ سپاہیوں کے معلم ہیں۔ وہ ان کے دماغی معیار کے تعین کنندہ بھی ہیں اُن فرائض کی نسبت سے جو سپاہیوں کی تعلیم کے متعلق انجام دینا ہوتے ہیں اور جو زیادہ کام اجتماع افواج کے وقت کرنا پڑتا ہے عملہ میں مختلف افسروں کی تعداد بہ زمانۂ امن بہت کم ہے۔ یہ خیال کرنے سے کہ کسقدر افسر اور غیر کمیشن یافتہ افسر مستقل فوج سے نئے بھرتیوں کے کارآمد بنانے کے لئے منتقل ہونا چاہئیں و نیز اس بات سے کہ حال کی جنگی ترکیبی صورتوں کی وجہ سے افسروں کے لئے جنگ میں اپنا اثر محسوس کرانا کس قدر دشوار ہو گیا ہے موجودہ افسروں کی کمی تعداد کا صاف ثبوت ملتا ہے۔ اس کا اطلاق خاص کر پلٹن پر ہوتا ہے اور ان کے لئے کیونکہ یہ فیصلہ کن فوج ہیں، ایک کافی تعداد قابل افسروں کی ضروری ہے۔ لہذا ایک طرف اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ پلٹن کے عملہ میں افسران اور غیر کمیشن یافتہ افسروں کی پوری تعداد رکھی جائے اور دوسری طرف افسروں اور نان کمیشنڈ افسروں کی جو رخصت پر یا محفوظ فوج میں ہوں قابلیت بڑھائی جائے۔ یہ پچھلی بات تعلیم سے متعلق ہے اور ہماری بحث سے اُس کو علاقہ نہیں ہے۔

پوری تعداد میں عملوں کا رکھنا ایک اعتبار سے مالی مسئلہ ہے تنخواہ کی مقدار اور ترقی کی

اُن اُمیدوں سے جو اس پیشہ میں آیندہ سول عہدوں کے لئے ہیں۔ نان کمیشنڈ افسروں پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ گرانی کے زمانہ میں مالی منافع میں اصلاح کی جائے افسروں کے کورکی ساخت میں بھی مالی مسئلہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آجکل کی ملازمت میں افسر کو ترقی کی اس قدر کم اُمید ہے اور اس کے لئے اس قدر قابلیت اور انہماک کی ضرورت ہے کہ اگر قربانیاں ایسی ہی رہیں جیسی آجکل ہیں تو وہ عرصہ تک فوج میں نہیں رہ سکتا اگرچہ اُس کی ملازمت دلکشی سے خالی نہیں ہے۔ افسر پلٹن کی حیثیت بالخصوص بہتر ہونا چاہیے۔ مانا کہ رسالے اور سوار توپ خانہ کے افسروں کا گھوڑوں کی وجہ سے زیادہ صرف ہوتا ہے مگر پلٹن کے افسر کے کام کہیں زیادہ سخت ہوتے ہیں اور وردی وغیرہ میں بہت کثیر صرف بیٹھتا ہے۔ میری رائے میں بمقابلہ رسالہ اور توپخانہ کے افسروں کے پلٹن کے افسر کو زیادہ تنخواہ ملنی چاہیے تاکہ اس فوج میں ملازمت کے لئے زیادہ ترغیب ہو۔ آجکل رسالہ میں لوگ جوق جوق بھرتی ہوتے ہیں اور اس میں اُمیدواروں کی کثرت ہے اس فوج میں افسروں کی قلت نہ ہوگی۔ پلٹن کی ملازمت کے لئے خاص رعایتوں سے رسالہ کی زیادہ ترغیب کو برابر کردینا چاہیے۔ اس خاص فوج میں افسروں کی کافی تعداد کی فراہمی اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں۔

اگر دستہ کے جنگی طاقت کا انحصار اُس کی ترکیب اور تعلیم پر منحصر ہے تو علاوہ سپاہیوں کے ترکیبی قابلیت کے اور عناصر بھی ہیں جن سے جنگ میں اُن کی متحدہ کوششوں کی کامیابی کا فیصلہ ہوسکتا ہے اوّل تو سرداری ہے مگر اس کا انحصار اُن حالات پر ہے جن کا اندازہ نہیں ہوسکتا دوسری افواج کی اعدادی مناسبت باہمدگر ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے رسالہ کو نظر انداز کرکے جو لڑائی میں خاص کام کرتا ہے ہم اُس تناسب کو بتاتے ہیں جو توپخانہ کا پلٹن سے ہونا چاہیے۔

مشین گنوں کی نسبت جو یہ خیال ہے کہ وہ ایک حد تک پلٹن کی قائم مقامی کرتی ہیں غلط ہے۔ اصل میں مشین گنیں آلات دفاع ہیں۔ حملہ کی حالت میں اُن سے جب کام لیا جاسکتا ہے کہ موقع اچھے ہوں اور اس صورت میں کامیاب حملے کے جزو یعنی گولہ اندازی کی طاقت کو قوت پہنچاتی ہیں

مگر بعض اوقات وہ اُس تند دھاوے کے لئے روک ہوتی ہیں جو کل حملوں کی روح رواں ہے۔ لہذا یہ معاون ہتھیار پلٹن کو محدود تعداد میں دیا جاوے اور اس سے دفاعی حیثیتوں میں خاص کر کام لیا جائے اور بڑی تعداد میں ان کو مختلف طور پر تقسیم کر دیا جائے۔ کوچ کرنے والے کالموں پر مشین گنوں کے دستوں کا بار نہ ڈالنا چاہیے۔ پلٹن کو جو تعلق توپ خانہ سے ہے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پلٹن فیصلہ کن فوج ہے اور فوجیں محض اس لئے ہیں کہ فتح کے لئے ان کا راستہ صاف کر دیں اور اس کے کام میں بالواسطہ یا بلا واسطہ مدد دیں۔ یہ تعلق محض اصولی نہ ہونا چاہیے۔ تمام فوج کی کل دیگر جنگی آلات کا فیصلہ آخر کار پلٹن کی ضروریات پر ہونا چاہیے۔ اگر ہم اس خیال کو اپنی دلیل کی بنیاد ٹھہرائیں، تو نتیجہ حسب ذیل ہوگا۔ زمانہ حال کے آلات کی وجہ سے پلٹن کو دفاعی قوت میں بہت کچھ ہاتھ آیا ہے۔

لہذا حملہ کے لئے بمقابلہ سابق کہیں زیادہ فوقیت کی ضرورت ہے۔ علاوہ بریں آتشباری کے بڑھ جانے سے پہلی ترتیبیں کہ سپاہی قریب قریب کھڑے کئے جاتے تھے جاتی رہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جنگ میں جیش کی چوڑائی بہت زیادہ وسیع ہو گئی ہے۔ اس کا اطلاق صرف جُدا دستہ پر ہوتا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ آئندہ کم فوجیں اُتنی جگہ میں کھڑی ہونگی جتنی جگہ میں پہلے ہوتی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ دفاع کے لئے ہو سکتا ہے وہ بھی محدود صورت میں۔ حملے میں غالباً صورت اس کے خلاف ہوگی۔ اس لئے سپاہیوں کو بمقابلہ جنگہائے سابق زیادہ قریب قریب کھڑا کرنا چاہیے۔ اور جیش کا اوسط عرض اُسی تناسب سے ہونا چاہیے جو توپ خانہ کو پلٹن سے ہے اس کی کوئی مقررہ نسبت نہیں بتائی جا سکتی۔ لیکن اگر اصولی اندازہ کا مقابلہ گزشتہ جنگوں کے تجربات سے کیا جائے تو ایسے نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو غالباً ٹھیک ہوں۔ فوجی سائنس کے دائرہ میں اس سے زیادہ توقع نہ کرنا چاہیے۔ اگر پلٹن کے حملہ میں ہم مندرجہ بالا عرض و عمق کو مان لیں تو اُس حالت میں ہم چاہیں گے کہ بمقابلہ سابق توپ خانہ میں تخفیف کر دی جائے۔ لیکن جب یہ خیال کیا جائے گا کہ زمانہ حال کا توپ خانہ حملہ میں مدد دیتا ہے بالخصوص بالواسطہ آتشباری سے

توجنگ دفاع کے نقطۂ خیال سے ہم توپ خانہ کے اضافہ کے طرف دار ہونگے۔ صرف اصلی تجربات جنگ سے ان دو انتہائی حدود کے درمیان بیچ کا راستہ مل سکتا ہے۔

اگر آجکل کے آرمی کور یا ڈویزنوں کے توپ خانہ کی جیسی ترقی پر اس اعتبار سے خیال کیا جائے کہ توپیں مسلسل قطار میں نہیں بڑھ سکتیں بلکہ صرف میدان جنگ کے خاص طور سے اختیار کردہ حصے توپ خانہ کی ترقی کیلئے استعمال ہوں یہ نتیجہ یقینی ہے کہ اس جیسی توسیع سے پلٹن توپ خانہ کو ڈھک لیتی ہے۔ اس رائے کے قائم کرنے میں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پلٹن کی تعداد پوری ہے بلکہ یہ خیال کرنا لازم ہے کہ جنگ میں پلٹن کی تعداد تیزی سے گھٹتی رہتی ہے اگر ہم کمپنیوں کا تخمینہ اُن کی اصلی تعداد کی دو تہائی سے کریں تو اصلی تعداد سے یہ زیادہ ہی ہوگا کم نہیں ہوسکتا۔ پلٹن کی یہ تعداد توپ خانہ کی حفاظت کے لئے کافی ہوسکتی ہے مگر میدان کے اُس حصہ میں فیصلہ کن حملہ کے لئے یہ کافی نہیں ہے اس کے لئے موجودہ حالتوں میں زیادہ تعداد اور زیادہ گھنے ہونے کی بمقابلہ سابق ضرورت ہے۔

اس ضمن میں فرانسیسی جرمن جنگ کا دوسرا حصہ اور جنگ بوئر نیز معرکۂ منچوریا کے پڑھنے سے بہت کچھ سبق حاصل ہوسکتا ہے۔ فرانسیسی جرمن جنگ میں جرمن پلٹن کا کچھ حصہ تعداد میں بہت کم ہوگیا تھا (۱۲۰) آدمیوں کی کمپنیاں کمیاب نہ تھیں مگر توپ خانہ کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہوئی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنوں کی حملہ آورانہ قوتیں کم ہوگئیں اور جنگیں اس قدر فیصلہ کن نہوئیں جس قدر کہ جنگ کے پہلے حصہ میں ہوئی تھیں۔ اس کمزوری کا اظہار کسی برابر والی فوج کے مقابلہ میں بہ نسبت فرانسیسی ناتجربہ کار سپاہیوں کے زیادہ ہوتا۔ برابر کی فوج کے مقابلہ میں حملہ آوری ناممکن ہوجاتی اس وقت کی موجودہ صورتوں میں زبردست توپ خانہ سے اس میں شک نہیں کمزور پلٹن کو بڑی مدد ملی مگر انصاف یہ ہے کہ جو تناسب فوجوں کا باہم دگر تھا اگر یہ تناسب جرمن فوج کا کسی برابر والی فوج سے ہوتا تو جرمن فوج اتنی کمزور تھی کہ زبردست حملہ آورانہ ترکیبیں دشمن کے مقابلہ میں چلنا ممکن نہ تھیں۔ یہ بات بلا تردید ثابت ہوجاتی ہے۔ جب ہم اس بات کو خیال کرتے ہیں کہ

درسته (   ) اور پرلویٹ (   ) میں مساوی درجے کے کمزور تر دشمن کو شکست دینے کے لئے کس قدر کثیر التعداد پلٹن کی ضرورت پڑی تھی باوجودیکہ مدد کے لئے زبردست توپخانہ موجود تھا۔ نیز جنوبی افریقہ میں انگریز اپنے توپخانہ کی بڑی فوقیت سے ہرگز فتح حاصل نہ کرسکے۔ منچوریا کی حالت نہایت سبق آموز تھی۔ جاپان کے مقابلہ میں اعدادی اعتبار سے روس کا توپخانہ دشمن کے توپ خانہ کے مقابلہ میں افضل تھا اور روس کی میدانی توپوں کی مار بھی جاپان کے مقابلہ میں زیادہ تھی مگر جاپان کو اپنے دشمن کے شکست دینے میں جس کی پلٹن بھی زبردست تھی کامیابی ہوئی کیونکہ حملہ کے فیصلہ کن جوانب میں اُنھوں نے پلٹن اور توپخانہ کی متحدہ فائق فوج جمع کرلی تھی اور اس کے مقابلہ میں روسی توپخانہ اپنے کل جبہتی پر پھیلا ہوا تھا۔

اس جنگ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ علاوہ جُدا جُدا شعبوں کے قریبی تعلق باہمد گر کے ان دو شعبوں کے متحدہ کام پر بھی لحاظ کرنا چاہیئے۔ اگر ان دونوں فوجوں کی قوت کا ٹھیک اندازہ کرنا مقصود ہے۔ یہ ضرورت کہ ہر جدا جدا سپاہی توپ خانہ میں دشمن کے سپاہی کے برابر یا اس سے برتر بنا دیا جائے بالکل غیر ادراکی ضرورت ہے۔ اس کے یہ معنی ہونگے کہ جنگ میں دو ڈویژن فوج دو ڈویژن سے لڑتا ہے اور کور کور سے۔ فیصلہ کن نکتہ کی فوقیت آخری جانچ ہے۔ یہ فوقیت حملہ کے لئے افواج کے غیر متوقع مرکزی اجتماع سے حاصل ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ توپ خانہ کی فوقیت بھی اسی طرح نہ حاصل ہو۔ اگر فائق ترکیبی لیاقت سے دو آرمی کور ہر ۹۶ توپ کے مخالف فوج کے مقابلہ میں ملجائیں تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ دونوں کوروں کو توپ خانہ میں (۴۸) توپوں کی فوقیت ہے اور پلٹن میں دُگنی۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ہر دو جانب آرمی کور (۱۴۴) توپوں سے مسلح ہیں اور اس وجہ سے ترکیبی فوقیت اس قدر خفیف ہوگئی ہے کہ کوئی فریق ایک سمت میں فوقیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں برابر فوجوں کا مقابلہ ہے اور فتح کا فیصلہ اتفاق کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ جاپانی ترکیبی اعتبار سے دشمن کے مقابلہ میں زیادہ قابل تھی اور اُن کی حیثیت حملہ آوری کی تھی اُنھوں نے نہایت فیصلہ کن جوانب میں برتر فوج جمع کرلی اور یہ فوقیت

روسی فوج کی مجموعی اعدادی فوقیت کے مقابلہ میں زیادہ غالب ثابت ہوئی۔ اس کل معاملہ پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ توپ خانہ بشرطیکہ وہ محض دفاع کے لئے نہو۔ خط جنگ کے اندر اتنی زمین نہ گھیرے کہ نہایت فائق پلٹن کی فوج کا اجتماع حملہ کے لئے مشکوک ہو جائے۔ اس اعتبار سے اپنے موجودہ نظام میں ہم نے ضروری تناسب جو دونوں فوجوں میں ہونا چاہئے۔ توپخانہ کے حق میں بڑھا دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ توپ خانہ کو جدا ڈویژنوں کے حدود کے اندر اتنا زبردست نہ کرنا چاہئے کہ فوج کی حملہ آورانہ قابلیتوں کو اس سے نقصان پہنچے یہ فیصلہ کن نکتہ ہے۔ توپ خانہ کا فاضل حصہ میدان جنگ میں محفوظ رکھا جائے۔ دراں حالیکہ جگہ کم ہو۔ اگر سپاہ کی حملہ آورانہ قابلیت گھٹ جاتی ہے تو توپ خانہ فتح کے واسطے سہارا ہونے کے بجائے فوج پر بارگراں ہو جاتا ہے۔ فائق افواج کو فیصلہ کن حملہ کے لئے متحد کرنا کہیں زیادہ ضروری ہے بمقابلہ اس کے کہ کل جیش پر دشمن کا مقابلہ برابر کی افواج سے کیا جائے۔ اس اصول پر کاربند ہونے سے ہم دشمن کے مقابلہ میں معمولی جیشوں کے سامنے کمزور ہونگے۔ اس نقصان کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایسے مقام پر دفاعی صورت اختیار کی جائے۔ اگر افواج کے مغلوب کرنے والے اجتماع سے فیصلہ کن مقام پر فتح حاصل ہو جائے تو یہ فوقیت یقینی فوقیت ہے یہ فتح کل شکستوں کو جو اور جگہ کھی گئی ہیں قلم زد کر دیتی ہے۔

دشمن کی کارروائیانہ فوقیت کا فیصلہ افواج کی برتر کوچ کی صلاحیت۔ سریع و باقاعدہ عمل۔ مراسلات ساقہ اور خاص کر کارروائی کرنے والے کالموں کی لمبائی سے ہوتا ہے۔ زمانہ حال کی کثیر فوجوں کے نظام میں فوج کو بالخصوص تب وہ قریب قریب رکھی گئی ہو ملک کی رسد کافی نہیں ہو سکتی۔ اس کو اپنے روزانہ خورونوش کے لئے ساقہ پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ حتی الامکان ریلوں کے ذریعے سے رسدیں آتی ہیں مگر ریل کے مقام سے سپاہ کا سلسلہ مراسلت بذریعہ چھکڑوں اور جانوروں کے ہوتا ہے جو سپاہ کے عقب میگزین اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان آتے جاتے ہیں۔ چونکہ چھکڑے بنی ہوئی سڑکوں کے لئے محدود ہیں سپاہ کے ساتھ سلسلہ مراسلت

براہ راست جانوروں کے کالموں کے ذریعے سے جاری رہنا چاہیئے کیونکہ جانور سڑکوں کے پابند نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے رسد کی گاڑیاں جو سپاہ کے پیچھے ہوتی ہیں اور روزانہ بھری جاتی ہیں اُن کے ساتھ ہی روز آنا چاہیئیں۔ ورنہ کھانے کا توڑا ہو جائے گا۔ یہ صرف اُسی صورت میں ممکن ہے کہ سپاہ کے کالم کا طول حدمعین سے زیادہ نہ ہو اور علی الصباح روانہ ہو جائے تاکہ باربرداری کی گاڑیاں جو کوچ کے ختم پر عقب سے کالم کے سرے پر آ جاتی چاہیئیں اُس تک سونے کے وقت سے پہلے پھونچ سکیں۔ حملہ کے لئے فوج کی قابلیت صرف اُس حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ اس رسد کا سلسلہ منقطع نہو۔ کچی جنس اور رسد کے کافی ڈبے بھی ہونے چاہیئیں جو سپاہی اپنے ہمراہ لیجا سکیں۔ اگر کالموں کی لمبائی حدمعینہ سے زیادہ ہو تو اسی نسبت سے کوچوں کی مسافت میں اختصار کر دیا جائے۔ اگر اتنے لمبے کوچ کئے جائیں کہ رسد کی گاڑیاں سپاہ تک نہ پھونچ سکیں تو رسد کے انتظام کے لئے بیچ میں آرام کے دن رکھ دیئے جائیں۔ اس صورت سے فوج کے کوچ اور کارروائیوں کی قابلیت کا انحصار اس پر ہے کہ عقب سے اُس کے کھانے پینے کا انتظام رہے۔ محتاط اندازہ سے جو عملی تجربات پر مبنی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۰ سے ۲۲ کلومیٹر یومیہ کا اوسط پورا کرنے کے لئے جو فوج کے واسطے کم سے کم فاصلہ ہے کسی کالم کو ۲۵ کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ نہ طے کرنا چاہیئے۔ اس سے کوچ کرنے والے آرمی کوروں کے عمق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی اہم معرکہ میں نیز جنگ کے لئے جمع ہونے میں سپاہ کور سے کم دستوں میں کبھی کوچ نہیں کرتی ہے۔

اس اندازہ سے جو زمانہ حال کی جنگ کے اعتبار سے ٹھیک ہوتا ہے۔ نہایت ضروری ہے کہ رسد اور خوراک کا انتظام اچھا کیا جائے۔ خراب شدہ ریلوں کی درستی ہلکی ریلوں کی ساخت۔ موٹر باربرداری کی گاڑیوں اور جانوروں کے انتظام کی تیاری ہر ممکن ذریعے سے امن کے زمانہ میں ہونا چاہیئے تاکہ جنگ کے زمانہ میں ریل کی سڑکیں حتی الامکان سپاہ کے نقش قدم پر چلیں اور کالم بغیر خلل کے سپاہ اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان مسلسل مراسلات جاری رکھ سکیں۔ اس سلسل کو ہمیشہ چلتا رکھنے کے لئے اور رسد کے آنے کی کسی اہم وقت کو روکنے کے واسطے بہت سا

ذخیرہ کچی جنس کے ڈبوں کا ہونا چاہئے۔ یہ ذخیرہ بلحاظ کثرتِ اجتماع افواج جہاں تک ممکن ہوسکے بڑا ہو۔ ٹرینوں اور کالموں کے انتظام سے رسد کے ڈبوں کے ذخیرہ میں جلد جلد اضافہ ہوتا ہے اس کام کو وہ خاص ہلکے کالم خوبی سے انجام دے سکتے ہیں جو رسد اور باربرداری کے کالموں سے جدا جدا آرمی کوروں کے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ رسد اور باربرداری کے کالموں کے پیچھے بس اتنے فاصلہ پر ہوتے ہیں کہ اگر ضرورت پڑے تو کسی نہ کسی طرح گھس پل کر یا شب کے وقت کوچ کرکے جیش تک پہونچ سکیں

آرمی کوروں کی ٹرینیں بڑھانے کی طرف رغبت نہیں ہے مگر یہ ضرورت لابدی ہے۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ متعلقہ کالم بہت طویل نہیں ہوتے کیونکہ ان کے پاس زیادہ تر منجمد کھانے اور ایسی رسدیں ہوتی ہیں جو دبا کر ذرا سی جگہ میں رکھدی جاتی ہیں۔

بہت سے ٹرینوں کے آدمی ریلوے اور تار برقی کے کور اور کاریگر مزدور وغیرہ آجکل کی لاکھوں کی فوج کے اچھے انتظام کے لئے تیار رہنا چاہئیں۔ یہ نہایت ضروری ہے کیونکہ آجکل کی جنگ میں سپاہ بغیر ان کے عملاً حرکت نہیں کرسکتی۔ اس بارہ میں دشمن پر فوقیت ہونا کہیں زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے فیصلہ کن مقام پر فائق فوج جمع کرنا نیز زبردست دشمن کو شکست دینا بھی ممکن ہے۔

تیاریاں چاہے کیسی ہی احتیاط سے کی جائیں یہ فوقیات صرف اس صورت میں حاصل ہوسکتی ہیں کہ سپاہ کے کالم انتہائی تعداد سے زیادہ نہوں جن کی خوراک کا انتظام عقب سے ہوسکتا ہے۔ جس وقت فوج آگے بڑھ رہی ہو۔ ہر چیز جس کی آرمی کور کو جنگ کے واسطے ضرورت ہے ان حدود کے اندر ہونا چاہیئے۔

ہمارا آجکل کا آرمی کور بغیر بھاری میدانی توپ خانہ کے قریب قریب اس ضرورت کے موافق ہے۔ لیکن اگر اس کا طول بھاری ہوٹزر بٹالین کے اضافہ سے مع ضروری توپخانے کے کالموں کے بڑھ جائے۔ تو اس سے محفوظ کوچ کا عمق بہت زیادہ ہوجائے گا۔ بشرطیکہ ضروری

مقدمۃ الجیش کا فاصلہ بھی شامل کرلیا جائے۔ چونکہ پلٹن بھی اُس جگہ کے تناسب سے جو توپ خانہ کے پھیلنے کے واسطے درکار ہے کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے مصلحتاً زبردست حملہ اور کارروائیانہ قابلیت کی خاطر جدا جدا سپاہ کے حدود نظام کے اندر پلٹن کی تعداد بڑھادی جائے اور توپ خانہ کی گھٹا دی جائے۔

علاوہ کالم کی لمبائی کے ڈویژن کی ترتیب اُس کی ترکیبی قابلیت کے لئے ضروری ہے۔ یہ ترتیب ایسی ہونی چاہئے کہ سپاہ اور محفوظ فوج سے سپاہیوں کو ہٹانے کے بغیر مختلف کام لئے جاسکیں۔ یہ ضرورت ہمارے قدیم نظام کے موافق نہیں ہے اور کوئی شخص جو اس پر سختی سے اصرار کرے پیدا نہیں ہوا ہے اگرچہ موجودہ ترکیبی نظام کے ناقص ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور قابل افسروں نے مناسب تدابیر اس کے متعلق کی ہیں۔

آرمی کور دو ڈویژنوں میں منقسم ہوتا ہے اور ہر ڈویژن کے دو انفینٹری برگیڈ ہوتے ہیں تمام برگیڈوں کی دو دو رجمنٹیں ہوتی ہیں۔ محفوظ فوج کی ساخت سے کمانیر کے لئے سہولیتیں اور اپنے اندازہ کے مطابق مرکز ثقل قائم کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ محفوظ فوج کی تیاری میں ایک نہ ایک دستہ کو توڑنا ضروری ہوتا ہے۔ اور کسی دستہ کے افسروں کو بہت سی صورتوں میں بیکار کردینا پڑتا ہے۔ سپاہ کے ایک حصہ کو پھیلنے کے لئے زیادہ جگہ دینے اور دوسرے کو کم کردینے سے ایک طرح کا مرکز ثقل جنگ کے لئے فراہم ہو سکتا ہے۔ مگر اس کارروائی سے محفوظ دستوں کی قائم مقامی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ معرکہ کی ابتدائی ترتیب میں ہمیشہ اس بات کی جانچ کرنا ممکن ہوتا ہے کہ جنگ کی شدت کس مقام پر ہوگی۔ اس کا انحصار زیادہ تر دشمن کی تدابیر اور حالت جنگ پر ہوتا ہے۔

نپولین کا یہ قول کہ "میں پہلے کام شروع کردیتا ہوں اور پھر اُس کی تدابیر پر غور کرتا ہوں" آجکل بھی عائد ہوتا ہے۔ ڈویژن کی تقسیم دو رجمنٹوں میں محض رسم قدیم ہے اور بے سمجھے بوجھے کی گئی ہے۔ اس کا احساس نہیں ہوا ہے کہ رسالہ کے فرائض بالکل بدل گئے ہیں اور علاوہ دیگر

دیگر نقصانات کے دو رجمنٹوں کے بریگیڈ ان فرائض کی ادائگی کے لئے کمزور ہوتے ہیں۔
اس تنصیفی نظم نے عمل کی آزادی کو پابند کر کے عام مسلمہ جنگی اصولوں کو باطل کر دیا ہے نہایت معمولی ترتیب یہ ہے کہ سپاہیوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے جیسا پلٹن کی رجمنٹوں میں ہے اس نظم سے جدا جدا پلٹنیں پاس پاس آسکتی ہیں اور محفوظ فوجوں کے ہٹانے۔ دستہ کے بنانے اور چھوٹی چھوٹی ڈویزنوں کو قطاروں میں کام میں لانے کے واسطے جگہ رہتی ہے کیونکہ بازو کے حملہ کی ترکیب عمل میں آنی چاہیے۔ آخرالامر حملہ آوری کے لئے وہ سب سے بہتر ترتیب ہے کیونکہ اس سے سپاہ کے خاص دستے کو فیصلہ کن نتیجہ حاصل کرنے کے لئے ایک ہی مقام پر کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔
فوج پر پورا قابو رکھنے میں توپ خانہ کی غیر ادراکی تقسیم سے خاص دقت پیدا ہو جاتی ہے توپ خانہ جنگ میں دو طرح کی توپیں لاتا ہے۔ معمولی توپیں اور ہوٹزر۔ ہوٹزر سے معمولی توپوں کا بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کے خاص کام ہوتے ہیں جن کی ضرورت نہیں پڑتی مگر نظم میں اُن کی جگہ بالکل وہی ہے جو معمولی توپوں کی اور اس صورت سے اُن سے اُن کا خاص کام لینا نہایت دشوار ہے۔ اس کل نظم کی غرض یہ رہی ہے کہ کوروں اور ڈویزنوں کو دشمن کے کوروں اور ڈویزنوں کے برابر اور بشرط امکان اُن سے بہتر بنایا جائے اس طرح کہ توپیں ڈویزنوں کی تعداد کے مناسبت سے تقسیم کر دی جائیں۔ اس کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ توپیں براہ راست سپاہ کے کمانیروں کے زیر نگرانی آجاتی ہیں مگر اس کے مقابلہ میں جنرل کو اپنے ترکیبی مقاصد کے پورا کرنے کے آخری موقع نہیں ملتے۔ وہ اب اپنے لئے توپ خانہ کی ڈویزنوں کا رزرو بنانے کے لئے مجبور ہوتا ہے اور اس صورت سے کم از کم ایک ڈویزن اپنے نصف توپ خانہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے اگر وہ ہوٹزر سکشن کو اپنے پاس ہٹا لائے جو صرف ایک ڈویزن میں ہوتی ہے تو اسیطرح اُس ڈویزن کی بھی قوت کمزور ہو جائیگی اور یہ مسئلہ بحث طلب ہے۔ کہ یہ نتیجہ ہمیشہ ترکیبی حالت کے موافق ہو سکتا ہے۔ کم از کم یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ ان صورتوں

ہر ڈویژن کے ساتھ ایک ہوٹزر سیکشن لگا دینا مناسب ہے یا نہیں

بھاری میدانی ہوٹزروں کی تقسیم دوسرا اہم مسئلہ ہے۔ کل فوجی اصولوں کے مطابق اُن کو برابر آرمی کوروں میں تقسیم کر دینا چاہیے۔ یہ ترتیب اچھی ہے۔ کیونکہ اس سے ہر کور کے پاس بھاری ہوٹزر کا توپ خانہ ہوگا جس سے وہ مفید کام لے سکتا ہے۔ مگر وہ سب ملا کر کمانڈر ان چیف کے زیر کمان بھی ہو سکتے ہیں اور فوج کی دوسری قطار کے ساتھ لگائے جا سکتے ہیں پہلی ترتیب میں جیسا بیان کیا گیا ہے بہت سے فائدے ہیں مگر اس میں بڑا نقصان یہ ہے کہ آرمی کور کی لائن آف مارچ (مارچ کا خط) کئی کلومیٹر لمبی ہو جاتی ہے جو خالی از خطرہ نہیں ہے اس لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ یا تو کور کے دیگر ٹکڑیوں کو کمزور کیا جائے یا ترکیبی قابلیت کے ضروری جزو سے ہاتھ دھوئے جائیں۔ دونوں باتیں ناجائز ہیں۔ برخلاف ازیں چونکہ ہوٹزر سے ہر لڑائی میں کام لینا کسی طرح ضروری نہیں ہے۔ بلکہ صرف حملہ کی اُس صورت میں جبکہ دشمن کی جگہ نہایت مستحکم ہو۔ اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ بھاری ہوٹزر دوسری قطار میں سے رات کو ہٹائی جا سکتی ہیں علاوہ بریں اُن کی تیزی سے یہ ممکن ہے کہ منفردہ توپ خانہ یا سیکشن علیحدہ کر لئے جائیں اور کسی ضروری موقع پر عارضی طور سے آرمی کور کے ساتھ لگا دیے جائیں۔

یہ عام خیال ہے کہ بھاری ہوٹزر دشمن کے میدانی توپ خانہ سے لڑنے کے لئے خاص کر لائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہر جنگ میں موقع پر ہونی چاہئیں۔ یہ بسا اوقات مقدمۃ الجیش میں بھی چلی جاتی ہیں۔ لیکن میں اس خیال کی تائید نہیں کرتا۔ دشمن کا میدانی توپ خانہ کسی پوشیدہ مقام سے فیر کرتا ہے اور اس صورت میں ہوٹزر کا حملہ اُس پر کامیابی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کامیاب حملے کے لحاظ سے میرے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے کہ کوچ کرنیوالے کالموں پر مستقل طور سے توپ خانے اور گولے بارود وغیرہ کی ٹرینوں کا بار ڈالا جائے اور اُن کے کام کو مشکوک کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ جاپانیوں نے جو برابر جنگ

میں بھاری میدانی ہوٹزروں کی تعداد بڑھاتے رہے آخرکار ہر ڈویزن کے ساتھ اُس قسم کا توپ خانہ لگایا۔ مگر اُس جنگ کے تجربات کو زیادہ اہم یا عام نہ سمجھنا چاہئے۔ وہ حالتیں بالکل خاص تھیں۔ جاپان اپنے کل اگلے حصہ میں ایسے مقامات کے مقابلہ میں لڑے تھے جن پر بھاری توپ خانہ لگا تھا۔ اور چونکہ انھوں نے دشمن کے پورے خط پر حملہ کیا تھا اس لئے اُن کو اپنے بازو کے لئے اتنی ہی بھاری توپوں کی ضرورت تھی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ انھوں نے اپنی (۱۲) سینٹیمٹر کی مہلک توپیں کل اگلے حصہ پر نہیں پھیلائیں بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں جنرل نوگی کی فوج کے متعلق کردیں جن کا کام فیصلہ کن مکڈن کا محاصرہ تھا۔ لہذا جاپان والوں کو اپنی ہوٹزر کے مرکزی اجتماع کی ضرورت تھی اور اگرچہ ہم اُن کے جلبتی حملہ کی تقلید نہیں کرینگے۔ بلکہ دشمن کے جیش میں اور طریقے سے گھُسینگے۔ مگر مرکزی اجتماع کا مسئلہ ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ ان صورتوں میں بھاری توپوں کو سپہ سالار کے ہاتھ میں دیدینا نہایت فائدہ مند ہے۔ اس سے اُس کی حملہ آورانہ تدبیر کو بہت مدد ملتی ہے وہ ان کو اُس مقام پر جمع کرسکتا ہے جس کو وہ جنگ میں فیصلہ کن موقع بنانا چاہتا ہے اور اس صورت سے اُس مقصد کو پورے طور سے حاصل کرسکتا ہے مگر آرمی کوروں میں تقسیم سے اُن کی قوت منتشر ہوجاتی ہے اس کی بھاری توپیں اُس کو وہی کام دیتی ہیں جو توپ خانہ کے زیر رو ڈویزنل جنرل کو دیتے ہیں۔ اُس مقام پر جہاں اُن کی دل ہلانے والی آواز میدان جنگ میں گونجتی ہے وہاں فیصلہ کن جنگ ہوتی ہے۔ ہر شخص سپہ سالار سے لیکر سپاہی تک اس کو جانتا ہے۔

میں صرف ضمناً یہ بیان کرونگا کہ بھاری توپ خانہ کا موجودہ نظم بہ حیثیتِ امن ناقابل اطمینان ہے۔ توپیں جو جنگ میں میدانی توپ خانہ کے متعلق ہوتی ہیں۔ کورکمانیروں کے ہی زیر کمان بہ زمانہ امن ہونی چاہئیں۔ آجکل میدانی فوج کا بھاری توپ خانہ پیدل توپ خانہ کے زیر نگرانی ہوتا ہے اور افواج کے ساتھ صرف فوجی چالوں کے لئے لگا دیا جاتا ہے۔ اس طرح پر جہاں تک فوج کا تعلق ہے وہ ایک جدا عضو رہتا ہے اور کل کا مجموعی جزو نہیں ہوتا۔ میدانی توپ خانہ

اور قلعے کے توپ خانہ میں فرق زیادہ عملی ہے۔ بادی النظر میں یہ خیال اس ضرورت کے منافی معلوم ہوتا ہے کہ بھاری توپیں سپہ سالار کی نگرانی میں بطور محفوظ اسٹاک کے ہونا چاہئیں۔ چونکہ فوجیں امن کے زمانہ میں نہیں ہوتیں اور اُن کی ترتیب میں کرتبوں کی مشق نہیں ہوتی موجودہ نظم کا یہ نتیجہ ہے کہ بھاری توپ خانے اور دیگر سپاہ کے تعلقات کافی طور پر سمجھ میں نہیں آتے۔ یہ خرابی دور ہوسکتی ہے اگر بھاری توپ خانہ مستقل طور پر ہر ایک آرمی کور کے ساتھ لگا دیا جائے۔ اس سے جنگ کے وقت ان کو فوجی افسروں کے زیر کمان دینے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ برخلاف ازیں اُن سے کرتبوں میں باعتبار آرمی کور، وں کے وہی کام لیا جائے گا جو باعتبار افواج کے جنگ کے وقت لیا جانا ممکن ہے۔ فوج کی کارروائیاں دشمن کے ممالک میں زیادہ پراثر نہ ہونگی اگر ریلیں اور سڑکیں اُس کے قابو میں ہوں۔ اس کے یہی معنی نہیں ہیں کہ تباہ شدہ ریلیں پھر قبضہ میں آجائینگی۔ بلکہ وہ قلعہ اور گڑھیاں بلاشبہ فتح ہو جائینگے جو انقطاع مراسلات ریلوے سے فوج کے آگے بڑھنے کو روکتی ہیں ۱۸۷۰ء میں ہم کو یہ سبق مل چکا ہے کہ ناقص مراسلات ریلوے جنگی کارروائیوں میں حائل ہوئے تھے۔ لہذا یہ نہایت ضروری ہے کہ ایسا کور موجود رہے جس کا فرض ان ضروری کاموں کی انجام دہی ہو۔

ابھی تھوڑے زمانہ پہلے تک صرف ایک متحدہ کور ہمارے پاس سفر مینا کی پلٹن کا تھا جس کا نظم میدانی کارروائیوں اور محاصرہ دونوں کے لئے کیا گیا تھا۔ مگر محاصرہ کے کام حال میں اسقدر بڑھ گئے ہیں کہ اُس نظام سے پلٹن کو کافی اصطلاحی تعلیم نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف شعبۂ جنگ کی ضرورتیں اور دوسری طرف سفر مینا کے فرائض اس قدر زیادہ اور مختلف ہیں کہ ایک ہی کور کو دونوں کاموں کے لئے دو سال میں تعلیم دینا ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے۔ میدانی سفر مینا کے کام پل بنانا۔ مقامات کو مستحکم کرنا اور قلعہ بند جگہوں پر حملہ میں مدد دینا ہیں۔ قلعہ کی سفر مینا کا نہایت ضروری کام جڑ کھودنا اور بالخصوص سرنگ لگانا۔ مستقل عمارتوں پر حملہ کی تیاری کرنا اور حملہ میں پلٹن کی مدد کرنا ہے۔ ایسی خدمت کے لئے سطحی تعلیم سے فوج کو تسکین نہیں

ہو سکتی اس کو مکمل تیاری کی شروع ہی سے ضرورت ہے۔

اس نقطۂ خیال کی بنا پر جنرل بیسی لیر سابق انسپکٹر قلعہ جات و سفر مینا نے جنھوں نے اپنی ملک کی قابل قدر خدمت کی ہے نئے نظم کی بنیاد ڈالی اس نظم میں میدانی سفر مینا اور قلعہ کی سفر مینا کا کافی خیال رکھا گیا ہے ان دونوں کی ابتدائی تعلیم مشترک ہے مگر بعد کو علیحدہ علیحدہ تعلیم اُن کے علیحدہ علیحدہ فرائض کے اعتبار سے دی جاتی ہے۔ ہم کو لازم ہے کہ اس طریقہ پر برابر عمل کرتے رہیں اور قلعے کی سفر مینا کو اُس کی اہمیت کی مناسبت کے اعتبار سے زیادہ ترقی دیں۔ ان ضروریات کے ضمن میں جن پر بحث ہو چکی ہے اور جن کا تعلق براہ راست ترقیِ قابلیتِ ترکیبی کی تحصیل و قیام سے ہے۔ ہم آخر میں دو ایسے نظام بیان کرینگے جو بالواسطہ اسی غرض کے لئے ہیں۔ یہ دشمن کی ترکیبی قابلیت کو گھٹاتے اور اور اس صورت سے ہماری قابلیت کو بڑھاتے ہیں اور اخفائے نقل و حرکت سے حملہ میں مدد دیتے اور دشمن پر اچانک حملہ کرنے کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ جو کامیاب حملہ آورانہ جنگ کی بڑی شرط ہے۔ وہ دو نظام کیا ہیں؟ میری مراد رسالہ اور ہوائی بیڑے سے ہے۔ رسالہ کے فرائض دو قسم کے ہیں اوّل تو اُنھیں گشتیں لگانا اور پوشیدہ نقل و حرکت کرنا چاہیئے۔ دوسری اُنکو دشمن کے سلسلہائے خبر رسانی کے خلاف کارروائیاں کرنا، برابر اُس کی رسد کو روکنا اور اس طرح سے اُس کی چستی و چالاکی کو بے کار کرنا چاہیئے۔ ہر فوجی ماہر اس کو تسلیم کرے گا کہ فوج کی جنگی حیثیت کے تناسب سے اور باعتبار اُن اہم فرائض کے جو جنگ میں اُس کے سپرد ہوتے ہیں۔ ہمارا رسالہ نہایت کمزور ہے کوچ اور جنگ میں بہت سے آدمی ضائع ہوتے ہیں۔ ان نقصانات کی تلافی کافی طور پر نہیں ہوتی۔ محفوظ رسالوں کی قابلیت محدود ہوتی ہے ان سب باتوں سے اُس کی کمی صاف طور پر معلوم ہوتی ہے۔ عام لوگ رسالہ کو کم و بیش بیکار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جنگہائے ماسبق میں نسبتاً اُنھوں نے ترکیبی نقطۂ خیال سے بہت کم کارنمایاں کئے اور اُن پر صرف زیادہ ہوا۔ عام طور پر رسالہ کی جانچ سنہ ۱۸۶۶ء و سنہ ۱۸۷۰ء کے معیار سے کی جاتی ہے۔ اس پر زیادہ

زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ معیار فریب دہ ہے۔ ایک تو یہ کہ سامان اس قدر ناقص تھا کہ نہایت اہم موقعوں پر اُس نے سوار کی قابلیتوں کو بے کار کردیا۔ دوسرے رسالہ سے بالکل متروک طرز پر کام لیا گیا۔ اس لئے وہ آزاد نقل و حرکت کے لئے تیار نہ تھا۔ جو کچھ اُس نے اُس زمانہ میں کیا اُس کا مقابلہ اُس سے نہ کرنا چاہیئے جو آئندہ اُس کو کرنا پڑے گا۔ اُن جنگوں میں جن میں سواروں نے اچھا کام کیا اور جن میں اُن کی نقل و حرکت کے لئے کوئی روک نہ تھی (مثلاً امریکائی جنگ آزادی و جنگ لوئر) اُن سے زیادہ کام لیا گیا ہے کیونکہ اُن کی کارروائیانہ سرعت کی خوبی باوجود اسلحۂ زمانۂ حال اچھی طرح سے ظاہر ہوگئی۔ بالخصوص افریقہ میں۔ یہ وہ جنگیں ہیں جن سے رائے قائم ہوسکتی ہے۔ ان جنگوں سے ہمیں یقین ہوجائے گا کہ رسالہ کی بیشی اشد ضروری ہے۔ درحقیقت یہ صرف اُس وقت میں کارآمد ہوسکیں گے جب فوجی رسالہ کے ڈویژنوں کو کالم اور ٹرینیں اس طرح دیدی جائیں کہ وہ اپنی رائے سے کام کرسکیں۔ اپنے مخاصین کی تدابیر پر لحاظ کرکے یہ بھی اشد ضروری ہے کہ رسالہ کی لڑنے والی فوج کی تعداد میں سائکل سیکشنوں کا مناسب اضافہ کیا جائے۔ یہ اور بھی یوں زیادہ ضروری ہے کہ ایک تو دشمن کے سلسلہ ہائے خبر رسانی پر جو حملہ ہوگا اُس کا مقابلہ دوسری طرف سے سختی کے ساتھ کیا جائیگا۔ دوسرے اخفائے فرائض میں جو حملہ آوری کے لئے گشتوں سے زیادہ ضروری ہیں خاص طور سے کامیابی ہوگی۔ بشرطیکہ رسالہ اور سائیکل والے متحد ہوں۔ علاوہ بریں رسالہ کی تعداد دشمن کی عام گشتی لوکمین کی سپاہ کی برابری کرنے کے لئے یقیناً درکار ہے۔

اگر رسالہ سے مفید خدمت لینا مقصود ہے تو اُس کی تعداد بڑھانے اور سائکل والوں کے اضافہ کے علاوہ ایک اور انتظام کی ضرورت ہے۔ دو رجمنٹوں کے بریگیڈ اور چھ رجمنٹوں کے ڈویژن زمانۂ جنگ میں جہاں کل باتوں کا انحصار فیصلہ کُن معرکہ پر ہے بہت ناکافی ہیں جیسا کہ بار بار میں نے کہا ہے اور میرے قول کی تردید کسی نے نہیں کی۔

جنگ میں بریگیڈ تین رجمنٹوں کا ہونا چاہیئے۔ ڈویژنوں اور کوروں کی تعداد ضروریات

موقع کے مناسب حال مختلف ہو سکتی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ہمارا رسالہ بہت کمزور ہے۔ نئے نظام میں تعداد بہت زیادہ ہونا لازم ہے۔ علاوہ بریں اس بارہ میں شک نہیں ہو سکتا کہ وہ فریق جس کے پاس جدید تعلیم کا زبردست رسالہ ہے اس کو ابتدا میں دشمن پر وہ بیش قیمت فوقیت حاصل ہوگی جس کا اثر آخری نتیجہ پر ضرور پڑے گا۔

میں ضمناً یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر سوار توپ خانہ میں جو فوجی رسالہ کے ساتھ لگایا جاتا ہے چار توپیں ہونا چاہئیں تاکہ ڈویژن کے تین حصوں کے پاس تین توپ خانہ ہوں اور بشرط ضرورت ہر بریگیڈ کے ساتھ بھی ایک توپ خانہ لگا دیا جائے یہ پرانی رائے ہے جو کیم اول کی تھی مگر اس پر ابھی تک لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ رسالہ کے لئے طویل توپ خانہ کے معرکوں کا سوال اہم نہیں ہے بلکہ عارضی موقعوں سے کام لینا اہم ہے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ تیزی و نیز مختلف قابلیتوں اور موزونیتوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے یہ لازمی نہیں کہ رسالہ توپ خانہ سے باقاعدہ ملا ہوا رہے۔ رسالہ کے لئے یہ بات اس وقت مفید ہو سکتی ہے جب فیصلہ کن حملہ کرنے میں فائدہ ہو۔

رسالہ کے جاسوسانہ اور اخفائے فرائض کی تکمیل ہوائی بیڑوں سے ہونی چاہئے۔ یہاں ہم ایسی چیز سے بحث کرتے ہیں جس کا وجود نہیں ہے۔ مگر ہم پیش بینی کر سکتے ہیں کہ فوجی سائنس کا یہ شعبہ آئندہ جنگوں میں بڑا کام دے گا۔ اس لئے ابھی سے اس کے ان مناظر کو بتا دینا ضروری ہے جو فوجی اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس لئے اصطلاحی پہلو سے خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

اوّل ضرورت اس بات کی ہے کہ علاوہ سبکی و عدم اتباعِ موسم ہوائی جہازوں میں مافوق جنگی طاقت ہونا چاہئے کیونکہ کامیابی کے ساتھ فوج کی نقل و حرکت کا اخفا اور جاسوسی کے راستہ کا افتتاح دشمن کے آلاتِ پرواز اور ہوائی گرد زروں سے جنگ کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

مخالف ہوائی جہازوں سے لڑنے اور ان کو تباہ کرنے کا خیال جہازوں کے بننے کے وقت مدِ نظر رہنا چاہئے۔ اور جو ترکیبیں چلنا ہیں وہ اسی وقت سوچ لی جائیں تاکہ ہوائی جہازوں کی تعمیر انھیں کے موافق ہو۔ کیونکہ ترکیبیں اصل میں جہاز کی ساخت کے اعتبار سے ہونگی۔ غرضکہ تعلقات باہمد گر

کا خیال شروع ہی سے ذہن نشین کرلیا جائے تاکہ مخاصمین پر ہیں فوقیت حاصل ہو۔

جو باتیں پیچھے بیان کی گئی ہیں اگر ان کا خلاصہ کیا جائے تو قطع نظر عام فوجی خدمت کے نقاط کے ایک طویل فہرست مجوزہ نظامی تبدیلیوں کی ہے جن کے اختیار کرنے سے ہماری فوج کی قابلیت بہت زیادہ بڑھ جائیگی۔

کل نظام ایسا ہو کہ آرمی کور کے کالم کی لمبائی اُس لمبائی سے نہ بڑھے جس سے تیز دھاوے کا ہو سکنا ممکن ہو۔ اگرچہ رسد برابر میگزین ہی کے گوداموں سے پہنچتی رہے گی۔

بڑے بڑے کالموں کی صورتوں میں بالخصوص آرمی کور کی صورت میں جب وہ ترکیبوں اور کارروائیوں کے لئے ہو۔ تین حصوں کے اصول پر عمل کرنا چاہئے۔

رسالہ توپ خانہ کے تناسب سے ہو اور اس کی تعداد خاصی ہو۔

توپ خانہ کا نظم ایسا ہو کہ ہوٹزروں کی انتشاری کا مرکز بغیر فوجوں کے ہٹائے بآسانی اُس مقام پر لایا جاسکے جہاں ضرورت ہو۔

رسالہ کی تعداد بڑھنا چاہئے۔ اُس میں سائکل والوں کا اضافہ کیا جائے اور ترتیب ایسی ہو کہ جنگ میں پورا کام دسکیں۔ مددگار دستوں کی ترتیب بالخصوص رسد کے لئے ایسی تفصیلی ہو کہ تیز دھاوے کے وقت بھی میگزین کے گوداموں سے سپاہ کے واسطے خورونوش کا انتظام ہو سکے۔

ہوائی بیڑے کو سرگرمی سے ترقی دی جائے تاکہ دشمن کے مقابلہ میں بہتر آلۂ جنگ ہو۔ سب کے آخر میں اور یہ سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہم کو ترکیبی حیثیت سے اپنی پلٹن کو بہترین بنانے میں کوئی کوشش اٹھا نہ رکھنی چاہئے اور ہمیشہ یہ خیال رہے کہ سوائے نہایت قابل دستوں کے فیصلہ کن میدانی جنگ میں اور دستے کام میں نہ لائے جائیں مگر جو نظام ہمارا آجکل ہے اُس کے اعتبار سے ان ضرورتوں کی تکمیل میں بڑی دشواریاں حائل ہیں۔ جن کا جھیلنا خالی از دقت نہیں۔

ایسی جرمن ریشاخ کا تصور ناممکن ہے جو بغیر مجبوریوں کے فوج کی خاطر اُن قربانیوں کے واسطے مستعد ہو جائے جو ہمارے سیاسی حالت کے نئے ضروری ہوگئی ہیں۔ موجودہ خطرات کی

طرف سے آنکھیں بند کرنے اور بڑی قربانیوں کی ضرورت کو مسترد کرنے کی غرض سے سیاسی اغراض کو محدود کرنے کی ترغیب اس قدر زبردست ہے کہ لوگ یقیناً اُس سے مغلوب ہو جائینگے بالخصوص ایسے زمانہ میں جب کل سیاسی دانائی کا خلاصہ قیام امن ہے۔ یہ لوگ اس اُمید سے اپنی دل کی تسلی کرلیتے ہیں کہ بُرا وقت نہیں آئے گا۔ اگرچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ کمزوری کی پیدا کی ہوئی مصیبت اکثر کل توقعات پر سبقت لے گئی ہے لیکن باوجودیکہ قوم کی طرف سے ضرورت کا احساس دشوار ہے۔ محکمۂ جنگ سے درخواست کی جائے کہ ممکن کے حاصل کرنے میں پوری کوشش کرے اور عام رائے کے احترام سے ٹھٹک نہ جائے۔ جب ایک عظیم الشان اور جلیل القدر قوم کا مستقبل خطرہ میں ہو تو بزدلی اور کاہلی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کوئی کام ایسا نہ کیا جائے (جیسا بدقسمتی سے اکثر ہوا ہے) جو صحیح فوجی نظام کے اصول کے خلاف ہو۔

بڑے بڑے دستوں کے تین حصہ مختلف طریقوں سے ہو سکتے ہیں اس معاملہ پر کثرت سے مختلف خیالات ہیں۔ اسکیم کے عملدرآمد کی دقتیں وسیع لحاظ کی محتاج ہیں۔ یہاں پر بطور تمثیل چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ آرمی کور تین ڈویژنوں میں تقسیم کیا جائے اور ہر ڈویژن میں تین رجمنٹ ہوں۔ فضول درمیانی برگیڈوں کا نظام متروک کر دیا جائے۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ ہر کور میں تین برگیڈ کی ایک ڈویژن جیسی موجود ہے بنائی جائے تاکہ فاضل برگیڈ سے مع ہلکے میدانی ہوٹزر فیل اور یاگر (Jaeger) بٹالینوں کے بحالت جنگ ایک علٰحدہ دستہ کمانڈنگ جنرل کے زیر کمان رہے۔ ہمارے موجودہ نظام میں یہ آخر ترتیب نسبتاً بآسانی عمل میں آسکتی ہے۔ مگر اس میں یہ عیب ہے کہ برگیڈ اور ڈویژنوں میں دہری ڈویژن کا نظام اب بھی جاری ہے۔ کور کو تین ڈویژنوں میں تقسیم کرنے سے بڑی اصلاح ہو جائیگی۔ کیونکہ اس سے جدا جدا ٹولیاں متعدد طریقہ سے کام میں لائی جاسکتی ہیں۔

پلٹن اور توپ خانے کے تعلقات میں بتدریج ترقی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ پلٹن کی تعداد میں

اضافہ کیا جائے۔ اور فوجی خدمت عام کردی جاوے۔ ہر آرمی کور میں پانچواں بریگیڈ اضافہ کرنے سے موجودہ حالت کے مقابلہ میں بہتر صورتیں پیدا ہو جائینگی۔ مگر جب پلٹن کی تعداد اتنی ہو جائے کہ نیا آرمی کور بن سکے تو توپ خانہ جو اس کے لئے درکار ہے موجودہ دستوں سے لیا جاسکتا ہے اور ان کی تعداد اس صورت سے گھٹ جائیگی۔ اُس توپ خانہ کی تعداد کسی قدر محدود کر دینے سے جو ہر آرمی کور کے لئے مخصوص ہے فوجی قابلیت بڑھے گی۔ مگر توپ خانہ کی مجموعی تعداد میں کمی نہ کی جائے۔ اس بات کی احتیاط رہے کہ مصروف کارزار ہونے والی سپاہ کے دستوں کے پاس جنگ کی ابتدائی حالتیں معمولاً ضروری مقدار سے زیادہ گولہ بارود نہ ہو۔ اس سے زیادہ کو عقب میں کسرت کی گاڑیوں کے پیچھے رکھنا چاہیئے اور ضرورت کے وقت یعنی اُس وقت جب کہ جنگ سامنے ہو لانا چاہیئے۔ فوج کو پیٹ بھر کر خوراک دیئے جانے کا قابل اطمینان انتظام جس سے وہ تیزی سے دھاوا کر سکنے کے قابل ہو۔ اس سے بدرجہا زیادہ مفید اور ضروری ہے کہ ان کو فقط گولہ بارود سے لاد دیا جاوے جنگ کے نازک موقعوں پر سپاہی گولے بارود سے ہلکا ہونا چاہتے ہیں۔ اُن کو اپنے نادیدہ دشمن سے جس پر منتشر آتشباری سے ہی حملہ ہو سکتا ہے۔ پوری آتشباری کا زور معرکہ کے فیصلہ کن مواقع کے لئے رکھ لیا جائے گا۔ مگر اُس وقت مطلوبہ گولہ بارود ہر حالت میں موقع پر آجائے گا۔ بشرطیکہ منزل بہ منزل ٹھیک وقت پر آتا رہا ہو۔

توپ خانہ کے ٹھیک انتظام سے اس بات کا اطمینان ہو سکتا ہے کہ ہر ڈویژن کے پاس توپوں کی مساوی تعداد رہے۔ مگر ہلکی میدانی توپیں ڈویژن کے ساتھ اس طرح لگائی جائیں کہ اُن سے توپ خانہ کا کور بنجائے۔ بغیر اس کے کہ ڈویژن کے دستے ٹوٹیں توپ خانہ کی تعداد پلٹن کی مناسبت کے موافق ہو۔ اس قاعدہ سے کہ کل کوچ کا عمق ۲۵ کلومیٹر سے نہ بڑھنے پائے برخلاف اس کے بھاری میدانی ہوٹنزر امن کے زمانہ میں جنرل کمانڈر کے زیر حکم ہوں اور بحالت جنگ ملاکر اُن کا ،، فوجی ،، توپ خانہ بنا دیا جائے۔

شاید یہ مناسب ہے کہ رسالہ کو کور سے بالکل الگ کر دیا جائے کیونکہ بڑا دستہ بہ حیثیت

"فوجی" رسالہ بالکل علیحدہ کام کرتا ہے۔ رجمنٹیں جن کی جنگ کے لئے پلٹنوں کے ساتھ ضرورت ہے مصنوعی جنگ کے واسطے مع مخلوط فوج کے باری باری بلائی جاسکتی ہیں تاکہ رسالہ کا کام سیکھیں اور اس غرض کے لئے قلعہ کی تعلیم سے بھی فایدہ اُٹھایا جاسکتا ہے اس کے برخلاف یہ بھی اکثر کہا جاتا ہے کہ ٹرین فوسہر کور کمانیروں کی تعلیم بہتر ہوتی ہے اور جب رسالہ اُن کے زیر بحث ہوتا ہے تو وہ بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں مگر یہ اعتراض زیادہ معقول نہیں ہے۔

دوسرا طریقہ جس سے نظم آجکل سے زیادہ فوج کی قابلیت کے موافق ہو یہ ہے کہ رسالہ کے چاروں رجمنٹ جو آرمی کور سے متعلق ہوتے ہیں ایک کمانڈر کے زیر حکم بریگیڈ میں شامل کردیئے جائیں۔ اجتماع افواج کے وقت دو ڈویزنوں کے لئے ایک رجمنٹ علیحدہ کرلی جائیگی۔ اور بریگیڈ جس کی اب تین رجمنٹیں ہیں "آرمی" کیولری کی طرف چلی جائیگی۔ اجتماع افواج کے وقت چھ اسکواڈرن بنائے جائینگے اور ان میں سے تین تین ہر ڈویزن کو دیدیئے جائینگے۔ لیکن اگر آرمی کور کے تین ڈویزن بنائے جائینگے تو ہر ڈویزن کو دو ہی اسکواڈرن ملینگے۔ اس طریقہ سے بہت کمزور اور خراب ڈویزنل کیولری بنیگی۔ میدانی فوج کو بھاری نقصان پہونچے گا۔ مگر چونکہ بہ نسبت ڈویزنل کیولری کے کافی آرمی کیولری کا (جو اپنا دشوار کام اچھی طرح کرسکے) پاس ہونا زیادہ ضروری ہے۔ لہذا اُس وقت کے لئے کوئی چارہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک کی تعداد دوسرے کی تعداد گھٹا کر پوری کردی جائے۔ اس تدبیر کا الزام جس سے فوج کو بھاری ضرر پہنچتا ہے اُن لوگوں پر ہے جنھوں نے رسالہ کے اضافہ کی مناسب وقت پر رائے نہیں دی۔

پوری بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ کس قدر ضروری ہے۔ اس اضافہ کا اثر لازمی طور سے فوج کی نظم پر ہوگا۔ اور اُس کو نئے انتظام کے موافق کرنا پڑیگا۔ رسالہ کی ترقی مختلف طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

لیکن ہر صورت سے نہایت ضروری ہے کہ سائکل سیکشنوں کو امن کے زمانہ میں رسالہ کے ساتھ لگایا جائے۔ تاکہ یہ دونوں فوجیں ملکر قواعد کرسکیں اور رسالہ کے کمانیر کو اس ضروری فوج سے

ٹھیک کام لینے کا موقع ملے چونکہ سائیکل والے اچھی ہی سڑکوں پر چل سکتے ہیں اس لئے شرکت میں دقتیں ہیں جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ جن رایوں کو لے کر میں نے فوجی نظام کا خاکہ کھینچا ہے اُن کی مخالفت متعدد پہلوؤں سے ہو سکتی ہے۔ فوجی معاملات میں بالخصوص جُدا جُدا باتوں کے جُدا جُدا اندازے نہایت مختلف نتائج پیدا کرتے ہیں۔ مگر میرا گمان ہے کہ میں نے اپنی رائیں معاملات کی مجموعی جانچ کر کے مدلل طور پر قائم کی ہیں۔ جنگ کی تیاری میں یہ نہایت ضروری ہے کہ بنیادی خیال مضبوط اور مستحکم رہے اور تفصیلات سے اُس میں لغزش واقع نہو۔ ہر خاص ضرورت کو معاملات کے اُس مجموعہ کا جزو خیال کرنا چاہیئے جو حقیقتاً اصلی جنگ ہی میں پیش نظر ہوتا ہے۔ خاص معیار کسی خاص فوج کا ناجائز خیال کرنا چاہیئے اور خاص خاص محکموں کی اسپرٹ پر بھی لحاظ نہ کرنا چاہیئے بلکہ اُن کو دبانا لازم ہے۔ قوت کے اصطلاحی و مادی وسائل کے متعلق باوجود اُن کی یقینی اہمیت کے مبالغہ آمیز خیال نہونا چاہیئے اور روحانی و اخلاقی باتوں کا کافی لحاظ لازم ہے۔ ہمارا زمانہ جس نے فطرت کی تسخیر میں اس قدر ترقی کی ہے فطری ذرائع کے مقابلہ میں اس ترقی پر زیادہ زور دیتا ہے مگر آخر میں وہ قوتیں جن سے فتح نصیب ہوتی ہے آدمیوں کی ذات میں ہوتی ہیں نہ کہ اُن ذرائع میں جن سے کام لیا جاتا ہے۔ سپہ سالاری کا گہرا علم اور ایسی شخصیت جس کو اپنے اوپر پورا اعتماد ہو جنگ کی ٹھیک تیاریوں کے لئے ضروری ہیں مختلف مقاصد و خیالات کے متلون اثر سے فتح کا ناظم اکثر تذبذب میں پڑ جاتا ہے اور کبھی اس طریقہ اور کبھی اُس طریقہ کے اختیار کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ قابل اطمینان حل ان شکوک کا یہ ہے کہ جنگ کی مجموعی حالت اور صورتوں سے جُدا جُدا وسائل کی اہمیت اخذ کی جائے۔

وہ شخص جو مسئلہ کی مجموعی حالت کو فہم کی گرفت میں لے آتا ہے اپنے دل کے طوفان انتشار کو ساکت کر دیتا ہے۔

باب یازدہم

تربیت و تعلیم

ہمارا سب سے پہلا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ جرمن فوج کو اصلاح و ترتیب دیکر جرمن پالسی کا نہایت موثر آلہ اور اپنی قوم کی صحت اور طاقت کا بہترین اسکول بنائیں۔ بذریعہ فوقیت تربیت ہم کو اپنے رقیبوں پر فضیلت کی بھی کوشش کرنا چاہیئے اور اسکے ساتھ پوری جدوجہد سے سپاہیوں کی روحانی و اخلاقی حالت کو ترقی اور اُنکے وفادارانہ قومی احساسات کو قوت دیکر فوج کی معاشرتی ضرورتوں کا پورا حق ادا کرنا لازم ہی۔

تن دہی و فوجی تعلیم کا انہماک فی زمانناہماری افواج کو دشمن کے مقابلہ میں فایق بنانے کے لئے کافی نہیں ہی۔ کیونکہ مخالف افواج میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اسقدر ہی انہماک سے کام کرتے ہیں۔ اگر ہمیں سبقت کا خیال ہی تو اسکا صرف ایک ہی طریقہ ہی تربیت میں سے کل پرانی باتیں علحدہ کردی جائیں اور جنگ آیندہ کے اعتبار سے تربیت کا عملدرآمد ہو جس سے افسروں اور سپاہیوں دونوں پر تازہ فرایض عاید ہو جائیں گے۔

آجکل کے ہتیار و آلات صنعتی کے استعمال کی تعلیم کا مفصل بیان غیر ضروری ہے۔ ان آلات جنگ کے اجرا سے ہی اُنکی تعلیم ضروری ہو جاتی ہی۔ لیکن اگر ہم مجموعی حیثیت سے تربیت کے دائرہ پر نظر ڈالیں تو آجکل کی جنگ کی دوطرفہ باتیں ہم کو نہایت ضروری معلوم ہونگی۔ اوّل خاص قسم کے افراد کی ضرورت = دوئم افواج کو اس طریقے سے کام میں لگانا جسکا

ابتک انھیں علم نہیں ہی پلٹن اور توپ خانہ کی صورت میں تعداد کی زیادتی کی ضرورت آجکل کی جنگ کی حالت سے پیدا ہوتی ہی۔ رسالہ کی صورت میں اُس کی وجہ سواروں کے ترکیبی فرایض اور بعض اوقات مثل پلٹن کے پیدل لڑنیکی احتیاج ہی اور ہر درجہ کے سردارونکی صورتمیں کثرت افواج کی وجہ سے اُس کے یہ اسباب ہیں۔ دوائر کارروائی و میدانہائے جنگ کی وسیع حد۔ بلا واسطہ احکام جاری کرنے کی دقت ان کل باتوں سے جُدا ہی۔ حال کے وسیع دائرہ جنگ کی جس سمیت میں نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں خودمختارانہ فعل کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہی۔ سپاہی کی جانب سے گمنشام لڑائی میں۔ تنہا پٹرول کیجانب سے دشمن کے ملک میں (جسطرح کہ سردارِ فوج کی جانب سے جس کے زیر کمان کثیر التعداد سپاہ ہوتی ہے)۔ کارروائیوں اور جنگ میں آجکل مطلوب مساوات عمل خودمختارانہ اتحادی عمل سے جو کسی مقررہ عام اسکیم کے موافق ہو حاصل ہوسکتی ہی۔

کثیر فوج کی نقل وحرکت اور خورد ونوش کے لئے بالکل جدید طریقونکی ضرورت ہے۔ لاکھ یا دولاکھ آدمیونکی کمان اور جنگ کے لئے انکا مرکزی اجتماع ایسے زرخیز ملک میں جہاں سڑکیں ہوں اور چیز ہی۔ مگر آٹھ لاکھ آدمیوں کو ایسے میدان جنگ میں جمانا جس کو دشمن نے چٹیل میدان کردیا ہو اور جہاں کل ریل کی سڑکوں اور پلوں کو بھک سے اُڑانے والی چیزوں سے اُڑا دیا گیا ہو بالکل اور بات ہی۔ پہلی صورت میں فوجی نیم حکیم بھی مرض کا مقابلہ کرسکتا ہی۔ لیکن دوسری صورت میں باقاعدہ تعلیم یافتہ جنرل اور ایسے عملہ کی سخت ضرورت ہی جنھوں نے خود آجکل کی جنگ کی نوعیت کا مطالعہ کیا ہو اور اُس کو خوب سمجھ لیا ہو۔ اگر کوئی کمانیر تیقن اور سریع فیصلہ کے ساتھ موجودہ میدان جنگ میں کام کرنا چاہتا ہی تو آیندہ مسائل کا حل پہلے سے ہوجانا چاہیئے۔ وسیع النظر شخصیت کی ضرورت عام طور پر مسلم ہی۔ اس میں شک نہیں کہ قدیم روایات ذرا آہستہ آہستہ ناپید ہوتی ہیں کہیں کہیں مارچ پاسٹ (
) کو طریقہ تعلیم سمجھ کرنا جائز اہمیت دیجاتی ہی اور کہیں دستوں کو قریب قریب کھڑا کرکے غیر

ضروری جنگی مشق کرائی جاتی ہے۔ سوار ابھی اچھی طرح اپنی نیند سے جاگنے نہیں پاتے ہیں کہ فوجی قواعد کا کام پریڈ پر شروع ہوجاتا ہے جسنے گھوڑونکی طاقت پر بڑا بار پڑتا ہے۔ یہ لوگ تیز فیر کرنے والی بڑی مار کی توپوں کو بھولے ہوئے ہیں اور گویا اپنے آپ کو نپولین یا فریڈرک اعظم کی پرانی فوج سمجھے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ توپ خانہ پر بھی کم وبیش بعض پرانے خیالات کا بھوت سوار ہے۔ مخصوص اور مقررہ خیالات کارروائیہائے جنگ میں بعض اوقات اب بھی سدراہ ہیں۔ مصنوعی جنگ کی مشق میں ابھی تک توپخانہ کی جنگ کا رواج ہے۔ مگر مقررہ ارادہ کے ساتھ مرکزی اجتماع آتشباری اور پلٹن کے ساتھ ملکر کام کرنے کی ضرورت کیطرف کم توجہ کیجاتی ہے۔ اصولاً بھی توپخانہ کی اس مصنوعی جنگ کی ضرورت ابھی بیان کیجاتی ہے بہت سے پرانے خیالات ہماری توپخانہ میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ متروک خیالات ابھی تک نئے قواعد وضوابط سے بھی بالکل دُور نہیں ہوئے ہیں اور حقیقی ترقی کے لئے روک ہیں مگر بہ حیثیت مجموعی یہ احساس ہوگیا ہے کہ شخصی ذمہ داری اور خوداعتمادی کی ترقی میں سہولتیں پیدا کیجائیں۔ اس اعتبار سے فوج راہ راست پر ہے اور اگر وہ اس پر چلتی رہی اور اُس نے ماتحتوں کی خودمختاری کے راستے میں روڑا نہ اٹکایا تو اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ بڑے مفید نتائج نکلیں گے بشرطیکہ قابل فوجی لوگوں کو نکتہ چینی کے موقع دیئے جائیں اور اُن کے تجاویز پر عمل کیا جائے۔

اس بارہ میں صحیح ترقی کی ابتدا ہو چلی ہے مگر اس امر کی طرف کہ جنگ کی خاص صورتیں بالکل بدل گئی ہیں۔ کافی توجہ نہیں کیگئی ہے۔ اگرچہ آیندہ جنگ میں لاکھوں آدمی زیر کمان ہونگے لیکن ہمارے افسرونکی تعلیم ابھی تک پرانے ہی قاعدوں سے ہورہی ہے اور موجودہ حالات کیطرف سے بالکل چشم پوشی کیجارہی ہے۔ بالخصوص ہماری مصنوعی جنگوں میں یہ قاعدے برتے جاتے ہیں۔ عملی تعلیم کا زیادہ حصہ بریگیڈوں اور ڈویژنوں کی مصنوعی جنگوں میں دیا جاتا ہے یعنی اُن دستوں میں جنکی شمولیت کا آیندہ کے فیصلہ کن معرکوں میں

امکان نہیں ہی۔ وقتاً فوقتاً کور کی مصنوعی جنگ جو افسوس ہی کہ مالی مشکلات کی وجہ سے
سالانہ نہیں ہوسکتی ہوتی ہی مگر یہ بھی کثیر تعداد کے لیے کمان کی تعلیم نہیں ہی۔ بعض اوقات
مگر شاذ بہت سے آرمی کور اکھٹے ہو کر آزمودہ کار جنرلوں کے زیر تعلیم ہوتے ہیں مگر یہ
لوگ جلد اس خدمت کو چھوڑ دیتے ہیں اور فوج کو اُنکے تجربہ سے فائدہ اُٹھانیکا موقع نہیں ملتا۔
اس سے انکار نہیں کہ آجکل کی مصنوعی جنگیں نہایت سبق آموز اور مفید ہیں
بالخصوص سپاہیوں کے لئے مگر آجکل کی جنگ میں وہ فوجوں کے لئے بالواسطہ تعلیم ہیں
حتیٰ کہ "شاہی مصنوعی جنگیں" زمانہ حال کی ضرورتوں کے کچھ ہی موافق ہیں کیونکہ اُنمیں کمسریٹ
کے انتظامات اور پناہ کا کبھی لحاظ نہیں رکھا جاتا جو اصلی جنگ میں ضروری ہیں سنہ ۱۹۰۹ء کی
شاہی مصنوعی جنگوں پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ بہت سی کارروائیاں عمل پذیر
نہوسکتیں اگر بحالت جنگ سپاہ کے خورونوش کا سوال درپیش ہوتا۔ ہمارے افسروں کیلئے
ان باتوں پر کافی توجہ کرنا نہایت ضروری ہی یہ جنگ کے قاعدہ میں داخل ہیں اور انکے
بغیر جنگی کارروائیاں معطل ہوجاتی ہیں۔ اصولاً اس میں شک نہیں کمسریٹ کی گاڑیوں پر
ہمیشہ لحاظ ہوتا ہی۔ کل احکام میں اُنکا ذکر ہوتا ہی اور اصولاً اُنکی جگہہ بہ حیثیت کمسریٹ زرہ
کوروں اور ڈویزنونکے بیچ میں ہوتی ہی۔ یہ کہ واقعاً ان کو گھڑی کے لنگر کی طرح فقط
سپاہ اور میگزینوں کے بیچ میں گردش کرتے رہنا پڑیگا۔ یہ کہ میگزین تقریباً روزانہ لائے
جائینگے یا دور پیچھے ہٹائے جائیں گے۔ یہ کہ میدانی مطبخوں کی جگہہ نہایت ضروری ہی۔
یہ سب باتیں تکلیف دہ و پریشان کن ہیں اسلئے اُن پر کبھی خیال نہیں کیا جاتا۔ بڑی ترکیبی
جنگی بازیوں میں بھی حتیٰ کہ روس سے ملک میں جہاں کھانے کی چیزیں نہیں ملتیں کمسریٹ کا
انتظام پورا نہیں ہوتا مجھے شک ہی کہ آیا کبھی ایسے موقعوں پر خیال بھی کیا گیا ہی کہ خورونوش
کا انتظام سوائے گوداموں کے اور کسی ذریعہ سے بھی ہوسکنا ممکن ہی۔ افسرونکو بھی معمولی
مصنوعی جنگوں میں ان حالات سے واقف ہونیکے تھوڑے موقع دیئے جاتے ہیں مگر محض

اصول کے علم سے بڑی فوج کی نقل و حرکت اور اُس کے خور و نوش کے پیچیدہ انتظام سے مانوس ہونا اور اس معاملہ کو پورے طور پر سمجھنا نہایت دشوار ہے۔ وقتیں اور رکاوٹیں جو عملاً پیدا ہوتی ہیں فقط اصول جان لینے سے سمجھ میں نہیں آسکتیں نہ ان باتوں کے انتظام کا دستور العمل کتابوں سے سیکھا جاسکتا ہے اس لئے یہ حالتیں جنگی کارروائیونکی آزادی میں روک ہیں مگر قطع نظر کمسریٹ کے معاملات کے خود فوج کی نقل و حرکت میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں جنکے سامنے ناتجربہ کار شخص کو پیش لیجانا دشوار ہے۔ جب ۱۸۷۰ء میں ذرا پیچیدہ نقل و حرکت تجویز ہوئی جیسی سیڈان (   ) کے دھاوے میں کیگئی تھی تو معلوم ہوا کہ خاص کمانیر موقع کی حالت سے بالکل نابلد ہیں۔ اور محض میدان جنگ کی زرخیزی اور فرانسیسیوں کی حملہ آوارنہ قابلیت سے کارروائیوں میں کامیابی ہوسکی اگرچہ فوج کی کمان مولٹکی (   ) جیسے شخص کے ہاتھ میں تھی۔ ان سب باتوں پر ہمارے جنرل اسٹاف نے پورے طور پر غور کرلیا ہے مگر جنرل اسٹاف کی محنتیں کسی صورت سے عام طور پر فوج کے حصہ میں نہیں آئی ہیں۔

ان کل وجوہ سے سب سے اوّل ہماری مصنوعی جنگوں کا انتظام نئے سانچے میں ڈھالا جائے جو موجودہ حالتوں کے موافق ہو اور ہمکو قدامت کے فرسودہ راستوں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ سپاہیوں کی تعلیم مثل سابق ترکیبی لیاقت کے اعلیٰ پیمانہ پر ہونی چاہیئے اور فوج کو ترقی دیکر جنگی کارروائیاں عمل میں لانے کے لئے پُراثر آلہ بنایا جائے آجکل کی جنگ میں کامیابی کی گردش ان دو چولوں پر ہوتی ہے۔ مگر کمانیرونکی تعلیم ایسی جنگ کے لیے ہونی چاہیئے جو فیصلہ کُن ہو۔ جن رستوں پر ہم ابتک چلے ہیں یہ منزل مقصود کو نہیں جاتے۔

تربیت اور تعلیم کے کل طریقے ان خیالات کے موافق ہونے چاہئیں۔

اس مقام پر پلٹن اور رسالہ کی جنگی تربیت پر میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں اس مضمون پر تفصیل کے ساتھ خاص رسالوں میں بحث کرچکا ہوں۔ صرف توجہ دلانے کیلئے

بعض باتیں جنکے موافق اس فوج کی مخصوص تعلیم ہوسکتی ہے ضروری ہیں۔
اس فوج کی جنگی قابلیت کے کاموں کا خلاصہ یہ ہی جیسا قواعد میں بھی کچھ بتا یا گیا ہی۔ کل پہلے سے سوچے ہوئے خیالات اور اصولوں کو ایک طرف رکھدیا جائے اور اُسکا ایک دستور العمل رسالہ یا پلٹن کو مدد دینا ہو اس اصول کو خیال میں تو تسلیم کیا گیا ہے مگر اُس کو عمل میں بھی لانا چاہیئے۔ اس خیال کو کہ دشمن کے توپخانہ سے جنگ کیجائے زور کے ساتھ روکنا چاہیئے۔ دفاع میں البتہ حملہ آور توپخانہ سے لڑنے کی اکثر ضرورت ہوتی ہی کیونکہ دفاعی پلٹن کے لئے یہ نہایت خوفناک دشمن ہی۔ مگر حملہ میں اُسکا خاص کام دشمن کی پلٹن پر جہاں کہیں ممکن ہو پوشیدہ جگہوں سے فیر کرنا ہی۔ نیز اس اصول پر کہ توپخانہ کے ڈویزنوں کو میدان جنگ میں پاس پاس رکھا جائے اور فیر ملے ہوئے ایک ہی سمت میں ہوں آخر تک نہ اڑے رہنا چاہیئے۔ توپخانہ سے یقیناً بڑے پیمانہ پر کام لینا ضروری ہے اور چیف ان کمانڈ کو یہ دیکھنا بھی لازم ہی کہ آتشباری کا مرکز فیصلہ کن جگہوں پر ہی یا نہیں مگر خاص حالتوں میں اور جنگ کے تغیرانہ واقعات سے یہ خیال کم اثر کے ساتھ احکام کی مساوات سے عمل پذیر ہوسکتا ہی بجائے اسکے کہ عام اسکیم ماتحت افسروں کو سمجھای جائے اور اُسکا عملدرآمد اُن پر چھوڑ دیا جاسے۔ ماتحت افسر کی ذاتی ابتدائی کارروائی پر بمقابلہ سابق زیادہ لحاظ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نازک موقع پر ایسی خودمختارانہ کارروائی ناگزیر ہے۔
میدان ہائے جنگ کی بڑی وسعت اور اس کوشش کی وجہ سے کہ صحرائی اور ناہموار زمین حملہ کے لئے ملے توپخانہ مجبوراً ٹولیوں یا قطاروں میں ایک کے پیچھے ایک بڑھتا ہی اور باہمہ ترکیبی اعتبار سے اہم ترین جگہہ پر ملکر کام کرنے کی کوشش کرتا ہی۔ کمان کے مرکزی اجتماع سے یہ بات حاصل ہونا دشوار ہی اور اس کی پوری حالت کا اندازہ ترکیبونکی تعلیم پائے ہوئے ماتحت افسر ہی خوب کرسکتے ہیں۔

یہ موقع اصطلاحی تفاصیل کے بیان کا نہیں ہی اور میں صرف چند باتیں بیان

کرونگا جو خاص طور سے ضروری ہیں - بی زیڈ ( ) گولے کو متروک کر دینا لازم ہی
اور اُس کا استعمال داخل تعلیم نہ ہونا چاہیئے - رائفل پٹیں ( ) پر خاص
اثر کرنے کے لئے اُس کا نشانہ بالکل صحیح ہونا چاہیئے جو جنگ میں ممکن نہیں ہی -

شراب نیل ( ) کے فیر کو بہت زیادہ اہمیت نہ دینا چاہیئے معلوم
ہوتا ہی کہ اسکا استعمال فرانس میں باقی رہا اُس نے ہمیں بھی اچھا کام دیا تھا مگر شوٹنگ رینج
( ) کے تجربوں کا عمل براہ راست بڑی جنگ میں نہ کیا جائے اہیں
شک نہیں اگر اُسکے استعمال میں کامیابی ہوئی تو نتایج سریع کی اُمید ہی مگر اُسکے اندازہ
میں بالخصوص کثیر افواج کی جنگ میں بڑی غلطیاں ہوسکتی ہیں - بہر حال اے زیڈ (
گولے کی مشق زیادہ بھروسے کے قابل ہی اور سب سے زیادہ ضروری ہی -

حال کے قاعدے کے مطابق اے زیڈ ( ) کی انتشاری حملہ آورانہ معرکوں کے
آخر موقعوں کے لئے خاصکر ہونا چاہیئے عام طور پر ترکیبوں اور چالاکیوں کی باریکیوں اور
پیچیدگیوں میں ضرورت سے زیادہ نہ پڑتا چاہیئے - نیز اس نکتہ کو صرف سہل قاعدوں سے
کامیابی کیساتھ جنگ میں کام لینا چاہیئے کبھی بھولنا نہ چاہیئے - توپ خانہ کی عام تعلیم میں خاص
بات یہ ہی کہ کتابیں مثلاً شوٹنگ کی رپورٹیں کم پڑھنا چاہیئں اور ترکیبوں کو زیادہ دخل
ہونا چاہیئے - کیونکہ اس طریقہ سے توپخانہ جنگ میں اچھا کام کرسکتا ہی مگر شوٹنگ کی اصطلاحات
رپورٹوں میں نہ چھوڑی جائیں - ورنہ ایسا کرنے سے اچھی اور بُری باتیں دونوں مسترد
کر دیجائیں گی اور ایسی رپورٹوں کو تکلیف دہ سمجھکر متروک کرنا ٹھیک نہیں ہی -

اس ضمن میں توپ خانہ کے رجمنٹوں اور بریگیڈوں کی خود مختارانہ مصنوعی جنگیں
قابل توجہ ہیں ان میں بڑا صرف ہوتا ہی اور ان سے نفع کے مقابلہ میں نقصان پہونچتا ہے -
میری رائے میں انکو ترک کر دینا چاہیئے یا کم از کم ان میں بہت زیادہ ترمیم کر دیجائے
کیونکہ اُنکی منفعت صرف اور دقتوں کے مقابلہ میں کم ہی - یہ مقررہ ترکیبات مقام کے لئے

ہیں جو جنگ میں ناممکن العمل ہیں اور اصلی جنگ میں نہایت ضروری سبق یعنی توپخانہ سے
وقت پر محدود فاصلہ کے اندر ایک مخصوص غرض کے لئے کام لینا بغیر اسکے کہ پہلے سے
توپخانہ کے لئے مناسب مقامات کی تلاش کیجائے ان مصنوعی جنگوں سے حاصل نہیں
ہوتا۔ یہ زیادہ مفید ہو سکتی ہیں بشرطیکہ سپاہ اُنکے ترکیبی حدود بنا دی مگر ان مصنوعی جنگوں کے
خاص نقص کا یہ علاج نہیں ہے۔ نقص یہ ہے کہ توپ خانہ کو فیصلہ کن آلہ سمجھا جاتا ہے جس کے
لئے اچھے موقع تلاش کئے جاتے ہیں اور کسی نہ کسی بہانہ سے توپخانہ وہیں جما رہتا ہے۔
گو جہانتک کہ فوج کی مختلف شاخوں کی جنگی ترکیبوں سے تعلق ہے۔ موجودہ مرکز نقل
کو بھی تھوڑا ہی سا ہٹانے کی ضرورت ہے تاکہ موجودہ حالت کے موافق ہو جائے۔ لیکن اگر
سپاہیوں کو ترکیبوں کی اعلیٰ تعلیم دینا مقصود ہے تو اُس صورت میں بالکل نیا طرز اختیار کرنا
چاہئے جس سے یقیناً مفید نتائج پیدا ہونگے اور مخالف پر یقینی فوقیت حاصل ہوگی۔ نیز
بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا کیونکہ فیصلہ کن کثیر التعداد فوجوں کا حقیقی جنگی پیمانہ پر
جمع کرنا بجائے خود بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مگر میری رائے میں یہ دقتیں ایسی نہیں ہیں کہ
زیر نہ ہو سکیں۔

پہلی بات کے متعلق یہ ہے کہ اس پیمانہ پر جہانتک مجھے علم ہے کبھی مشق نہیں کی گئی۔
مگر جب ہم اول اس بات پر خیال کرتے ہیں کہ بڑی فوج کی تیز اور صحیح نقل و حرکت آیندہ
جنگ کے لئے کس قدر مفید ہوگی اور دوسرے جو سخت دقتیں اُس میں ہیں اُنکے موافق
ہم فوج کو باقاعدہ طور پر اہم فرائض کی انجام دہی کے لئے تیار کر سکیں گے تو اپنے قیاسی
دشمن پر ہم کو یقینی فوقیت حاصل ہوگی۔

اس قسم کی بڑی مصنوعی جنگوں کی تیاری چھوٹے چھوٹے دستوں سے بھی ہو سکتی
ہے۔ علاوہ بریں کثیر التعداد سپاہ کو روز و شب کے ملنے کو چونکے لئے سفر مینا کی پلٹن کے
ساتھ تعلیم دینا نہایت ضروری ہے تاکہ ایسی نقل و حرکت کے تجربہ اور مشق سے اُنکو اپنے

اوپر بھروسہ حاصل ہو۔

کوچ کی تعلیم مع کل فوجی ذخائر کے کالموں میں ۲۰ سے ۲۵ کلیو میٹر تک اور بھی زیادہ مفید ہی۔ کیونکہ یہ جنگ کی روزانہ ضروریات کے موافق ہیں۔ اگر دو آرمی کوروں کا اجتماع ایسی مصنوعی جنگوں میں ممکن نہو تو کوچ کا ضروری فاصلہ اس طرح رکھا جائے کہ ہر دستہ کے درمیان مناسب فصل دیا جائے اور اس صورت میں اُس فصل پر اچھی طرح نظر رہے اس سے حقیقتاً جنگ واقعی کی حالتیں دوبارہ پیدا نہیں ہوتیں مگر یہ بحیثیت ترکیب مفید ہی۔ سپاہیوں کے لئے گاڑیاں کرایہ کرنا پڑینگی جیسے مصنوعی جنگ میں کرنا پڑتی ہیں اگرچہ تھوڑی سی کفایت شعاری کے لئے رسد فوجی باربرداری کی ٹرینوں میں آسکتی ہے جو سفر مینا کا مقدمۃ الجیش ہونگی اور ان کی رفتار ٹرینونکی رفتار کی مناسبت سے ہوگی۔

محض تعلیم کے لئے بڑے بڑے دستوں میں مارچ کرنا دراں حالیکہ کھانے کا انتظام اثنائے مارچ میں میدانی باورچی خانوں سے ہو نہایت مفید ہی بشرطیکہ مارچ جہانتک ممکن ہو قلیل سے قلیل وقت میں پورا ہو جائے اور صرف شدہ رسد عقب سے لاکر پوری کردی جائے اس عمل کا فائدہ اُس وقت پورے طور سے ظاہر ہوتا ہی جب کوچ ہمراہی رسد مثلاً جنگ میں کئی روز تک جاری رہتا ہی۔ ان مصنوعی جنگوں کی مشق ایکبار کرنا کافی نہیں ہی۔ اگر یہ منظور ہی کہ فوج کو کوچ کے متعلق اچھی واقفیت حاصل ہو تو یہ انتظام استقلال کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ آخر میں بازو کے کوچ کی بھی مشق کبھی جُدا جُدا کالموں میں اور کبھی فوجی دستوں میں کرنا لازم ہی جُدا جُدا کالموں کے بازو کے کوچ اُس حالت میں مفید ہو سکتے ہیں کہ اُنکے ساتھ فوج کے خورد و نوش کے متعلق انتظام کو بھی شامل کرلیا جائے اس طرح کہ کمسریٹ کے کالم متوازی خط میں ایک پہلو پر دشمن سے فاصلہ پر ہوں اور کوچ کے ختم پر سپاہ کے پاس آجائیں۔ فوجی فارمیشن میں بازو کے کوچ قطع نظر کمسریٹ کی تعلیم کے قدرے مفید ہیں کیونکہ ایک ہی وقت میں بہت سے مارچنگ کالموں کا متوازی سڑکوں کو کاٹنا بذات خود آسان

ترکیب نہیں ہی۔ مگر اس کام کا پورا فائدہ اُسوقت ظاہر ہو سکتا ہی جب کمسریٹ کی گاڑیاں کالموں کے ساتھ جن کو اُنکے ساتھ چلنا پڑے گا اور رسد دینا ہوگی لگا دیجائیں۔

نیز میرا خیال ہی کہ آرمی فارمیشن میں کئی دن کی کارروائیاں نقل و حرکت بھی اچھی چیز ہی۔ آگے پیچھے ہٹنے کی ادھر اُدھر چلنے اور مڑنے کی مشق ہونا چاہیئے۔ خطوط مراسلات حسب ضرورت روک دیئے جائیں۔ اُسی صورت میں کل دقتیں جو ان نقل و حرکات میں پیش آتی ہیں ظاہر ہو سکتی ہیں اور اسکا تجربہ ممکن ہی کہ انکے دُور کرنے کی کس جگہہ ضرورت ہی۔ صرف اسی طریقہ سے کمانیروں کو ان ضروری کارروائیوں کے عمل میں لانے کا اطمینان ہو سکتا ہی اور اُن سے مخالفانہ حملہ میں کام لے سکتے ہیں۔ جس فوج کی تعلیم اس صورت سے ہوگی اُسکو ایسے دشمن کے مقابلہ میں جو انکا تجربہ جنگ ہی میں حاصل کریگا یقینی فوقیت ہوگی ۱۸۷۰ء کی فرانسیسی جنگ کی بڑی بڑی ترکیبی نقل و حرکات سے جو دونوں طرف سے عمل میں لائی گئی تھیں اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا تھا۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس پیمانہ پر ان کاموں میں بہت روپیہ صرف ہوگا اور یہ کل باقاعدہ طور پر یکے بعد دیگرے پورے ہو سکیں گے۔ میں اس بات کو ان دو بڑے وجوہ سے ظاہر کرنا چاہتا تھا اوّل تو اس غرض سے کہ کل بڑے بڑے افسر معاملات زیر بحث کو شاہی مصنوعی جنگوں اور دیگر موقعوں پر سیکھیں دوسرے اس غرض سے کہ ان میں سے ایک نہ ایک پر عمل کرنا ممکن اور مفید ہو سکتا ہی۔ اگر میدانی توپخانہ کی مصنوعی جنگیں بند کر دیجائیں تو اُن سے بہت روپیہ کی بچت ہو سکتی ہی اور وہ بچا ہوا روپیہ ان اغراض کے لئے کام میں آسکتا ہی۔ کفایت شعاری کے لئے کمسریٹ گاڑیوں اور کالموں سے ان مصنوعی جنگوں میں حقیقتاً کام لینے کی ضرورت نہیں ہی لیکن اگر علاوہ ایک دستہ کے جس کے پاس جنگ کے پیمانہ کا سامان ہو اور ٹولیونکی آگے والی گاڑیاں موجود ہوں اور ایک دوسرے سے مناسب فاصلہ پر چلائی جائیں تو یہ مفید ہی۔ اس طرح سے کمسریٹ کے پورے کام پیش نظر

ہو جائیں گے اور قیمتی تجربہ حاصل ہوگا۔ حقیقتاً ان مصنوعی جنگوں کا ٹھیک انتظام دشوار ہے
اور یہ امر مسلمہ ہے کہ بہت سی دقتیں اور رکاوٹیں دور ہو سکتی ہیں بشرطیکہ صرف ٹولیوں
کے سردار لئے جائیں ان دقتوں اور دشواریوں کی وجہ سے ایسے خیالات پیدا ہو جاتے
ہیں جو غلط نتائج کا باعث ہوتے ہیں۔ مگر اچھی نگرانی میں ان مصنوعی جنگوں سے پورا
فائدہ پہونچ سکتا ہے بالخصوص اُس حالت میں جب ضروری معاملات ہی کی طرف خاص
توجہ رہے۔ بہرحال بہت سی چھوٹی مصنوعی جنگوں سے یہ کہیں زیادہ مفید ہونگے چھوٹی
مصنوعی جنگوں کے بجائے قواعد کے میدان میں بڑے پیمانہ پر کرتب ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک
کام جس سے براہ راست اس مقصد کو مدد نہ ملے ہمارے تعلیمی نظام سے اڑا دیا جائے
خصوصاً اُسوقت جبکہ بڑے قیمتی فائدوں کو نقصان پہونچتا ہو۔

اُس حالت میں بھی کارروائیوں کی مشق بڑے پیمانہ پر نہیں ہو سکتی اول تو مصارف
کی وجہ سے اور دوسرے اسوجہ سے کہ سپاہیونکی ترکیبی تعلیم میں زیادہ مخل ہونا مناسب
نہیں ہے۔

اسکا معینہ دور ہر بڑے دستہ میں ہوتا رہے تاکہ آخر کار کل بڑے افسروں کو اُن
کاموں سے عملی طور پر واقفیت ہو جائے اور سپاہی بھی آجکل کے نظام کمسریٹ سے مانوس
ہو جائیں مگر چونکہ یہ کام عملاً ہمیشہ ایک حد تک نامکمل طور پر ہوتے ہیں پہلے سے اُنکی مشق
اصولاً ہی کر لینا چاہیئے۔ یہ کافی نہیں کہ صرف جنرل اسٹاف ہی کو ان باتوں سے پوری واقفیت
ہو۔ سپاہیوں کو بھی اُن میں پوری مہارت ہونا چاہیئے۔ بالخصوص اُن افسروں کو جو فراہمی
رسد پر مامور ہوں یعنی مستقل فوج کے افسران باربرداری اور وہ افسر جو فرلو کے عملہ میں ہیں
اور جن سے کہ کالم کمانیروں کا کام لیا جائیگا۔

باربرداری کے بٹالین کی عملی خدمت اور موخر الذکر افسروں کے فرایض سے جو ان
بٹالینوں کے متعلق ہوتے ہیں یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا انسے اُن کو عملی فرایض کا حیثیت

مجموعی کچھ علم نہیں ہوتا۔ اس لئے مناسب ہی کہ یہ افسر اس کام کو کچھ عرصہ تک باقاعدہ سیکھیں۔ اس عرصہ میں جنرل افسران اسٹاف واعلیٰ افسران باربرداری فوج کے نقل و حرکات کی کل پیچیدہ باتیں بتا دینگے۔ اور اُس وقت اُن کو عملی مثالوں سے کالموں کی کل نقل و حرکت کا اندازہ نہایت مختلف جگہوں میں باعتبار صحیح فاصلوں اور وقت کے ہو جائیگا۔ یہ جنگ کے لئے کہیں زیادہ قیمتی ہوگا بہ نسبت ڈرائیونگ وغیرہ کی کثیر تعلیم کے جس پر بہت سا وقت ضائع کیا جاتا ہی۔ پیشہ ور ڈرائیور کا کام کل کالموں اور ٹرینوں میں بہت سہل ہوتا ہی مگر ہر جگہ موقع پر اس رائے سے کام کرنے کے لئے فیصلہ کن مقام کا جان لینا آسان کام نہیں ہی۔

اس لئے اگرچہ ڈرائیونگ کی تعلیم پوری ہونی چاہیئے مگر باقاعدہ باربرداری کا نصاب جس سے کہ عملی مثالوں سے ان باتوں کی اہمیت معلوم ہو موجودہ حالتوں میں بہت ضروری ہی۔ میں نے کہیں اور بتلا دیا ہی کہ رسد کے جمع کرنے کا انتظام باقاعدہ سیکھنا ضروری ہی کیونکہ فوج کی کارروائیاں نہ قابلیتوں کا انحصار اس نظام پر ہی۔ مگر اسکی نوعیت کا علم افسروں کو دفعتاً عین تیاری جنگ کے وقت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُس کے اصولوں کا علم سیکھنے سے ہوتا ہی اور جو اہمیت اس کام نے موجودہ حالتوں میں اختیار کرلی ہی اُس کی غلط فہمی کا ثبوت یہ ہی کہ لوگوں کے خیال میں بغیر اس کے کہ ان کے زمانہ میں اس کام کو باقاعدہ محنت سے سیکھیں افسر اچھی طرح اُس کو انجام دیسکتے ہیں۔

آجکل کے عام جنگی نظام میں باربرداری کے متعلق کام نہایت اہم ہوگیا ہی۔ اہمیت کے اعتبار سے اُسپر خیال بھی کرنا چاہیئے ہر جنگ میں شریک ہونے والے باربرداری کے افسر کو چند سال کی ملازمت کے بعد باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا لازم ہی۔ کل فرلوپر پرانے ملازموں کا جو باربرداری کے کام کے واسطے ہوں سب سے پہلا فرض یہ ہی کہ ایسی تعلیم میں آکر شریک ہوں اگر یہ تعلیمی نصاب موسم خزاں میں سپاہیوں کے تعلیمی کیمپوں میں ہوں تو اس سے

کچھ خفیف سا ہی فاضل خرچ پڑ سکتا ہی اور تھوڑے سے صرف سے بہت بڑا نفع حاصل ہو سکتا ہی۔

اس عمل کے نتائج پورے طور پر جنگ میں معلوم ہو سکتے ہیں۔ دراں حالیکہ حکام معاملات کو اچھی طرح سمجھیں اور فوج سے ایسے کاموں کے متوقع نہوں جو صورت معاملہ کے خلاف ہیں اور اسلئے ناممکن العمل ہیں۔ اسلئے اُن کو مجبور کرنا چاہیئے کہ جنرل اسٹاف میں عملی فرایض کی پوری تعلیم حاصل کریں نہ کہ جنگ میں محض سپاہیونکی کمان کی۔ اس خیال سے یہ اہم بحث پیدا ہوتی ہی کہ عام طور پر افسرونکی تعلیم کا جنگ کے لئے کیا انتظام کیا جائے اور تعلیمی غرض کے لئے مصنوعی جنگ کو کس حد تک تسلیم کیا جائے۔ پُرانے طریقہ کی تعلیم اور نئے زمانہ کی بدلی ہوئی حالتوں کا تخالف اس موقع پر بیّن فرق کے ساتھ پیش نظر ہوتا ہی۔

ہمارے اعلیٰ کمانیروں کا زیادہ حصّہ جنرل اسٹاف کے ہاتھ میں نکلتا ہی۔ اور کچھ فوجی درسگاہ میں تعلیم پاتے ہیں مگر جب یہ لوگ بڑے بڑے عہدوں پر پہنچتے ہیں تو اُن کی تعلیم پُرانی ہو جاتی ہی کیونکہ اسکول کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہی اسکی کمی صاف ذاتی مطالعہ سے ممکن ہی مگر اس کے لئے وقت ناکافی ہوتا ہی اور اکثر افسروں میں دلچسپی بھی نہیں ہوتی۔ افسرونکی کل طاقت سپاہ کے روزانہ فرایض کی تعلیم میں صرف ہو جاتی ہی ان کو اپنی باقاعدہ تعلیم سرگرمی سے جاری رکھنے کیلئے اس بات کی ضرورت ہی کہ انکے ارادہ میں مضبوطی ہو اور انکو محنت کی مشق ہو لیکن نتیجہ یہ ہی کہ نسبتاً بہت کم افسروں کو پورا علم ہوتا ہی اور ایسے افسر شاذ ہوتے ہیں جنکو جنگ کی حالتوں کا بڑے پیمانہ پر خیال ہو اور یہ خیال بھی اُن کے دماغ کا نکلا ہوا ہو۔ حقیقی جنگ میں اس سے بہت نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ تجربہ نے بتا دیا ہے کہ جنرل اسٹاف کے وہ افسر جو کمانیروں کے ساتھ ہوتے ہیں اس کمی کو پورا نہیں کر سکتے۔ جو کمانیر حالات کو خود نہیں سمجھ سکتا وہ اپنے ماتحتوں کا آلہ ہو جاتا ہی۔ وہ اپنے خیال میں کمان کرتا ہی مگر خود کمان کیا جاتا ہی۔ یہ حالت کسی طرح صحیح نہیں ہی۔ ہماری موجودہ مصنوعی جنگیں جیسا

پہلے بیان ہوچکا ہی ترکیبی معنی میں وقتاً فوقتاً افسروں کے لئے اسکول کا کام دیتی ہیں مگر ترکیبی نقطۂ خیال سے وہ آجکل کی ضروریات کے موافق نہیں ہیں۔ بالخصوص چھوٹی چھوٹی مصنوعی جنگوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آجکل کی جنگ کی نہایت اہم خصوصیت کیا ہے۔ یعنی ایک طرف تو بڑی بڑی فوجوں کا یکلخت اجتماع اور دوسری طرف جگہ کے اعتبار سے بروقت جوابی نقل وحرکات کا عدم امکان۔ چھوٹی چھوٹی مصنوعی جنگیں یقیناً بہت سے اعتبارات سے مفید ہیں۔ کمانیروں کو فیصلے کرنا اور احکام دینا آتا ہی اور یہی دو باتیں ضروری ہیں لیکن یہی نتائج بڑے پیمانہ کی مصنوعی جنگوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں جنسے موجودہ حالات جنگ کا بھی ایک حدتک سبق ملتا ہی بریگیڈ کی مصنوعی جنگوں کا تعلق خاصکر گذشتہ قرن سے ہی اور اُن سے محض غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اِنسے سپاہیوں کو صرا میں لڑنا سکھایا جاتا ہی جو فوجی قواعد کے میدانوں میں بھی آسکتا ہی۔ ڈویزن کی مصنوعی جنگیں پھر بھی کمانیروں کے کچھ کار آمد ہیں۔ ترکیبی سرداری کی اصولوں کی مثالیں اُن میں ملتی ہیں۔ مگر سب سے زیادہ سبق آموز مصنوعی جنگیں آرمی کور کی ہیں اس سے بھی زیادہ مفید اعلیٰ پیمانہ کی مصنوعی جنگیں ہیں جنمیں کئی آرمی کور ملے ہوتے ہیں بالخصوص اُس حالتمیں جب کام کرنے والی ڈویزنیں کل کا جز خیال کیجاتی ہیں اور ایک عظیم الشان عام اسکیم کے مطابق کام کرتی ہیں۔ مصنوعی جنگی تربیت میں بڑا اہم حالتوں کا پیدا کرنا ہی کیونکہ اسی صورت سے عام حالت اور شخصی ذمہ داری کے مجموعی بار کا پورا اثر صاف طور سے ظاہر ہوسکتا ہی۔ یہ نہایت بھاری بھر کم مصلحت ہی۔ حکام افسروں کو آجکل کی جنگ میں ممکن اور ناممکن کا صاف خیال ہونا چاہیئے تاکہ اہم موقعوں پر غور کرنے کی تعلیم ہو۔

ان خیالات سے جو ضروریات پیدا ہوتی ہیں یہ ہیں کہ چھوٹے پیمانہ کی مصنوعی جنگوں کو محدود کرکے اُنکی بجائے اعلیٰ پیمانہ پر ترکیبی مصنوعی جنگیں اختیار کیجائیں اور ادنیٰ فوجی کام اُڑا دیئے جائیں تاکہ جو بچت اس طرح پر ہو اُسکا روپیہ اعلیٰ پیمانہ کی جنگوں میں صرف کیا جائے اپنے کل وسائل کا ایک معیار رکھنا چاہیئے یعنی یہ کہ ان جنگوں سے ہماری فوج مکمل ہوجائے

اگر فوجی قواعد کا میدان وسیع کر دیا جائے تو بہت سا حصہ ڈویژنوں کی مصنوعی جنگوں کے کام کا اُن پر ہو سکتا ہے۔ اس تبدیلی سے جو روپیہ بچے وہ بڑی مصنوعی جنگوں میں لگایا جا سکتا ہے۔ ایک بات یقینی ہے وہ یہ کہ نظام جنگ مصنوعی کی ترقی کے لیئے اُسکی سابقہ غرض کیواسطے کوئی بڑی زوردار ترغیب ہونا چاہیئے۔ نظام اور عملدارمدین جنگیں بالکل جدید طرز پر ہوں مگر اس قسم کی تعلیم ایسے اعلیٰ اسپیانہ پر دینا کہ وہ تنہا بڑی جنگ کیلئے کارآمد کمانیروں کو تیار کردے بالکل ناممکن معلوم ہوتی ہے مصنوعی جنگوں کا پورا فائدہ جب ہی ظاہر ہو سکتا ہے کہ ہر درجہ کے افسروں کو جو اس کی تعلیم میں شریک ہوں پہلے سے پوری اصولی تعلیم دیجائے اعلیٰ افسروں میں اس ابتدائی تعلیم کا شوق پیدا کرنا اچھی تیاری جنگ کے بہت دشوار کاموں میں ہے۔ ان افسروں کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا فرض سوائے سپاہیونکی تعلیم کے کچھ نہیں ہے بلکہ اُن کو ہمیشہ اپنی اور اپنے ماتحتوں کی تعلیم کا جنگ میں کمان کے لئے خیال ہونا لازم ہے۔ بڑے پیمانہ پر ترکیبی جنگی کھیل آرمی کوروں میں کمانڈنگ جنرلوں کے زیر کمان اور فوجی معائنہ میں انسپکٹروں کے زیر کمان ہو سکتے ہیں اور انھیں ذرایع سے میرے نزدیک یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ بڑی کمانوں میں کل حکام افسروں کے کام پر اُنکی قابلیت کے معیار کے اعتبار سے نکتہ چینی ہونی چاہیئے۔ اس تعلیم کی کل باگ ڈور ہیں چیف جنرل آرمی اسٹاف کے ہاتھ میں ہونگی جو جنگی ترکیبوں کا ذمہ دار افسر ہے۔

اس بات کا فیصلہ کسی صورت میں کم وبیش اتفاق پر چھوڑنا کہ وہ لوگ جنکے ہاتھ میں بڑی کمانیں ہیں اُن اعلیٰ عہدوں کے قابل ہونگے ٹھیک نہیں۔ یہ بات کہ کوئی شخص ڈویژن کا محنت کش کمانیر ہے یا یہ کہ کمانڈنگ جنرل اپنے آرمی کوروں میں انتظام قایم رکھ سکتا ہے اس بات کا لازمی ثبوت نہیں ہے کہ وہ ایک فوج کا عمدہ سردار بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فوجی تاریخ میں اس کی بہت مثالیں ملیں گی۔

اسکے لیئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ جدید طریقۂ جنگ میں گشتی اور اخفائی سپاہیونکو

خاص تعلیم کی ضرورت ہی کل جنگی کارروائیونکے امکان اور کامیابی کا انحصار زیادہ تر اُنکی مستعدی پر ہی۔ میں سالہاسال سے بتارہا ہوں کہ اُن کے پیشے کے لئے رسالہ کے افسروں کو باقاعدہ تیار کرنا نہایت ضروری ہی اور میں پھر اس ضرورت کو ظاہر کرتا ہوں کہ رائڈنگ اسکولوں کو منظم کرکے اُن کو ایک باقاعدہ تعلیم گاہ بنایا جائے۔ میں ایک بار پھر گزارش کرتا ہوں کہ زیادہ تر فوج کے رسالے کی تعلیم فوجی قواعد کے میدان پر ڈویزن کے رسالہ کے کاموں سے ہونا ٹھیک نہیں ہی۔ یہ کام واقعی حالتوں کے موافق نہیں ہیں جیسا کہ ہر ایک رسالہ کے افسر کو معلوم ہوتا ہی جس کو قواعد کے میدان میں تعلیم پاکر مصنوعی جنگوں میں رسالہ کے ڈویزن کی کمان کرنا پڑتی ہی۔

جنگ میں مرکز اثر کا انحصار اسپر ہی کہ کارروائیوں کا رُخ ٹھیک ہو اور یہ کہ ترکیبی خودمختاری کو ہوشیاری سے مجموعی حملہ کی طرف منتقل کردیا جائے۔ رسالہ کی کمان میں جو دقت ہی وہ یہی ہی اور مثل باقاعدہ اخفائی و جاسوسانہ کاموں کے یہ کام بھی قواعد کے میدان میں نہیں آسکتا۔ قریبی دو ڈویزنوں کی لڑائی جسکی مشق قواعد کے میدان میں ہوتی ہے جنگ میں مشکل سے پیش آسکتی ہی موجودہ حالتوں پر نظر انصاف سے غور کیا جائیگا تو یہی نتائج پیدا ہونگے اور اس نصیحت پر عمل کرنے سے رسالہ بہت اچھی تیاری کرسکیگا۔

درحقیقت یہ عجیب بات ہی کہ توپ خانہ جو ہمیشہ اور فوجوں کے ساتھ ملکر کام کرتا ہی ہر سال مصنوعی جنگوں میں علحدہ رہتا ہی گویا کہ اُس کا بذات خود معرکہ پر کوئی اثر نہیں ہے اور فوجی رسالہ جو ہمیشہ میدان جنگ میں علحدہ کام کرتا ہی اُسکی تعلیم علحدہ نہیں ہوتی بلکہ وہ پلٹن کے ساتھ مشق کرتا ہی حالانکہ جنگ میں شاذ اسکی ضرورت ہوتی ہی۔ یہ تعلیم کا نہایت بے قاعدہ اور پرانا طریقہ ہی۔ رسالہ کی تعلیم کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہی وہ یہ ہیں۔ جاسوسی اور اخفائی ترکیبیں اور بڑے پیمانہ پر یورشیں کیجائیں۔ ہوائی بیڑے کی امداد بھی ایک اور کام ہی جب پروازیں اس قدر کامیابیاں ہوجائیں تو وہ فوجی نظام کا جز ہوجائے

ہوائی جہاز کے ڈویژن اور رسالہ کے ایک ہی کام ہیں اور ایک ہی کمان کے اندر ان دونوں کو ملکر کام کرنا چاہیئے بالخصوص روپوشی کے لئے جو نہایت ضروری ہے۔

سفرمینا کی پلٹن کی تعلیم کے قواعد جو حال کی ضرورتوں کے موافق ہیں جنرل وی ہیلرڈ نے بتلا دیئے ہیں جنگ مابعد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اس فوج کو اُس سے زیادہ ترقی دینے کی ضرورت ہے جو اس ممتاز افسر نے بنائی ہے۔

میدانی جنگ میں اس کا خاص کام یہ ہے کہ قلعہ بند جگہوں پر حملہ کی روک میں و نیز اس طرح کی اور جگہیں تیار کرنے میں پلٹن کی مدد کرے۔ مگر اس بارہ میں ترکیبی کارروائیوں پر عمل کرنا لازم ہے۔ کل تعلیم میں ترکیبوں کا خاص لحاظ رکھا جائے کیونکہ یہ خاص بات ہے محاصروں کے لئے سرنگ لگانے والوں کی تعلیم کیطرف بھی پوری توجہ کرنا چاہیئے کیونکہ بیرونی قلعوں کا جلد لے لینا اور اُن چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کرنا جو توپ خانہ کے لئے روک ہیں حملہ آور فوج کی خاص غرض ہوتی ہے۔

آرمی کور کے فرایض صاف ہیں۔ ان کو ایک تو اچھی طرح خبررسانی کا کام سکھانا چاہیئے بالخصوص تار کے کام اور یہ کہ وہ ہمیشہ ہوائی جہازوں کو مدد دینے میں مستعد رہیں دوسرے فوج کی ترکیبی صلاحیتوں کی دیکھ بھال کرنا اور انکو قایم رکھنا کیونکہ یہ بھی ضروری امور ہیں۔ نیز ریل کی سڑکوں کا جلد بنانا بالخصوص ملکی ریلوے اور تباہ شدہ لائنوں کو پھرتی سے مرمت کرنا۔ فوجی ریلوں پر آمدورفت کی حفاظت اور موٹروں سے مختلف قسم کے کام لینا یہ سب کام اس فوج کو سکھائے جائیں۔ کارروائیوں کے ضروری اصولوں کو پورے

طور سے جاننا اور اُنکا سمجھنا بھی انکے لئے لازمی ہے۔ ہر پیمانہ پر فوج کی نقل و حرکت کے قاعدوں اور نظام کے کام کی واقفیت سے ہی وہ اپنے مختلف اور ضروری فرایض سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ آرمی سروس کور کے افسروں کو فوجی سائنس کی پوری تعلیم دیجائے۔

ہر شاخ میں فوج کی دماغی حالت کو ترقی دینا اور اُس کے لئے ایسی تعلیم فراہم کرنا جس سے جنگ کے مختلف فرائض کے تعلقات قریبہ کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو ضروری ہے۔ یہ ادراک سرداروں اور فوج کے خاص افسروں کے لئے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اسکا اثر کل کور کے افسروں میں ہونا چاہیئے اور ایک حد تک نان کمیشنڈ افسروں میں بھی سپاہیوں کی اس تعلیم کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ اُستاد کی قابلیت جتنی زیادہ ہوگی اور جس قدر زیادہ وہ مضمون پر حاوی ہوگا اُتنا ہی طالبعلموں پر اُسکا زیادہ اثر ہوگا۔ جس قدر جلد اور کامیابی کے ساتھ وہ اپنے ماتحتوں کو سمجھاوے گا اُسی قدر زیادہ اُن کو اسپر بھروسہ ہوگا اور اسکا احترام کرینگے اور یہ بھروسہ اور احترام ہی کل ڈسپلن کی بنا ہے۔ جنگ اور عام مضامین کی تعلیم میں جو ذرائع ہمارے افسروں کی ترقی کے لئے کام میں لائے جائیں گے اُنکا کافی معاوضہ ہر عمل کے میدان میں اچھی خدمت سے ملے گا۔ دماغی ورزش سے دماغ اور خصائل درست ہوتے ہیں اور جنگ اور اُس کی ضرورتوں کے پوری طور پر سمجھنے سے ایک خاص فلسفیانہ دماغی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ افسروں کے کور میں اس اعلیٰ دماغی معیار کے پیدا کرنے کے لئے فوجی اسکول کے زمانہ سے ہی اس کوشش کا احساس ہونا چاہیئے اور اس کا اظہار فوجی تعلیم کے ایسے اسکول کے ذریعہ سے ہونا لازم ہے جو آجکل موجود نہیں ہے۔ ایسی تعلیم گاہ قایم کرنے کا شارن ہورسٹ

نے خیال کیا تھا۔ آجکل اُس نے جرمن اسٹاف کی تیاری کے اسکول کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اُس کی سابقہ اہمیت کی نشانی صرف تعلیم تاریخ وریاضی رہگئی ہے۔ فوجی تاریخی تعلیم میں سائنس کا بالکل لحاظ نہیں کیا گیا اور زیادہ تر اُس کا انحصار ترکیبوں پر رہگیا ہے۔ اس صورت سے فوجی تاریخ کی تعلیم کے معنی بعید از فہم ہوگئے۔ اور آجکل بھی جہانتک مجھے علم ہے فوجی تواریخ کے لیکچروں کا منشا زیادہ تر پیشہ وری کی تعلیم ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ زبان کی تعلیم سے السنہ غیر کی اسپرٹ کیسے آجاتی ہے۔ بہرحال اُس کی معراج ترجمانی قابلیت کا امتحان ہے اوراس صورت سے اُس کی غرض عملی ہی۔ افسران جنرل اسٹاف کے لئے ایک خاص پیشہ ورانہ تعلیم کی موجودہ صورتوں میں ضرورت ہے۔ میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ اسکول کی وسیع اور درسی نوعیت کے محدود کرنے کی اس وجہ سے ضرورت تھی بہرصورت اس زمانہ کی فوج میں ہمکو ایسی درسگاہ رکھنا چاہیئے جس میں اعلیٰ نقطۂ خیال سے فوجی سائنس کی تعلیم کا افراد کو موقع ملے اورعلاوہ بریں اُس میں وسیع عام تعلیم بھی ہو۔ میرے خیال میں فوجی درسگاہ بڑھاکر ایسی تعلیم گاہ بنائی جاسکتی ہے بغیراسکے کہ جنرل اسٹاف کے افسروں کی جنگی تیاری کو ترک کیا جائے۔ فوجی سائنس کے ساتھ ساتھ جنگی بعض شاخیں محدود کردیجائیں عام سائنس کے مضامین کے لکچرونکا انتظام کیا جائے اوران لکچروں میں داخلہ عام ہو۔ ایسے لکچروں میں فوجی فلسفہ کے نقطۂ خیال سے فوجی مسائل پر بحث کیجائے اورسامعین کو جنگ کی معقولیت اسکے تعلقات بہ سیاسیات۔ مادی وغالب اثرات کی امداد۔ آزاد شخصیت کی اہمیت صاف متضاد صورتوں سخت مخالفتوں اور نیز اعلیٰ نقطۂ خیال سے فرایض کمانڈر پر کچھ بصارت ہوسکتی ہے۔ لازمی مضامین کا حصر اور اجتماع جنگی ترتیب تعلیمی

قاعدہ سے اب تین سالہ نصاب سے کی گئی ہے اور عام تعلیمی مضامین پر مفت لکچروں کا انتظام نہ صرف افسران جنرل اسٹاف کے لئے بلکہ اُن لوگوں کی تربیت کے لئے بھی جو اعلیٰ فوجی یا سول فرایض انجام دیسکتے ہیں ضروری ہے اور یہی ایک اعلیٰ ترین جرمن فوجی کالج کے لئے شایاں ہے۔

باب دوازدہم

بحری جنگ کی تیاریاں

یہ مفخرانہ قول کہ "جرمنی کا مستقبل سمندر پر ہے" بڑی صداقت سے مملو ہے۔ اگر اہل جرمنی ممتاز مستقبل اور اپنے تہذیبی مشن کی تکمیل کے متمنی ہیں تو اُن کو عالمگیر پالیسی اختیار کرنا، اور دولت عالم کی حیثیت سے عمل کرنا واجب ہے۔ یہ اہم کام صرف جب ہی پورا ہوسکتا ہے کہ اُن کی کمک کے لئے کافی بحری قوت ہو۔ ہمارا بیڑہ کم از کم اتنا زبردست ہونا چاہیے کہ زبردست سے زبردست دشمن کے لئے ایسے خطرات پیدا کر دے کہ نقصانات سے جن کی توقع کی جاتی ہے اُس کی عالمگیر قوت خدشہ میں پڑ جائے۔

کسی دوسری جگہ ثابت ہوچکا ہے ہم اپنی فوجوں کو عالمگیر پالیسی کے لئے بلا وسواس خطرہ میں ڈال سکتے ہیں۔ بشرطیکہ براعظم یورپ میں ہماری فوقیت ایسی مضبوطی سے قائم ہوجائے کہ اُس کو لغزش نہ ہوسکے۔ اس منزل مقصود پر ہم گو ابھی تک نہیں پہنچے ہیں لیکن یہ ہمارا اعلیٰ ترین مقصد ہونا چاہیے۔ اس وقت بذریعہ سمندر ہم کو ایسی قوت بھی پیدا کرنا لازم ہے جو ہمارے دعووں کے لئے کافی ہو۔ براعظمی حالت کے پورے تحفظ کے لئے ایک تو ہمیں اسبات کی ناگزیر ضرورت ہے کہ اپنے سواحل کی حفاظت کریں اور بحری حملوں کو روکیں۔ دوسرے ہم کو

اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ اگر وقت آجائے تو بذریعہ ہتھیاروں کے بھی سمندروں کی آزادی کا تحفظ کر سکیں۔ کیونکہ ہماری رعایا کی بسر اوقات درآمدال پر ہے۔ جس کے لئے بڑی برآمدی تجارت کی ضرورت ہے۔ جرمنی کی سیاسی عظمت کا انحصار زیادہ تر شاداب تجارتی معاشرت و بحری تجارت پر ہے۔ لہذا ہمیشہ ہماری کل بحری تعمیرات کا مقصد بحری آزادی کا قیام ہونا چاہیئے۔ ہماری کوششوں کا رُخ محض مخاصمانہ حملوں کی ضروری پسپائی نہو۔ ہم کو بلند خیال کا ادراک ہونا لازم ہے۔ یعنی یہ کہ ہماری تمنا عالمگیر پالسی پر چلنا ہے اور یہ کہ ہماری بحری قوت آخر کار اسی پالسی کی پشت و پناہ ہوگی۔

بدقسمتی سے شروع ہی میں ہمارا یہ خیال نہیں ہوا جب ہم نے پہلے کھلے سمندر میں آنیکی ہمت کی تھی۔ محدود اور ناکافی مقاصد کے حاصل کرنے میں ہم نے بہت سا اپنا قیمتی وقت ضائع کیا۔ شاہنشاہ ولیم دوم کے لئے یہ کام ودیعت کیا گیا تھا، اُس نے اس مسئلہ کو تاریخی نظر سے دیکھا اور اسی کے مطابق عمل بھی کیا۔ اس لئے ہماری تمام شروع کی بحری کوششوں کو بیکار سمجھنا چاہیئے۔

ہم کئی سال سے ایک بیڑے کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ ہماری پالسی مختلف خیالات پر چلی ہے۔ سب سے پہلا بحری ایکٹ جو ۱۹۰۰ء میں پاس ہوا اور اس کے بعد قوانین ضمیمہ ۱۹۰۶ء و نیز قواعد متعلقہ جہازات ۱۹۰۸ء کی رو سے ایک صاف او معین پروگرام ہمارے بیڑے کے لئے بن گیا۔ لیکن اس مضمون پر ابھی تک آخری فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ آئندہ کی ضروریات اس کا فیصلہ کرینگی۔ کیونکہ سلطنت کی ضرورت کے لئے بحری افواج کا کوئی خاص معیار نہیں ہو سکتا۔ اس کا انحصار مطالبات پیش کردہ اور دیگر اقوام کی افواج پر ہے۔ ابتدأ ہماری غرض سمندر پر اپنا پھریرہ اُڑانا تھا اور اُن سواحل پر جہاں ہم تجارت کرتے تھے۔ بیڑے کا پہلا فرض تجارت کی حفاظت تھا۔ جب اس کے لئے بڑے صرف کی ضرورت ہوئی تو ایک فریق نے اس کی مخالفت کی۔ اس کا خیال تھا کہ جرمنی کے لئے بیڑا محض فضول چیز ہی نہیں بلکہ حقیقتاً

خطرناک ہے۔ اس فریق نے گورنمنٹ کی تجاویز پر اعتراض کیا اور ان کو حدود جائز سے خارج
قرار دیا۔ ایک اور فریق تھا جس نے ساحلی حفاظت کے لئے صرف معمولی اسکیم پر قناعت کی
اور یہ سمجھا کہ اگر ساحل کے بڑے بڑے مقامات کی توپ خانہ سے حفاظت کی جائے اور کئی
چھوٹے چھوٹے بیڑے توپوں کی کشتیوں کے مختلف مقامات پر لگا دیئے جائیں تو مقصد برآری
کے لئے کافی ہے۔

یہ خیال عرصہ دراز تک قائم نہیں رہا۔ کل زیرک لوگوں کا اس ضرورت پر یقین تھا کہ
کہ حملہ آور رقیب کا کھلے سمندر میں مقابلہ کر کے اس کو بھگا دیا جائے۔ اس کے لئے زرہ پوشوں کی
ضرورت کا احساس ہوا تھا کیونکہ حملہ آور کے یہ قابو میں ہونگے۔ مگر یہ خیال تھا کہ اس پالسی کا
عملدرآمد نامکمل تدابیر سے ممکن ہے۔ آس فال کو روٹن
کی منظوری دی گئی۔ مگر اس بات پر زور دیا گیا کہ بڑی بحری افواج سے ہم کو مقابلہ کی خواہش
نہ کرنا چاہئے اور ہم صرف دوسرے درجہ کے بیڑے پر قناعت کریں۔ اس خیال کی ناپائداری
بہت جلد ظاہر ہوگئی اور خیالات میں ایک اور لہر پیدا ہوئی جس کے طرفداروں نے اس
رائے کی تائید کی کہ اگر بجائے قیمتی زرہ پوشوں کے بہت سی تباہ کن کشتیاں بنائی جائیں
تو زرہ پوش فضول چیز ثابت ہو سکتے ہیں۔ گو ان کی جنگی حیثیت کم ہو مگر یہ زبردست سے
زبردست زرہ پوش پر اچھے نشانے کے تارپیڈو سے حملہ کر سکتی ہیں۔ اس خیال کی غلطی
جلد ظاہر ہوگئی۔

جرمنی جیسی سلطنت کا ملک جس کا انحصار وسیع خارجی تجارت پر ہے اور جس سے بوجہ
اس کی سیاسی و تجارتی کامیابی کے ہر جگہ نفرت کی جاتی ہے ناممکن ہے کہ بحر اور ساحل پر
زبردست فوج نہ رکھے۔ آخر کار ایک ایسا خیال قائم ہوگیا جو اصلی ضرورتوں کے موافق تھا۔
ان کوششوں میں جو ہم نے بحری فوج کے مسئلہ کو کم خرچ سے حل کرنے کی کیں ہمارا بہت سا
روپیہ اور وقت صرف ہوگیا۔ لہٰذا اب دراں حالیکہ ہم بر دنیا کی تاریخ میں سخت نازک وقت ہے

گزشتہ موقعوں کی تلافی کے لئے ہم کو اپنا پورا زور لگا دینا چاہیئے اور علاوہ کافی شاہی محافظت کے ہم کو ایک قوی جنگی جہازوں کا بیڑا تیار کرنا لازم ہے۔ اب آخرکار ہم کو معلوم ہوا کہ ہمارے بیڑے کی غرض محض ہماری تجارت اور ساحل ہی کا تحفظ نہیں بلکہ وہ مثل بری فوج کے سلطنت کے سیاسی اغراض کے پورا کرنے اور اس کے جائز حوصلوں کو مددپہنچانے کا ایک آلہ ہے۔ تجارت کے تحفظ اور ساحلی دفاع کے متعلق لڑائی چون وچرا ہو ہی نہیں سکتی۔ ایام امن میں تو چند کروز تجارت کی محافظت کے واسطے کافی ہیں مگر جنگ کے زمانہ میں اس کے تحفظ کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ مخالف بیڑے کو شکست دی جائے اور تباہ کیا جائے۔ کل تجارتی رستوں کی حفاظت براہ راست ظاہرا ناممکن ہے۔ تجارت کا تحفظ بالواسطہ دشمن کی شکست سے ممکن ہے۔ ساحل کے تحفظ میں بلا حملے کے مستقل کامیابی نہیں ہوسکتی اس کو جنگ امریکہ نے اچھی طرح ثابت کردیا ہے۔ لہذا ہمارے بیڑے کی غرض اپنے ممکن بحری رقیبوں کو شکست دینا اور ان کو مجبور کرکے معاہدت کرانا ہے۔ ایسے معاہدات جن سے ہمارے تجارتی جہازوں کو آزادی کے ساتھ تجارت کرنے کا موقع ملے اور نوآبادیوں کی حفاظت ہوسکے۔ لہذا یہ غلط خیال ہے کہ ہمارا بیڑہ محض تحفظ کے لئے ہے اور وہ اس خیال سے تیار کیا جائے۔ اس کی غرض ہماری سیاسی ضرورتیں پوری کرنا ہے۔ لہذا وہ اس قابل ہو کہ سیاسی ضرورتوں کے موقع پر کام دے سکے۔ نیز حملے کے وقت حملہ آوری میں جب سیاسی حالت اس کی مقتضی ہو اور حملے سے کامیابی کی توقع پائی جاتی ہو۔ اور دفاع میں جب یہ خیال ہو کہ اس طریقے سے زیادہ فوائد حاصل ہوسکتے ہیں وہ ہمارے لئے مفید ہوسکے۔ آجکل دول عظمیٰ کی گروہ بندی سے سمندر میں ترکیبی حملہ آوری ناممکن ہوگئی ہے۔ مگر ہم کو آئندہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور اس وقت ایسے واقعات پیش آنا ممکن ہیں۔ جن سے بڑے پیمانہ پر حملہ آورانہ بحری جنگ ممکن ہوسکے۔

جس قوت کا ہم اپنے بیڑے کو بنانا چاہتے ہیں اس کا اندازہ جنگ کے فرائض کے اعتبار سے لازم ہے۔ ہم کو صرف ان مخاصمین کا خیال نہ کرنا چاہیئے جو اس وقت ہم سے کمزور ہیں

بلکہ اوّل اُن کا بھی جو زبردست ہیں۔ لیکن اگر کل صورتوں میں اُن کی جانب سے جنگ کا احتمال نہ ہو تو یہ اور بات ہے۔ مگر ہر حالت میں ہمارا بیڑا اس قدر زبردست ہو کہ زبردست سے زبردست دشمن ہم پر حملہ کرنے سے جھجکے۔ اگر ہم پر حملہ آوری کا ارادہ کرے تو کم سے کم ہم کو کامیابی کے ساتھ اُس کا حملہ پسپا کرنے کا موقع ہو۔ یا دیگر الفاظ میں ہم دشمن کو ایسا بھاری نقصان پہنچائیں کہ وہ آخر تک جنگ نہ کر سکے۔ اور ان نقصانات کے سامنے ٹھہرنے سے اُس کی حالت خطرہ میں پڑ جائے۔

بحری فرض کا یہ تصور ہمارے خیال کو اس طرف رجوع کرتا ہے کہ انگلستان کا بیڑا ہمارے لئے معیار ہو۔ جس سے ہم کو اپنی تیاریوں کا اندازہ کرنا چاہئے۔ غالباً سب سے پہلے بحری جنگ ہم کو انگلستان سے لڑنا پڑیگی۔ انگریزی حملہ کی فیروزمندانہ پسپائی ہماری بحری تیاریوں کا دستورالعمل ہونا چاہئے۔ اور اگر انگریز مسلسل اپنے بیڑے کو بڑھاتے رہیں تو ہمیں بھی لامحالہ اسی راستہ پر چلنا لازم ہے۔ حتیٰ کہ موجودہ بحری تخمینوں کے حدود کے آگے ہمیں رہنا چاہئے۔ مگر ہمیں یہ بات نہ بھولنا چاہئے کہ فائق انگریزی بیڑے پر ہم بہت سالوں تک کھلے سمندر میں حملہ کرنے کے قابل نہونگے۔ بیڑے کے ساتھ ساحلی قلعوں۔ ہوائی بیڑے اور تجارتی جنگ کی مدد سے ہم اس زبردست ترین دشمن کے مقابلہ میں صرف کامیابی کے ساتھ اپنا تحفظ کرنے کی اُمید کر سکتے ہیں جیسا کہ بحری جنگ مابعد کے باب میں ظاہر کیا گیا ہے۔ محاصرہ کی کارروائی سے دشمن کو خستہ اور پسپا کر دینا چاہئے اور اُن کل ترکیبوں کے خلاف جنگ کرنے سے جو ہم اپنے تحفظ ساحل کے لئے کام میں لائینگے۔ اِن ترکیبوں کی حفاظت میں ہمارا بیڑا اُس کو متواتر خفیف نقصانات پہنچاتا رہے گا اور اس صورت سے بتدریج کھلے سمندر میں اُس سے ہم جمی ہوئی لڑائی لڑ سکیں گے۔ ان قواعد پر ہماری جنگی تیاریاں ہونی چاہئیں۔ اس قسم کی جنگ کے لئے ضروری ابتدائی شرط یہ ہے کہ ایک مضبوط ساحلی قلعہ بطور مرکز کے بیڑے کے لئے ہو۔ جس سے کہ وہ جب موقع آئے حملہ آورانہ حیثیت اختیار کر سکے اور جس پر مخالف

فوقیت کا کوئی اثر نہ پڑے۔ بغیر ایسے قابل اعتماد ساحلی قلعہ کے جو حملہ آورانہ کارروائیوں کے لئے بنایا گیا ہو دشمن ہمارے بیڑے کا پورا محاصرہ کرسکتا اور ہم کو حملہ آورانہ نقل وحرکت سے باز رکھ سکتا ہے۔ صرف سرنگوں سے جہاز رانی کی ایسی کافی روک نہیں ہوسکتی کہ دشمن جیرہ میں داخل نہ ہوسکے۔ نہ اُن کی وجہ سے اتنی آزادی حاصل ہوتی ہے کہ کل صورتوں میں حملہ آورانہ حیثیت اختیار کی جاسکے۔ اس غرض کے لئے مستقل عمارتوں کی ضرورت ہے جو جہاز رانی پر حاوی ہوں، اور جن سے سرنگیں بچھانا ممکن ہوسکے۔

میں اطمینان کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا ساحلی تحفظ جس کا مرکز بحر شمالی میں ہیلی گولینڈ پورکم پر ہے۔ ان ضرورتوں کے لیے کافی ہے اگر وہ نہیں ہے تو ہمارا پہلا اہم فرض یہ ہے کہ موجودہ خلوں کو پُر کریں۔ تاکہ ہماری کارروائیوں کے لئے قابل اطمینان مرکز بنجائے۔ یہ ایسا قومی فرض ہے جس سے انحراف کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ اُس کے لئے بڑی قربانیاں درکار ہیں۔ حتیٰ کہ بیڑے کی ترقی باوجود اہم ہونے کے اس فرض کی ضرورت کے سامنے ہیچ ہے۔ کیونکہ صرف اسی کا عامل انگریزی بیڑے کے مقابلہ میں جس سے کامیابی کی اُمید ہوسکتی ہے ایسے قلعہ کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ مگر اس مسئلہ پر اور اعتبار سے بھی نظر ڈالنا چاہیئے۔

مراکش کی بات چیت نے ۱۹۱۱ء میں انگلستان کی دشمنی کو ہمارے ساتھ صاف ظاہر کردیا۔ اُس سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ انگلستان نے جرمنی کی قوت کی ہر حقیقی توسیع کے بذریعہ زور روکنے کا پورا ارادہ کرلیا ہے۔ صرف انگلستان کے دخل دینے کے خوف سے ہم نے مراکش میں اپنے اغراض کے دائرہ کا دعویٰ نہ کیا اور باایں ہمہ جب شمالی افریقہ میں ہم نے اپنے یقینی حقوق کے جتلانے کی کوشش کی تو مختلف انگریزی مدبرین کی دھمکیاں سننا پڑیں۔

اگر اس برتاؤ پر انگلستان کی جنگی تیاریوں کے اعتبار سے غور کریں تو اس میں کوئی شک نہیں معلوم ہوتا کہ انگلستان کا دل سے خیال ہے کہ جب موقع آئے جرمنی پر حملہ آور ہو

بحر شمالی میں بحری افواج کا اجتماع۔ سرگرم تیزی کے ساتھ انگریزی بیڑے کا اضافہ۔ تازہ اسٹیشنوں کی تعمیر جو کھلم کھلا جرمنی سے جنگ کے لئے ہے اس پر دال ہے۔ جرمن ساحلوں پر انگریزی جاسوسی۔ ہمارے خلاف اتحادی جمع کرنے اور ہم کو یورپ میں سب سے الگ کرنیکی متواتر کوشش یہ سب باتیں حملہ آورانہ جنگ کا یقین دلاتی ہیں۔ بہر صورت انگلستان کی یہ تیاریاں محض دفاعی اور تحفظانہ تدابیر نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ انگریزی گورنمنٹ یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ جرمنی انگلستان پر حملہ نہیں کرسکتا۔ یہ کوشش ابتدا ہی سے بلاکسی غرض کے ہوگی۔ چونکہ جرمنی کی بحری قوت کی تباہی انگلستان کے اغراض اور سلطنت عالم کی ترکیبوں میں مضمر ہے۔ ہم کم از کم انگلستان کے حملے کا قیاس تو کرسکتے ہیں۔ ہم کو یہ بات صاف طور سے سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم اس حملہ کو اپنے حسب خواہش ملتوی نہیں کرسکتے۔ میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ جو طرز اٹلی نے حال میں اختیار کیا ہے اس سے ایک یورپین نازک موقع جلد پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہم کو تیار رہنا چاہیئے کہ انگلستان ہمارے اوپر جلد کسی نہ کسی بہانہ سے حملہ کریگا۔ پیشتر اس سے کہ توازن قوت جو انگلستان کے نہایت موافق ہے اس کے خلاف ہوجاوے۔ بالخصوص جب اتحادی فرقہ کے ہاتھ میں عنان حکومت آگئی تو ایک قوی شاہی پالسی اختیار کی جائیگی جس سے باسانی جنگ ممکن ہے۔

ان صورتوں میں ہم اپنی بحری فوج اور ساحلی تحفظات کا انتظام فرصت سے امن کے زمانہ میں اصولوں کے موافق مکمل نہیں کرسکتے۔ برخلاف ازیں اپنے بیڑے کی توسیع مع ساحلی استحکامات کے عمل میں لانے اور ممکن ہو تو بڑھانے کے لئے اپنے مالی وسائل سے ہم کو پورا کام لینا چاہیئے۔ اگر اور وسائل ممکن نہوں تو ان صورتوں میں قرض لینا بھی جائز ہوگا کیونکہ اس معاملہ میں نہایت اہم مسائل کی بازی لگی ہے۔ ایسے مسائل جن پر ہستی کا دارومدار ہے۔ ذرا اس لامتناہی مصیبت کا تصور ہی کرو جو ہماری بحری تجارت کی طویل بربادی سے کل قوم پر اور بالخصوص حرفتی طبقات پر نازل ہوگی جن کی معاش کا انحصار برآمدمال پر ہے۔

یہ خیال ہی بذات خود اس کامل ضرورت کے لئے کافی ہے کہ ہماری بحری فوج مع ساحلی تحفظات
کے اتنی مستحکم کی جاوے کہ ہم مساویت کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ کی توقع کر سکیں۔ حتی کہ یہ خیال
کہ شاید فوراً ان جہازوں کے واسطے جو تیار ہو رہے ہیں ہم کو اتنے آدمی نہیں مل سکتے۔ ہمارے
جہازی کارخانوں کے لئے روک نہونا چاہئے کیونکہ یہ جہاز تباہ شدہ جہازوں کے بجاے
کام دیسکتے ہیں۔

نہر قیصر ولیم کا کام جلد ختم ہو جانا چاہئے تاکہ ہمارے بڑے سے بڑے جنگی جہاز اچانک
بحر بالٹک اور بحر شمال میں آسکیں۔ مگر یہ نہر کل جنگی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ امر
غور طلب ہے کہ درمیان دریاے انگس ( ) خلیج جاہڈ ( )
و دریاے آلیب ( ) بذریعہ نہر کے ایک محفوظ سلسلہ قائم کیا جائے۔ جس سے
ہمارے بیڑے کو مرکزی اجتماع کے زیادہ موقع مل سکیں۔ یہ تینوں دریا بحر شمالی کا چور دروازہ
ہیں اور اگر ہمارے جنگی جہاز یکایک نکل کر ان تینوں مقامات پر اکٹھے ہو سکیں تو یہ بہت
مفید ہوگا۔ میں اس اسکیم کے امکان کے متعلق کوئی رائے نہیں دیسکتا۔ اگر یہ ممکن ہو تو اسکے
لئے کوئی قربانیاں اٹھا نہ رکھی جائیں۔ ایسی نہر انتہا درجہ کار آمد ہوگی کیونکہ ہماری کامیابی کی
امید اسی میں ہے کہ مسلسل اچانک حملوں سے دشمن کے زوروں کو توڑ سکیں اور اسکو بھاری
بھاری نقصانات پہنچانے کا موقع حاصل کر سکیں۔

خود بیڑے کی ترقی کے متعلق یہ ہے کہ ہمکو بیڑے کی تکمیل جلد سے جلد کرنا چاہئے جس میں
جنگی جہازات اور اس کے ساتھ بڑے معاون کروزر ہوں۔ ہمارے بیڑے کی قوت تعداد
جہازات کے اعتبار سے کم ہے اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں جنگی پانچ جہاز از قسم
قیصر بالکل متروک ہیں۔ اور جہازات از قسم وٹلزباس ( ) کی
بھاری سے بھاری توپیں صرف ۲۴ سینٹیمیٹر کی ہیں جو آجکل کی بحری جنگ کے لئے کافی
نہیں۔ بڑے کروزروں کی حالت اور بھی خراب ہے۔ پانچ جہاز از قسم ہشاد ( )

لڑائی کے قابل نہیں ہیں۔ تین بڑے کروزر از قسم پرنس ( ) ایڈلبرٹ
( ) فریڈیرچ کارل ( ) ہین پچ
کی نہ تو رفتار ہی ہے۔ نہ مار۔ نہ فوج نہ زرہ پوشی۔ حتیٰ کہ زرہ پوش کروزر فورسٹ بسمارک
( ) ہینسینا ( ) یارک ( ) رون
( ) کسی طرح ( ) اور شارن ہورسٹ ( )
حال کی ضرورتوں کے موافق نہیں ہیں۔ اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ حقیقتاً جنگ کے لئے تیار رہیں
تو جتنا وقت تیاری جہاز کے لئے دیا گیا ہے اُس سے کم میں جہاز بنالیں اور جس قدر جلد ممکن ہو
بجائے ان نو بڑے کروزروں اور پانچ محض بیکار جنگی جہازوں کے نئے اور کار آمد جہاز
تیار کریں۔

ہر شخص جس کو خیال ہے کہ گرجتے ہوئے بادل سیاسی افق پر امنڈتے چلے آرہے ہیں۔
اس ضرورت کو تسلیم کرے گا۔ انگریزوں کے اعتراض و غیض و غضب کا کچھ خیال نہ کیا جائے۔
اپنے ملک کا خیال کل سیاسی و مالی خیالات سے بالاتر ہونا ہو چاہئے۔ نئے نمونے کے جہاز بنائے
جائیں۔ جو انگریزوں کے جہازوں سے رفتار اور جنگی اوصاف میں بہتر ہوں لیکن یہ کوئی آسان
کام نہیں ہے۔ کیونکہ جدید انگریزی جنگی جہازات کمال کے بڑے مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں اور یہی حال
تازہ ترین انگریزی کروزروں کا ہے جو جنگی اوصاف کے اعتبار سے خاص جنگی جہازوں سے
کسی طرح کم نہیں ہیں۔

اگر جدا جدا جہازوں کے مقابلہ میں ہمارے پاس بہتر جہاز ہونگے تو ان جہاز کے ذریعے
و نیز مستعدی جنگ کی مدد سے ہم نہایت ضروری کام کرسکیں گے۔ چونکہ کرپ ( )
کی توپوں کو انگریزی بھاری بحری توپوں پر کسی قدر فوقیت ہے ہم اپنے جہازوں کو بہتر حملہ
آورانہ قوت سے مسلح کرسکتے ہیں۔ زیادہ زبردست توپ خانہ کامیابی کے لئے جزو اعظم ہے اور
یہ کامیابی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ جس قدر کہ توپ خانہ جہاز پر اس طریقے سے تقسیم کیا جاتا ہے

کہ کل توپیں ایک ہی وقت میں دائیں بائیں یا بالکل سامنے چلائی جائیں۔

علاوہ خاص جنگی بیڑے کے تارپیڈو کشتیاں بھی ترکیبی حملہ اور دفاع میں بڑا کام کرتی ہیں۔ لہذا انگلستان کی اعلیٰ فوقیت پر بلحاظ کرکے تارپیڈو کے بیڑے کی طرف خاص توجہ لازم ہے۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ باعتبار تعلیم اس میں ہم کو حقیقی فوقیت حاصل ہے۔ عملہ کے معیار تعلیم اور ترکیب کی خوبی کی وجہ سے ہم دیگر بحری فوجوں کے مقابلہ میں افضل ہیں۔ بالخصوص تارپیڈو کے لحاظ سے ہمیں یہ حالت قائم رکھنا چاہیئے۔ تارپیڈو میں جیسا اخباروں سے معلوم ہوتا ہے اور قومیں بھی ہمارا دور مارنے کی کوشش میں مقابلہ کر رہی ہیں۔ ہم کو آبدوز کشتیوں کی طرف بھی پوری توجہ کرنا لازم ہے اور حملہ کے لئے ان کو زیادہ پُر اثر بنایا جائے۔ اگر بحری فوج کی اس شاخ میں ترقی ہوگی جس سے ہر طرح کی فوجی ضرورتیں پوری اور اس کی مار اور رفتار مع بحری قابلیت کے بڑھ جائیگی تو ان جہازوں کے ذریعہ سے ہمارے ساحل کے تحفظ اور دشمن کے اسکوڈرنوں پر اچانک حملہ کرنے کے متعلق بڑے کارآمد نتائج برآمد ہونگے۔ اس میدان میں برتری قابلیت ہمارے لئے نہایت ہی مفید ہوگی۔

آخر میں ہم کو سرگرمی کے ساتھ ہوابازی کی طرف بحری اغراض کے لئے متوجہ ہونا چاہیئے اگر ایسے ہوائی جہاز اور آلات پرواز بن جائیں جو جنگ میں خراب موسم میں حملہ آورانہ اغراض کے لئے پورا کام دیں۔ تو اس سے بیڑے کو نہایت ضروری مدد ملیگی۔ اس حال میں ہوائی بیڑہ کے ذریعہ سے جیسا باب ششم میں بیان ہوا ہے صحیح خبریں ملینگی اور جنگی بیڑے یا تارپیڈو بیڑے کے باموقع حملہ کے لئے جاسوسی ہو سکیگی اور جب دشمن زیادہ تعداد میں آجائے گا تو اس کی وقت پر اطلاع مل سکیگی۔ وہ دشمن کے ہوائی جہازوں کو گشت سے بھی باز رکھے گا۔ اور اس طرح اچانک حملوں میں سہولت ہو جائیگی۔ اور جو حملے بحری گوداموں اور جہازوں کے بڑے مرکزوں پر ہونگے ان کو یا تو پسپا کرے گا یا ہونے دیگا۔ اگر ہمارے ہوائی جہازوں میں اس قدر ترقی ہو جائے کہ یہی حملہ کر سکیں اور انگریزی سواحل پر خوف اور بربادی پھیلا سکیں تو ان سے ہمارے بیڑے

کو فائق فوج کے مقابلہ میں اور بھی مدد ملیگی۔ اس میں شک نہیں کہ فوجی ترقیوں سے یہ کام جلد ممکن ہو سکیں گے۔ انگریزوں پر ہوائی بیڑہ کی مسلمہ فوقیت دونوں بحری افواج کی نابرابری کے برابر کرنے میں بہ زمانۂ جنگ بہت مدد دیگی۔ اس میدان میں فضلیت حاصل کرنا بہت ممکن ہے کیونکہ ہمارے آیندہ دشمنوں کو اس میں فوقیت نہیں ہے اور ہم مساوی حیثیت سے فتح کے لئے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ علاوہ دشمن کے جنگی بیڑے کے خلاف کوششوں کے تجارت کے خلاف بھی جنگ کی تیاریاں امن کے زمانہ میں غور سے کرنا چاہئیں۔ یہ تیاریاں انگلستان کے خلاف جنگ میں خاص طور سے کامیاب ہونگی کیونکہ اس ملک کو بہ مقابلہ کسی اور کے درآمد مال کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس لئے اگر دشمن کی تجارت اور جہاز رانی کے پریشان کرنے میں کامیابی ہوئی تو اُس سے اچھے نتایج نکلینگے۔ اس مہم کی دقتوں پر کسی پہلے باب میں بحث ہو چکی ہے۔ تیاریاں اس طریقے سے ہوں کہ تیز رفتار جہاز جو تجارتی جنگ کے لئے مخصوص کئے جائیں اپنے مقام پر قبل اس کے کہ دشمن ہمارے بندرگاہوں کا رستہ بند کرے پہنچ جائیں۔ مُعادن کروزر امن کے زمانہ میں اس طرح مسلح کئے جائیں کہ بیچ سمندر میں ہوں تو آناً فاناً بے تار کی تار برقی کے حکم پر جنگی جہاز بن جائیں۔

بحری فوج کے لئے تیز موبلائسزیشن بہت ضروری ہے کیونکہ ہم کو ہر وقت حتیٰ کہ امن کے زمانہ میں اچانک حملہ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس بارہ میں ہم انگلستان سے کیا توقع کرسکتے ہیں اس کا حال تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

امن کے زمانہ میں اُنھوں نے کوپن ہیگن (۲ ستمبر سے ۵ ستمبر ۱۸۰۷ء) تک گولا باری کی اور ہالینڈ کے بیڑے کو تباہ کردیا۔ چار سو مکانات جلا دیئے ۲ ہزار تباہ کر دیئے اور تین ہزار نہ لڑنے والے بے گناہ باشندے مار ڈالے۔ اگر کوئی عذر جواز بھی اس قزاقانہ طرز عمل یا نپولین کے بے رحمانہ افعال کا پیش بھی کیا جائے تو بھی اس واقعہ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بحری اقتدار کے خطرہ میں پڑنے سے وہ کیا کچھ کرسکتا ہے (۱۱ جولائی ۱۸۸۲ء)

کو امن کے زمانہ میں انگریزوں نے اسکندریہ پر گولہ باری کی اور مصر پر اس بہانہ سے قبضہ کیا کہ عربی باشا نے باشندگان ممالک غیر کے قتل کا حکم دیدیا ہے۔ ان تواریخی واقعات کے الفاظ صاف ہیں ان کو بھولنا نہ چاہیے۔

روسی جاپانی جنگ بھی اس بات کے لئے تنبیہ ہے کہ جنگ کس طرح شروع ہوتی ہے یہی حال اٹلی کے سیاسی وفوجی حملہ کا ٹرکی پر ہے۔ ٹرکی جنگی جہازوں پر جن کو جنگ کا گمان تک نہ تھا حملہ کیا گیا اور اُن کو گرفتار کر لیا گیا۔

اب ان صورتوں کے لحاظ سے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جو طریقہ جاپان اور اٹلی نے معرکہ کے آغاز کا اختیار کیا وہ خاص حالتوں میں جائز تھا۔ سلطنت کے اغراض حالت کو دگرگوں کر سکتے ہیں۔ کمزور دشمن کے ساتھ وحشیانہ سختی جو مندرجہ بالا انگریزوں کے طرز عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ تاریخ میں سیاسی جواز فعل کی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

جائز اچانک حملہ اول تو مخالف سلطنت کی مسلح افواج پر ہونا چاہیے نہ کہ غیر مسلح باشندوں پر۔ دوسرے ابتدائی ضرورت یہ ہے کہ سیاسی حالت کی کشیدگی سے جنگ کا امکان یا احتمال ہر دو فریق کی آنکھوں کے سامنے روشن ہو۔ اس صورت سے کہ جنگ کی توقع یا تیاریاں مانی ہوئی بات ہوں۔ لیکن اور صورت میں حملہ دغابازانہ جرم ہو جائے گا۔ اگر مطلوبہ ابتدائی حالات مسلم ہوں تو سیاسی وار یا اچانک حملہ جائز ہے کیونکہ اُس کے ذریعے سے دشمن کی ناجائز بے پرواہی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس معاملہ میں حق کا اصول قائم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہر بات کا انحصار موقع کی حالت پر ہے اور یہ حالتیں مختلف فریقوں میں مختلف ہو سکتی ہیں۔ سلطنت کے طرز عمل کی بابت صرف تاریخ ہی حکم ناطق لگا سکتی ہے۔ مگر کسی صورت میں کوئی بھی حق کا قاعدہ سلطنت کے غیر مشکوک حق کو محدود نہیں کر سکتا۔ بالخصوص جب موت اور زندگی کے سوال کا اُس پر انحصار ہو جیسا جنگ منچوریا میں جاپان کے معاملہ میں تھا۔ اگر جاپان شروع ہی سے سمندر پر حاوی نہ ہو جاتا تو روس کے مقابلہ میں پہنچنا ناممکن تھا۔ لہذا انتہائی تدابیر پر عمل کرنے میں وہ حق بجانب تھا

مگر انگلستان کے لئے ۱۸۰۷ء میں ایسے خطرات نہ تھے اور اٹلی کا عملدرآمد ۱۹۱۱ء میں سیاسی اخلاق کے اعتبار سے یقیناً مشکوک تھا۔ مگر ان مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انگلستان سے ہم کو کیا توقع رکھنی چاہیئے اور ہم کو تیار رہنا چاہیئے کہ وہ اس حق سے بلا اطلاع کے ہم پر حملہ کریگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمیں بھی اس حق سے کام لینے کی ضرورت پڑے۔ لہذا ہماری موبلزیشن کی تیاریوں کو ان مواقع کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ بالخصوص اس زمانہ میں جب تزند وعلیحدہ کردیئے جائیں۔

عام پالسی اُن تدابیر پر بحث کی اجازت دینے سے مانع ہے جو اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے اختیار کی جائیں کہ ہمارا بیڑہ اس زمانہ میں جنگ کے واسطے تیار ہو۔ مگر کل صورتوں میں ہمارے ساحلی استحکامات برابر لڑنے کے لئے تیار رہیں۔ سرنگیں بھی بلا توقف جنگ کے واسطے تیار رکھی جائیں۔ اس غرض کے لئے کل اشیائے ضروری موجود ہوں تاکہ اُن سے فوراً کام لیا جا سکے۔ علیٰ ہذا القیاس ہمارے دریاؤں کے دہانے پر اور نہر قیصر و ٹیلم میں تجارت کے تحفظ کے لئے کل تدابیر فوراً عمل میں لائی جائیں جوں ہی کہ موقع نازک ہو جائے۔ یہ محض خود حفاظتی کا ساعی معقولہ ہے۔ اپنے سواحل کی نگرانی وخبر رسانی کو بھی مثل انگلستان کے ضروری چیز سمجھنا چاہیئے۔ جب ہم مجموعی حیثیت سے کل تیاریوں کو سمجھیں گے۔ جن کی ہم کو دول ہائے عظمیٰ میں اپنی جگہ بذریعہ بحری فوج قائم رکھنے کی ضرورت ہے تو ہماری قوم پر بڑے سخت مطالبات کا بار پڑیگا۔ یہ وقت پر زیادہ گراں معلوم ہوتے ہیں کیونکہ نازک موقع کی وجہ سے ہم کو نہایت سخت کوشش کرنا پڑتی ہیں اور بیڑے کا صرف بری جنگ کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے۔ اگر ہمیں اس دوہرے مطالبات کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے تو بیڑے کی تیاری میں توقف کیا جائے اور ساحل کے تحفظات ایسے مکمل کردیئے جائیں کہ کل ضروریات کے لئے کافی ہوں۔ ایسی صورت میں جہازوں کی تیاری کی جلدی کو تھوڑے عرصہ کے لئے ملتوی کرنا پڑے گا۔

اس خیال کے مقابلہ میں ایک رائے یہ ہے کہ ساحل کی صرف قلعہ بندی کی جائے جو نہایت ہی ضروری ہے اور جہازوں کی تعداد پر زیادہ زور دیا جائے اور اس بات پر کہ وہ جنگ کے لئے تیار رہیں۔ حتیٰ کہ رزرو بیڑے کی صورت میں بھی اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ یہ خیال اس قیاس سے پیدا ہوا ہے کہ ایسے زبردست اور مسلح بیڑے کے مقابلہ میں جو بحری ایکٹ کی رو سے جرمنی کے لئے تجویز ہوا ہے انگلستان ہمیں اعلان جنگ نہیں دیگا۔ یہ بھی خیال ہے کہ وہ بیڑا جو خاص طور سے مساوی ترکیبی اصولوں پر بنایا گیا ہے زیادہ زبردست لڑنے کی قوت رکھتا ہے۔ یہ مقابلہ اُن جنگی جہازوں کے جو آجکل ہمارے پاس ہیں۔ مگر میں اس رائے کی تائید نہیں کرسکتا۔ ایک تو یہ کہ مخالف بیڑے کی طاقت ہمارے بیڑے کی طاقت سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ عام حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کے ساتھ جنگ اٹل ہے چاہے ہماری بحری قوت جلد تر جدید جنگی جہازات کی قانونی مقرر کردہ توپ پر پہونچ جائے اسلئے میری رائے ہے کہ سب سے پہلے ہم کو ٹھوس بنیاد قائم کرنا چاہئے جس کے بغیر کوئی کامیاب عمل دشمن کی برتر افواج کے مقابلہ میں خیال میں نہیں آتا۔ اگر ساحلی استحکامات ضرورت کے موافق نہ ہونگے تو کامیابی ناممکن ہے۔

اس وجہ سے ہمارا اور زیادہ فرض ہے کہ ان دونوں مقاصد کے پورا کرنے کے لئے کوئی قربانی اٹھا نہ رکھیں۔ بیڑے کی توسیع بھی کریں اور ساحلی تحفظات کی تکمیل کے لئے جو ضرورت ہو اس کو بھی پورا کریں۔ اگرچہ ساحل کا استحکام سب سے پہلے ضروری ہے۔ مگر بحری فوج کے اضافہ کے بارہ میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ اگر ہم آج بیڑے کے بڑھانے میں کامیاب جنگ کے اطمینان کی خاطر ہر چیز کی بازی نہیں لگادینگے اگر ایک بار پھر اپنے ذہنی دشمن کو اپنے اوپر وہ سبقت دیدینگے جس کی تلافی آئندہ ناممکن ہوگی تو ہم کو سالہا سال کے لئے دول عالم میں اپنی جگہ چھوڑ دینا چاہئے۔

ان حالتوں میں کوئی شخص جس کے دل میں جرمن جذبات اور جرمن توقعات ہیں۔

کبھی جگہ چھوڑنے کی پالسی کا طرفدار نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے ہم کو ساحل کا استحکام اور بیڑے کی ترقی کا کام ساتھ ساتھ ایک ہی وقت میں کرنا چاہئے مگر تعمیر جہاز کی رفتار کو اتنا تیز کرنا لازم ہے کہ بحری ایکٹ کی ضروریات ۱۹۱۲ء تک پوری ہو جائیں۔ یہ نتیجہ ماہرین کی رائے کے مطابق ممکن ہے

تیاری جنگ کے متعلق جو دقت ہم کو آجکل ہے وہ اسباب ماضیہ کی وجہ سے ہے۔ اس کی اوّل تو وجہ یہ ہے کہ امن کی مسرتوں کے سبب سالہا سال سے جب سے سلطنت جرمن کی بنیاد پڑی ہے ہم نے اپنی قوت کو دول یورپ میں معین اور مضبوط نہیں کیا اور دنیا کی سیاسیات میں آزادانہ دخل نہیں دیا۔ دراں حالیکہ دیگر دول ہمارے گرد و پیش باعث تہدید ہو رہی تھیں۔ میری رائے میں جرمن پالسی کی سخت غلطی تھی کہ فرانس سے اُس وقت معاملہ صاف نہیں کر لیا جب معاملات بین الاقوامی کی حالت موافق تھی اور کامیابی کی پوری اُمید ہو سکتی تھی۔ درحقیقت موقعوں کی کمی نہیں رہی ہے۔ ہم اپنی امن اور فرو گذاشت کی پالسی کے ممنون احسان ہیں کہ اس وقت ہم اس مشکل میں ہیں اور ہمارے لئے یہ دو اہم طریقے ہیں کہ یا تو عالم کی قوت کا دعویٰ چھوڑ دیں یا اس دعوے کے لئے اعداد کی اعتبار سے فائق دشمنوں کے مقابلہ میں جنگ کریں۔ یہ پالسی کسی قدر اُس کاہلی سے مشابہ ہے جس کا کہ خود انگلستان ملزم ہے کہ امریکائی جنگ میں اُس نے سلطنہائے جنوبی کی مدد نہ کی اور ایک قوت ممالک متحدہ شمالی امریکہ کی صورت میں پیدا ہو گئی جو اگرچہ ابھی صرف پچاس سال ہی گذرے ہیں۔ انگلستان کی سلطنت عالم کے لئے باعث خوف ہو گئی ہے۔ مگر ہماری امن کی پالسی نے ہم کو زیادہ سخت صدمہ پہنچایا بہ مقابلہ اس کے کہ انگلستان کو اپنی سابقہ امریکائی پالسی سے نقصان ہوا۔ برطانیہ عظمیٰ کی جگہ بہ حیثیت دولت عظمیٰ بہ سبب جزیرائی مقام اور بحری تسلط کے بہ مقابلہ ہمارے زیادہ محفوظ ہے۔ ہم تو چاروں طرف سے دشمنوں کی تہدید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کسی جنگ میں کامیابی کی اُمید یقین کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور گذشتہ چالیس سال میں یہ خیال رہا کہ فرانس کو ایسی کامیابی کے ساتھ فتح کرنا جیسی ہماری خواہش ہے ممکن نہیں۔ یہ شک ہر جنگ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ نہ ۱۸۶۶ء نہ ۱۸۷۰ء میں بسمارک کی نظر کامیابی کی آس مقدار پر

تھی جو اُس کو حاصل ہونے والی تھی تاہم اُس نے لڑنے کی ہمت کی ۔ مدبر کی عظمت اس میں ہے کہ نہایت موافق موقع پر اُس میں ایسے کام کے اختیار کرنے کی ہمت ہو جو ضروری ہے اور یہ انسانی اندازہ کے مطابق سب سے بہتر طریقہ ہے۔ اسکے بعد تقدیر نتیجہ کا فیصلہ کرتی ہے۔

ہماری موجودہ حالت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ہم سے بیڑے کی تعمیر دیر میں شروع کی جو خاص غلطی ہم سے ہوئی وہ یہ ہے کہ ۱۸۵۹ء کے بعد جب ہم نے بریفیڈان برگ نمونے کے جہاز کی تجویز کی تو ۱۸۹۷ء تک ہم پر ایک زمانہ تنزل کا رہا اور بیڑے کے متعلق کل معاملات میں کوئی خاص اصول قائم نہیں ہوا۔ نیز ہم نے باقاعدہ طور پر اپنے ساحلی استحکامات کی ترقی میں بھی دیر کی اور اس صورت سے وہ ضروری فرائض جو سیاسی حالت سے پیدا ہوتے ہیں پورے نہیں ہوئے کیونکہ ہم نے اس حالت پر پہلے سے نظر نہیں کی نہ اُس کے لئے تیار ہوئے۔

یہ تجربہ آیندہ ہمارے واسطے سبق ہونا چاہیے۔ ہم کو چھوٹی چھوٹی فکروں اور بروقت ضروریات کی خاطر وسیع معاملات کی طرف سے آنکھوں پر پٹی نہ باندھ لینا چاہیے۔ خصوصاً اُن معاملات کی طرف سے جو ہماری عالمگیر پالسی کے لئے فیصلہ کن ہیں۔

ہم کو وقت پر وہ تدابیر اختیار کرنا چاہئیں جو آیندہ کیلئے ضروری معلوم ہوں اگرچہ ان سے ہمارے وسائل پر سخت بار پڑے گا۔ لیکن ہم پر اس کا مردانہ وار مقابلہ فرض ہے۔

اپنی بحری فوج کے متعلق یہ خیال پیش نظر رکھنا چاہیے۔ حتی کہ آخر وقت میں بھی ہم ضائع شدہ وقت کی کچھ تلافی کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس کام کو تن دہی سے انجام نہ دیں تو سخت غلطی ہوگی۔

فوج اور عام تعلیم

امن اور روک کی پالیسی نے ہم کو اس درجہ پر پہنچا دیا ہی کہ ہم کو دول عظمیٰ میں اب اپنی جگہہ لینا اور آیندہ کے لئے زندگی کے حالات کو دولت کے نہایت کثیر صرف اور جہانتک انسان کا قیاس کام کرسکے خون بہا کر حاصل کرنا لازم ہی۔ اسلئے ہم مجبوراً بلا توقف وہ خاص تدابیر عمل میں لائینگے جس سے ہم کم وبیش اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ یعنی یہ کہ تیزی کے ساتھ جہاز تعمیر کریں اور فوج کو بڑھائیں۔ زمانہ موجودہ میں ہم کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں آیندہ کا انتظام کرنا ہی۔ قطع نظر وقت کی ضرورتوں کے ہم کو اُن عناصر کی ترقی کی طرف توجہ چاہیئے جن پر نہ صرف سلطنت کی فوجی قوت بلکہ سیاسی قوت کا انحصار ہی ہم کو قوم کی جسمانی اور دماغی صحت قایم رکھنا لازم ہی اور یہ صرف اُس حالت میں ہو سکتا ہی کہ ہمارا مقصد نہایت وسیع معنوں میں عام تعلیم کی تدریجی ترقی و مطالبات زندگانی کی خارجی تبدیلیوں کے موافق ہو۔

اگرچہ ایک طرف سلطنت کا یہ فرض ہی کہ اپنی رعایا کو اعلیٰ اخلاقی و دماغی ترقی کی طرف رہنما کرے لیکن دوسری طرف اسکے برخلاف قوت کے عناصر جو خود لوگوں کے اندر ہوتے ہیں سلطنت کی قابلیت پر اثر کرتے ہیں۔ سلطنت صرف اسی صورت میں

عظیم الشان نتائج حاصل کرسکتی ہے جبکہ اُس کی تائید قوم کے زبردست متفقہ ارادہ سے ہو۔ لہذا قوم کی جسمانی و دماغی ترقی سے اسکا دُہرا تعلق ہے۔ اُس کا فرض اور اُس کے وجود کا جواز اس ترقی کی کوشش میں ہے کیونکہ اس فرض کے پورا کرنے سے اُس کو وہ قوت اور قابلیت حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ نہایت وسیع معنی میں اُسکا حق ادا کرسکے۔

موجودہ حالتوں میں محض فوجی نقطۂ خیال سے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ موجودہ نسل کی جسمانی ترقی کا ہی انتظام کیا جائے بلکہ اُسکی دماغی حالت کا مرتبہ بھی بڑھایا جائے۔ کیونکہ اگرچہ آجکل کی جنگ کی وجہ سے ہر شعبہ میں کام بڑھ گئے ہیں مگر مدت ملازمت کم کردیگئی ہے تاکہ کثرت سے لوگ بھرتی ہوسکیں۔ اس صورت سے فوجی تعلیم تکمیل کیساتھ ممکن نہیں تاوقتیکہ جسمانی و دماغی اعتبار سے خوب تیار رنگروٹ فوج میں نہ داخل ہوں اور معزز فوجی پیشہ کے لایق اپنے ساتھ حب الوطنی کے خیالات نہ لائیں۔ زمانۂ حال کی جنگ میں ہر متنفس کے لیئے بہت سی خودمختارانہ جانچ ٹھنڈے دل سے واقعات کی پوری گرفت اور قوی ارادہ کیساتھ ظاہر کرنے کی ضرورت ہے۔ جدال کے کھلے ہوئے طریقوں کی وجہ سے پیدل سپاہی کو اپنے مقررہ کام پر متعین کیئے جانیکے بعد زیادہ تر اپنی ذات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اُس کو اکثر اپنے ٹکڑے کی کمان اسوقت جبکہ اُسکے افسروں کی اموات میں کثرت ہوجاتی ہے لینا پڑتی ہے۔ توپچی کو تن تنہا توپ پر کام کرنا پڑتا ہے درانحالیکہ سکیشن کے سردار اور توپ خانہ کے کپتان شراپنل کے فیر کا شکار ہوجاتے ہیں۔ پٹرول اور مراسلہ کے سوار دشمن کے ملک میں اکثر اپنے ہی بل پر رہجاتی ہیں۔ اور سرنگ لگانے والا جو دشمن کی سرنگ کے خلاف کام کررہا ہے بعض اوقات اتفاقاً دشمن سے دوبدو ہوجاتا ہے اور سوائے اپنے قوت علم اور ہمت کے کوئی سہارا نہیں رکھتا۔

آجکل کی جنگ میں متنفس کی ذمہ داری پر صرف زیادہ کاموں کا ہی بار نہیں ہوتا بلکہ بمقابلہ سابق جنگوں کے اُس کی جسمانی قوتوں پر بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس تبدیلی کیوجہ

کچھ تو بڑی بڑی فوجیں اور کچھ آلات حرب کی زیادہ مار ہی۔ کل نقل وحرکت کثیر تعداد کے ساتھ بذات خود بہت زور ڈالنے والی چیز ہی۔ بمقابلہ ایسی نقل وحرکت کے جو چھوٹے چھوٹے دستوں میں ہو۔ بڑی بڑی فوجوں کی پناہ اور کھانا ایسا اچھا نہیں ہو سکتا جتنا کہ تھوڑی فوج کا۔ کوچ کرنے والے کالموں کے عمق سے جو فوج کی تعداد کے ساتھ بڑھتا ہی ہر ایک نقل وحرکت کی دشواریاں بڑھ جاتی ہیں۔ رات کو آرام کم ملتا ہی۔ کھانا بیوقت میسر آتا ہی۔ کوچ کے اوقات غیر معین ہوتے ہیں زمانۂ حال کے آلات حرب کی دُور کی مار سے جنگ کا رقبہ وسیع ہوتا جاتا ہی اور بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ ذیلع پیچ وخم کی (جب کبھی کہ سپاہی کمین کی نقل وحرکت کی کوشش کرتے ہیں یا میدان جنگ میں کوئی اور تبدیلیاں پوزیشن میں ہوتی ہیں) ضرورت ہوتی ہی۔

ان اعلیٰ فرایض کے باوجود فوج میں کام کی مقدار بھی کثرت سے بڑھ گئی ہی سے مگر سلطنت نے ہمارے نوجوانوں کو فوجی خدمت کے واسطے تیار کرنے کی کم کوشش کی ہے اور لوگوں کی طرز معاشرت میں ایسی باتیں داخل ہو گئی ہیں جنکا اُنکی تعلیم پر بہت مضر اثر پڑتا ہی۔ یہاں پر میری مراد خاصکر سوشل جمہوریانہ اور حب الوطنی کے خلاف احساس سے ہے اور اسی کے ساتھ لوگوں کا جوق جوق جا کر بڑے شہروں میں آباد ہونا بھی ہی جو جسمانی ترقی کے لیے مضر ہی۔ یہ نتیجہ بھرتی کے اعداد وشمار سے صاف ظاہر ہوتا ہی۔

آجکل کل جرمن نژاد فوجی سپاہیوں میں ۶ء۱۴ سے زیادہ فیصدی تو بڑے شہروں کے ہوتے ہیں ۷ء۳ فیصدی متوسط شہروں کے ۲ء۲۳ فی صدی چھوٹے شہروں یا قصبوں کے اور ۶ء۱۴ء۱۵ فی صدی اضلاع کے اور آبادی کی تقسیم شہر اور گانوں کے درمیان بالکل مختلف ہی۔ سنہ ۱۹۰۵ء کی مردم شماری کے مطابق گانوں کی آبادی (کل آبادی کی) ۵ء۴۲ فیصدی چھوٹے یا دیہاتی قصبوں کی ۵ء۱۲ فیصدی اوسط درجے کے شہروں کی ۹ء۲۲ اور بڑے شہروں کی ۱۹ء۱ فی صدی تھی۔ دیہاتی آبادی کی نسبت غالباً اُس

سال سے اور بھی کم ہوگئی ہی اور بڑے شہرونکی آبادی بڑھ گئی ہی ان اعداد سے شہری
آبادی کا تنزل ظاہر ہوتا ہی اور یہ ہماری قومی زندگی کے لئے خطرناک ہی نہ صرف جسمانی
قوت کے اعتبار سے بلکہ دماغی اور قوم کے اتفاق کے اعتبار سے۔ دیہاتی آبادی فوج کا
جزو لاینفک ہی۔ ہزاروں تعلقات سپاہیوں اور اُن کے خاندان کے لوگوں کو وابستہ کرتے
ہیں جہانتک کہ اُنکا تعلق دیہات سے ہی۔ ہر شخص جو ہماری فوج کی اندرونی معاشرت
سے واقف ہی اس کو جانتا ہی۔ سپاہی کی زندگی کے ساتھ بیحد دلچسپی ہوتی ہی۔ یہی اسپرٹ
ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتی ہی۔ فوج کا تعلق بڑے شہر کی آبادی سے جو بہت کم حصہ
اپنے باشندوں کا فوج میں بھیجتے ہیں بالکل مختلف ہوتا ہی۔ بڑے شہرونکی آبادی اور گانوں
کے لوگوں میں ایک خاص مخالفت ہوتی ہی گانوں کے لوگ فوجی اعتبار سے قوم کے
اعضائے رئیسہ میں سے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس فوج اور بڑے شہروں کے تعلقات کشیدہ
ہوگئے ہیں اور باشندوں کے بڑے بڑے فرقے فوجی خدمت کے بالکل خلاف ہیں۔

اسمیں سلطنت کا اتنا ہی فائدہ ہی کہ وہ شہری آبادی کے جسمانی صحت کو ہر ممکن التصور
ذریعہ سے ترقی دے نہ صرف اس لیئے کہ بہت سے سپاہی بھرتی ہوں۔ بلکہ اس لئے کہ
فوجی تعلیم کا فائدہ کل شہری آبادی کو پہونچے جس سے ہماری معاشرتی حالتوں کے اور
زیادہ صحیح ہونے میں مدد ملے۔ فوجی ملازمت کی رفاقت سے زیادہ وسعت کیساتھ کوئی
چیز اتحاد اسپرٹ اور جذبہ کی بڑھانے والی نہیں ہی۔ جہانتک میرا اندازہ ہی صرف کارخانوں
کے کام ہی کا جسمانی ترقی پر اور اُس کے ہمیشہ ایک ہی ڈھرے پر چلے جانے کی وجہ سے
دماغی ترقی پر بُرا اثر نہیں ہوتا بلکہ عام حالاتِ معاشرت جو اس کام سے وابستہ ہیں اُسکے
لئے مفید نہیں۔ قطع نظر بہت سے کارخانوں کے کاموں کے جو صحت کے لئے مضر ہیں وہ
باتیں جو جسمانی ترقی کی نمو کو روک دیتی ہیں۔ مسکنی حالتوں۔ عیش و عشرت کی شہری
معاشرت اور میخواری میں پائی جاتی ہیں۔ زراعتی اضلاع کے

بہ نسبت میخواری کا عیب بڑے شہروں میں زیادہ عام ہی۔ اور بڑے شہروں کے دیگر اثرات
کے ساتھ نہایت مضر نتائج پیدا کرتا ہی۔ لہذا سلطنت کا لازمی فرض ہی کہ پہلے میخواری
کے ساتھ ہر ہتیار سے لڑے اگر ضرورت ہو ہر قسم کی کشید کی شراب پر سختی کے ساتھ محصول
لگائے اور اُسکی فروخت کے حق کو محدود کردے۔ دوسرے کاریگروں کے مسکنی حالات
کی اصلاح کی کوششوں میں مدد دے اور شہر کے نوجوانوں کو عیش و عشرت کے تباہ کن
اثرات سے بچائے۔ میونچ ( ) میں یورپ کے انسٹرکٹ [illegible] نے
اُن نوجوانوں کے لئے جنکی عمر اسکول میں پڑھنے کی نہیں ہی مفید صحت فوجی ورزشوں
کا انتظام کیا ہی جس میں وہ اپنا خالی وقت گذارتے ہیں۔ یہ کوششیں قابل تعریف ہیں۔
نوجوانوں کے کلب بھی جو فیلڈ مارشل وی۔ ڈی گولٹز ( ) قایم کرنیکی
کوشش کررہے ہیں اسی غرض کے لئے ہیں۔ ایسے کام ہر بڑے شہر میں دل سے کئے جائیں
اور محض جسمانی و معاشرتی اعتبارات سے سلطنت اُن میں مدد دے۔ اسکولوں اور جمناسٹک
کے کلبوں میں جمناسٹک کی تعلیم سے جسمانی ترقی پر مفید اثر ہوتا ہی اور ہر طرح مستحق امداد ہی۔
خلاصہ یہ کہ ان وجوہ سے عام فوجی خدمت کا پورا انتظام ہونا چاہیئے تھا۔ رنگروٹوں کی
ترقی جسمانی پر فوجی خدمت کا حیرت انگیز اثر ہوتا ہی اُن حکام کو جنکے پاس رزرو ونکا
انتظام ہی ہدایت ہونی چاہیئے تھی کہ بڑے شہروں کے زیادہ لوگوں کو فوجی خدمت کی
ترغیب دیں۔

مگر میری رائے میں ان دو باتوں کے متعلق ہدایت ہونا چاہیئے۔ اول کاریگروں
اور کارخانہ والوں کی محنت کے اوقات میں کمی نہ کیجائے۔ دوسرے فوجی تندرستی کے
لئے کھیل کو جیسا پہلے بتایا گیا ہی ضرورت سے زیادہ اہمیت نہ دیجائے۔ کام بذات خود
مضر چیز نہیں ہی بلکہ زیادہ تعداد میں اکٹھا کام کرنے سے جو حالتیں پیدا ہوتی ہیں اُن کا
اثر خراب ہوتا ہی۔ اوقات کار کے اصولاً تخفیف کرنے کی خواہش میری رائے میں خلاف اخلاق

کوشش ہی۔ اور کام کی حقیقی منزلت سے لاعلمی ظاہر کرتی ہی اگر تخفیف معمولی مقدار میں ہو اور
کام کی نہایت ہی ناموافق حالیں پیش ہوں تو اور بات ہی۔ انسان کیلئے وہ سب سے بڑی
نعمت ہی اور اُس قوم کا بُرا ہو جو اُس کو اخلاقی فرض نہ سمجھے بلکہ تحصیل معاش اور عیش و
عشرت کے لئے روپیہ کمانیکا ذریعہ جانے۔ سخت محنت ہی سے کارآمد اور اچھے خصائل کے
لوگ پیدا ہوتے ہیں اور اُن قوموں نے جنھیں سخت موسم کی وجہ سے حصول معاش کے
لئے سخت دقتیں اُٹھانا پڑیں ہیں بڑے کارہائے نمایاں کئے ہیں اور سب سے زیادہ حیاتی
قوت کا ثبوت دیا ہی۔ جب تک ڈچ لوگوں کی قوت سمندر کی متواتر جنگ سے مضبوط تھی جبتک
وہ مذہبی آزادی کے واسطے فرانسیسی فضیلت کے خلاف لڑے وہ تاریخ میں ممتاز قوم رہے
لیکن اب جبکہ اُنکی معاشرت کا انحصار محض تحصیل زر و تفریح پر رہگیا ہی اور وہ سیاسی حیثیت
سے غیر جانبدار قوم بنگئے ہیں اور جنگ کے حوصلے اُنکے دلوں سے نکل گئے اُنکی اہمیت گرگئی
ہی اور وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتے تاوقتیکہ مہذب قوموں کی جنگ میں حصہ نہ لیں۔ جرمنی میں وہ
نسل جو ہمارے ملک کو تنزل سے نکال کر تواریخی اہمیت کے درجہ پر پہنچانے والی تھی راین
یا ڈینیوب کے زرخیز کناروں سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ مارچ کے بنجر ریگستان سے نکلی۔

ہم کو درشت محنتی قدیم پرشیا کے جذبات قایم رکھنا چاہییں اور باقی جرمنی کو کانٹ
کے خیال زندگی کے موافق چلانا چاہیئے۔ ہم کو ہمیشہ اپنی قوت کو بڑی سیاسی اور مالی قوت
و کوششوں سے مضبوط کرنا چاہیئے۔ اور جو کچھ حاصل ہوگیا ہی اُس پر قانع رہنا یا کاہلی سے عیش
پرستی کی زندگی بسر کرنا لازم نہیں ہی اس صورت سے ہم دماغی و جسمانی حیثیت سے تندرست
رہ سکتے ہیں اور دنیا میں اپنی جگہہ قائم رکھ سکتے ہیں۔

اُن مقامات پر جہاں قدرتی اسباب کی وجہ سے لوگ سخت محنت کے لئے مجبور نہیں ہیں
جہاں دولت و مال کی زیادتی کے ساتھ لوگ بجائے محنت کے عیش و عشرت کی طرف مائل
ہیں سوسائٹی اور سلطنت اسکا انتظام کرے کہ کام کھیل نہو جائے نہ کھیل کام۔ صرف کام ہی سے

جو فرض نہ کہ محض کھیل سمجھکر کیا جائے انسان انسان بنتا ہے۔کھیل کود کو جو آجکل ہم میں بھی پھیلتا جاتا ہی ہمیں محض ذریعہ تفریح سمجھکر نہ کہ اسکو بجائے خود مقصود مان کر اختیار کرنا چاہیئے۔صرف ایسا ہی کھیل جائز ہوسکتا ہی اور اسے ہم کو ہرگز نہ بھولنا چاہیئے۔سخت محنتوں ہی نے جرمنی کو زبردست بنایا ہی گو اس کے برخلاف انگلستان میں کھیل کود ہی سے قوم کی جسمانی صحت کے قیام میں کامیابی ہوئی ہی لیکن اس میں زیادہ انہماک کے بڑھ جانے یہانتک کہ خود کاروبار کے بھی پس پشت پڑجانے سے انگریزوں کو من حیث القوم سخت نقصان پہونچا ہی۔

انگریزی قوم اپنی روز افزوں ثروت و نیز کمی محنت اور اس کے گرے ہوئے معیار کے زیر اثر (جو انگریزی تجارتی لیگوں کا کھلم کھلا مقصد ہی) بتدریج ایک عیش پسند افراد اور کھیل کود کے شوقینوں کی قوم ہوتی جاتی ہی۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ آیا ان حالات کو دیکھتے ہوئے انگلستان اُن عظیم الشان فرایض کی جنکو اُس نے بزمانہ آیندہ اپنے اوپر عاید کیا ہے انجام دہی کے قابل ہی یا نہیں۔مزید براں اگر حریص و نوخیز امریکائی جمہوری سلطنت سے دیرینہ سیاسی رقابت بذریعہ ثالثی عہدنامہ ہٹا دیجائے تو پھر بآسانی ایک ایسی حد فاصل قایم ہوسکتی ہی جہاں باوجود ان تمام ورزشی کھیلوں کے جو جسمانی ترقی کے ممد ہیں ترقی و تنزل کی شاہراہیں تقسیم ہوتی ہیں۔

قوم کی فقط جسمانی صحت سے تاوقتیکہ اسکا نمو دنیوی محنت اور روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ نہ ہوا ہو کوئی مستقل فائدہ متصور نہیں لیکن اگر روحانیت مادی ترقی سے مغلوب کردی جائے تو آیندہ چلکر اسکے بہت خراب نتائج پیدا ہونگے۔ان وجوہ کی بنا پر ہم کو فوج کے لئے صرف اُنھیں نوجوانوں کی تعلیم پر جو بلحاظ صحت بدنی مضبوط ہیں قانع نہ ہونا چاہیئے بلکہ ہم کو اسکے ساتھ ساتھ انکی روحانی ترقی میں بھی کوشش کرنا چاہیئے۔

اس کا ذریعہ صرف مدارس ہی ہوسکتے ہیں فوجی تعلیم بھی موجودہ حالت کے لحاظ سے جو روز بروز سخت ہوتی جاتی ہے اپنے صحیح مقاصد اسی وقت پورے کرسکتی ہے جبکہ اس کی کوئی مضبوط بنا پہلے ہی سے اسکولوں میں رکھدی گئی ہو اور ایک عمدہ ابتدائی تربیت ان نوخیز بچوں کو دیجا چکی ہو۔ قومی مدارس اس ضرورت کے لئے کافی نہیں ہیں۔ عام قواعد کی بنا جن سے پرشیا میں قومی مدرسوں کے اصول طے پائے ۱۸۷۲ء میں پڑی یعنی اب اس کو چالیس برس گذر چکے لہذا جدید ترقیات کا جو گذشتہ چند سالوں سے بہت سرعت کے ساتھ پھیلتی گئی ہیں ان میں کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اسی بنا پر قدرتاً ایک اصولی مخالفت ان میں اور جنگی تعلیم میں برابر چلی آتی ہے۔

موجودہ جنگی تعلیم کی رو سے ایک مکمل شخصیت کی جس میں مردانہ احساس کی تمیزی ترقی کا خیال ہو ضرورت ہے لیکن قومی اسکولوں میں ہر چیز کا انحصار کلاس کی تعلیم پر ہے جہاں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو ایک ساتھ سبق دیا جاتا ہے اور یہ مجبوراً قواعد کے مطابق ہی۔

رنگروٹوں کی تعلیم خود ان کے بزرگوں کی زیر نگرانی بذریعہ مخصوص علیحدہ افسروں اور تجربہ کار چیدہ غیر کمیشن یافتہ کمانیروں کے ہوتی ہے ان کو بالکل چھوٹے چھوٹے دستوں میں بنا کر سبق دیا جاتا ہے اور اسطرح دستے کے ایک ایک فرد پر اُن کے افسروں اور بزرگوں کی پوری توجہ رہتی ہے۔ برخلاف اس کے اسکول میں اُستاد زیادہ سے زیادہ اسی طلبہ کو ایک وقت میں سبق دیسکتا ہے اور جس اسکول میں دو اُستاد ہوں اُس میں بھی زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ طلبہ کے دو کلاس فی ۶۰ کے حساب سے بن سکتے ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی علیحدگی چونکہ صرف ایسے ہی مدرسہ میں

ممکن ہی جہاں متعدد درجے ہوں اس لئے عموماً دونوں کو تعلیم ایک ساتھ دیجاتی ہی اور بنا برین ہر طالب علم کی اندرونی حالت اور رجحان کا اندازہ فرداً فرداً ہونا ناممکن ہی۔ فقط اتنا ہوتا ہی کہ معمولی علم اور کسی خاص مضمون کی بابت عام اطلاع بغیر انکے مذاق اور فطری رجحان کا لحاظ کئے ان کے دماغوں میں ٹھونس دیجاتی ہی۔ اسطرح نہ تو من حیثیت النوع انکی دماغی قابلیت نہ فرداً فرداً انکے مذاق میں امتیاز کیا جاسکتا ہی لہذا ایسے قومی مدرسے میں ظاہراً کسی فوجی تعلیم کی توقع نہیں ہوسکتی نیز وہ اصول جو ان دو متضاد تعلیموں کو باقاعدہ بناتے ہیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ فوجی تعلیم کا مقصد اعلیٰ اخلاقی تربیت دیکر انسان کو آزادی فعل اور آزادی خیال کے ساتھ ساتھ اس کے احساس حب قومی کو انتعاش دینا ہی اسلئے تعلیم بحیثیت ایک فرض کے ہماری قومی تاریخ میں پیشہ ورمعلی کے پہلو بہ پہلو سب سے آگے جگہ لیتی ہی۔ بڑی توجہ ہر فرد کو منطقی تعلیم دینے کی طرف کیجاتی ہی تاکہ اسکے دلائل زوردار ہوں اور اس کو اپنے خیالات کے اظہار میں اُلجھن نہ ہو۔

قومی مدرسہ میں یہ باتیں بالکل پس پشت ڈالدی جاتی ہیں گو میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ خدانخواستہ قصداً یا اصولاً ایسا کیاجاتا ہی بلکہ اُن حالات ہی سے عملاً ایسے نتائج پیدا ہوجاتے ہیں۔ ان اسکولوں کی تمام تر توجہ فقط سطحی مذہبی تعلیم۔ معمولی لکھنے پڑھنے اور صرف اس قدر قابلیت پیدا کرانے پر کہ لڑکا حساب کے معمولی سوال نکال لے منعطف کیجاتی ہی۔ علوم تاریخ۔ جغرافیہ۔ طبیعات۔ حکمت وغیرہ بالکل پس پشت پڑجاتے ہیں یعنی منجملہ تیس گھنٹوں کے صرف ۸ گھنٹے فی ہفتہ ان علوم کی تعلیم میں مڈل اور اس سے اوپر کے طلاب پر صرف کئے جاتے ہیں لیکن نیچے کے درجوں میں یہ بھی ندارد ہے حالانکہ ۱۴ یا ۸ گھنٹے ہر کلاس کی مذہبی تعلیم پر خرچ کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ حب قومی کو جگانے اور بالقصد ترغیب دینے کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا ہی چنانچہ قواعد

و قوانین میں اسکے متعلق ایک لفظ بھی صراحتاً یا کنایتاً ایسا درج نہیں ہی جس سے اسکی اہمیت معلوم ہو۔ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہی کہ دو صفحے سے زیادہ مذہبی تعلیم کی تفصیل سے بھرے ہوئے ہیں لیکن تاریخ کے متعلق جس سے احساس قومی کا نہایت بیش قیمت سبق ملتا ہی صرف دس سرسری سطروں میں ذکر کر دیا گیا ہی۔ طویل کلاسوں میں طلاب کی اخلاقی حالت اور قوت استدلالیہ کو ترقی دینے کے متعلق کسی خاص امتیازی بات کا تو کیا ذکر وہاں سرے سے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

گھنٹوں کی تقسیم بلحاظ مضامین بالکل یکطرفہ ہی۔ مذہبی تعلیم کا طریقہ بھی بالکل ناقابل اطمینان ہی۔

ابتدائی درجوں سے لیکر آگے تک (یعنی ۶ برس تک کے لڑکوں کو شامل کرکے) نئی اور پرانی بائبل کے قصے طالب علموں کے دماغوں میں ٹھونس دیئے جاتے ہیں اسی طرح ہفتہ کے روز بائبل کا اگلا سبق جو آیندہ اتوار کے لئے مقرر ہوتا ہی ان کے سامنے پڑھ دیا جاتا ہی اور اسکی تشریح کر دی جاتی ہی۔ . . . . . .

سوال و جواب کے طریقہ سے تعلیم نیچے کے درجوں ہی سے شروع ہو جاتی ہی اور لڑکوں کو علاوہ مختلف ارکان مذہب کے بجا لانے کے ۲۰ مذہبی گیت بھی زبانی یاد کرنا ہوتے ہیں اس قسم کی تعلیم کو جگہ دیکر نہایت شرم اور افسوس کا مقام ہی کہ تمام دیگر اعلیٰ مضامین جن سے دل اور روح دونوں میں تازگی آئے اور جو نوخیز دماغوں کے سامنے ایک اعلیٰ معیار پیش کریں (خصوصاً ہمارے ملک کی تاریخ) انکو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہی۔ تاہم صحیح مذہبی اور قومی جوش انسان کی زندگی کے لئے عموماً اور سپاہی کے لئے خصوصاً نہایت بیش قیمت چیزیں ہیں۔ لیکن یہ امر اور بھی زیادہ قابل افسوس ہی کہ قومی مدرسوں کی تعلیم جو مقررہ قوانین کے مطابق رکھی گئی ہی اور جو عملاً اس سے بھی زیادہ بے توجہی سے دیجاتی ہی مذکورہ بالا احساسات کو جگانے کے لئے بالکل ناموزوں اور ناکارہ ہی اور

اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا۔ پبلک اسکولوں کے لیے جو نئے قوانین ۱۰ ارفروری ۱۹۱۰ء کو بنے ہیں ان میں یہ پڑھ کر کہ مذہبی تعلیم سے لڑکوں کی اخلاقی و دیندارانہ حالت میں انتعاش اور استحکام پیدا ہونا مقصود ہی اور یہ کہ تاریخ کے پڑھانے کا بھی یہی مقصد ہونا چاہیئے کہ طالب علم کی قوت ذہنی اپنے آبائی ملک کی عظمت کی پوری قدر کرے ضرور دل خوش کن ہی۔

مذہبی تعلیم کا جو طریقہ قومی اسکولوں میں مروج ہی وہ میری رائے میں سخت ناکارہ ہی اسلیئے کہ مذہبی تعلیم صرف اُسیوقت اپنے صحیح معنوں میں مفید ہوسکتی ہی جبکہ لڑکے میں کچھ سمجھ اور ادراک کی قوت پیدا ہو جائے۔

مذہبی تعلیم پر دماغی ترقی کا انحصار کر دینا جیسا کہ ظاہرا قومی اسکولوں کا منشا ہے کبھی مفید اور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کو سمجھ اور قوائے استدلالیہ کی طرف منعطف کرنا چاہیئے بلکہ روحانیت کی غیر عقلی گرفت میں چھوڑ دینا چاہیئے۔ ان وجوہ کی بنا پر اگر مذہبی تعلیم بچپن ہی میں شروع ہو جائے تو اس سے قوائے دماغی میں ایک پریشان کن اثر پیدا ہو جائے گا جس سے اس کی صحیح نمو رک جائیگی حتی کہ پادری بھی جو فی الحقیقت مذہبی تعلیم سے مفید نتائج پیدا کرانا چاہتے ہیں سب سے پہلے اپنے شاگردوں کو دنیوی علوم کی تعلیم دیتے ہیں اور اسکے بعد مذہب کے نازک مسائل ان تک منتقل کرتے ہیں لیکن پھر بھی چھ برس کے بچوں کے سامنے ہر ہفتہ کے روز بائبل کے مقررہ مقامات کی تشریح کیجاتی ہی۔

اصلی مذہبی تعلیم کی ابتدا اوّل کلاسوں سے ہونا چاہیئے۔ وجود باری کے متعلق اُستاد کو سب سے سادے خیالات کا اظہار بچوں کی عقل اور سمجھ کے مطابق کرنا چاہیئے اور جہانتک ہوسکے اس کے قوائے دماغی کو جگانے کی کوشش کرنا چاہیئے تاکہ اس میں اعلیٰ اور نازک ترین مسائل کے گرفت کی صلاحیت پیدا ہو۔ قومی مدرسوں میں دماغی ترقی کے اس

اصول کے بالکل خلاف عمل کیا جاتا ہی۔ یہ مرتبہ قوانین کے مطابق ہی کیونکہ جو لڑکے اپنے گھروں پر انجیل پڑھتے ہیں انکو قوانین قدرت کے اُن مظاہر کا جو روزمرہ انکے گردوپیش منکشف ہوتے رہتے ہیں کم وبیش ادراک ہو جاتا ہی۔ آٹھ برس کے سن میں وہ کچھ لکھنا پڑھنا اور حساب بھی سیکھ لیتے ہیں۔ اب ذرا اسکول سے اس کا موازنہ کیجئے جہاں ہماری قومی تاریخ کا سبق دیا جاتا ہی اور اس کا یہ حال ہی کہ ۹ طلبہ کی جماعت میں سے جن سے یہ سوال پوچھا گیا تھا کہ "لیبارک" کون تھا ایک بھی جواب نہ دیسکا رہا یہ امر کہ وہاں طلبا اپنے فرائض ملکی و سیاسی سے کسی قدر آگاہ ہو جاتے ہیں خارج از بحث ہی۔

فقط تاریخ کے سبقوں سے لڑکوں کے احساس حب وطن اور خیال میں بیداری پیدا ہونا ناممکن ہی کیونکہ وہاں دونوں فریق یعنی عورت و مرد متعدد تعلیم پاتے ہیں۔ اگر ایک چیز لڑکوں پر اثر کرتی ہی تو دوسری لڑکیوں پر اور گو میری رائے میں یہ مفید ہی کہ جذبات قومی لڑکیوں کے اندر پھیلائے جائیں کیونکہ وہ مائیں بنکران خیالات کو بچوں میں منتقل کرینگی تاہم میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے جداگانہ تعلیم دیجائے جب دونوں کا سبق ایک ہوتا ہی تو اُستاد کو اسمیں حسب موقع رنگ آمیزی کی مطلق گنجایش نہیں رہتی۔ نیز یہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ مذہبی دنیا میں کیونکر اہم نتائج کی اُمید کیجاتی ہی جبکہ دوسرے میدانوں میں اس قدر کم کامیابی ہوئی ہے۔ یہ پُرانی وضع کے اسکول دراصل اس معیار سے جو فریڈرک اعظم نے قائم کیا تھا بھٹک کر دُور جا پڑے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ سلطنت کا فرض یہ ہی کہ نئی پود کو آزادی خیال اور صحیح حُب الوطنی کی تعلیم دیجائے۔

ہمیں موجودہ قومی اسکول میں اگر ہم اس کو فوجی اور اعلیٰ درجے کی عام تعلیم گاہ بنانا چاہتے ہیں پوری اصلاح کرنا چاہیئے۔ جو فارغ التحصیل طلبا اس میں سے نکلتے ہیں

اُن کے نہ صرف قوائے استدلالیہ غیر پختہ حالات میں ہوتے ہیں بلکہ انکی نظر بھی علوم پر محض سطحی ہوتی ہے اس لئے وہ خود اعتمادی کی اعلیٰ عفت سے فقط محروم ہی نہیں ہوتے بلکہ مکروہات دنیا کے بآسانی شکار ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر ظاہر ہے کہ اصلاح کے راستے بتلانا میرا کام نہیں۔ میں صرف ان نکات کی طرف جنکو بحیثیت ایک رعیت اور سپاہی ہونے کے میں نہایت ضروری سمجھتا ہوں اشارہ کردوں گا۔ سب سے پہلے میری رائے میں تعلیم زیادہ افرادانہ ہو جانا چاہیے یعنی اُستادوں کی تعداد بڑھنا اور لڑکوں کی تعداد گھٹنا چاہیے۔ اسکے ذیل میں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اسکول کی تعلیم آٹھ برس کے سن سے شروع ہو۔ اس کے بعد بہ نسبت زمانۂ حال کے بہت زیادہ کوشش لڑکوں کے قوائے دماغی میں بالیدگی اور صلاحیت پیدا کرنے کی طرف صرف ہونا چاہیئے۔ باضابطہ مذہبی تعلیم وسعت دماغی کے ساتھ ساتھ ہو۔ نیز علوم تاریخ جغرافیہ۔ اور طبیعات وغیرہ پر خصوصاً ہماری ملکی تاریخ پر زیادہ توجہ ہونا چاہیئے اور جذبات قومی ہر ایک ممکن ذریعہ سے جگائے جائیں۔ قومی اسکول کے اُستادوں کی تعلیم نئے اصول پر ہونا چاہیئے۔ لیکن بزمانۂ موجودہ چونکہ اسکول کے محدود اور یکطرفہ نقطۂ خیال پر مبنی ہے اس لئے اُستاد اپنے شاگردوں کے دماغ اور جذبات کو ترقی نہیں دیسکتے نیز یہ اصول کہ کل تعلیم چودہ ہی برس کے سن میں ختم ہو جایا کرے نوخیز نسل کے لئے بہت نقصان رساں ہے۔ اسکول کی زندگی اور فوجی خدمت میں جو وقفہ پڑتا ہے اس میں نوجوان طالب علم نہ صرف اپنا پڑھا ہوا بھول جاتے ہیں بلکہ خود اپنی زندگی کے متعلق خراب خیالات پیدا کر لیتے ہیں جن سے (اُس وسیع النظری کی عدم موجودگی میں جو اوہام باطلہ کو رد کر سکے) وہ بہت سی صورتوں میں جانوروں کے مثل ہو جاتے ہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر اسکول کا برابر جاری رہنا اشد ضروری ہے اور فوجی نقطۂ خیال

سے بھی اسکی وہی اہمیت ہی۔ ایسا اسکول طالب علم کو نہ صرف اپنے پڑھے ہوئے سبقوں کو فراموش کرنے سے روکے گا بلکہ اس میں حب قومی اور ہموطنی کے اعلیٰ اوصاف کو بھی ترقی دیگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ طالب علم کسی خاص مضمون میں اپنے کو ممتاز بھی کرسکتا ہی۔ ان امور کے لئے یہ ضروری ہی گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات افرادی حیثیت سے اس پر واضح کردیئے جائیں۔ نیز ہماری قومی تاریخ کے حوالے سے اسکے یہ بھی ذہن نشین کردیا جائے کہ خود افراد کی سرسبزی حکومت کی محبت اور اس میں اپنے آپکو غرق کردینے سے کس قدر وابستہ ہی۔ رعایا کے ہرایک فرد پر حکومت کے جو فرائض ہیں انکو سب سے آگے رکھنا چاہیئے۔ تعلیم بھی اُس پاک جوش سے مملو ہونا چاہیئے جسکا زندگی بخش اثر شلیر ماچر کے وعظوں میں تھا حالانکہ وہ وقت پرشیا کے اوپر بہت ہی مصیبت کا تھا۔ اُس کی تعلیم کے سب سے اعلیٰ اصول یہ تھے کہ انسان کی تمام قدر و قیمت اسکے ارادہ کی پاکی اور قوت میں مضمر ہی یہ کہ جان و مال صرف امانتیں ہیں جنکو اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول میں صرف کرنا چاہیئے یہ کہ دماغ جو صرف اپنا ہی خیال رکھتا ہی کمزور سے کمزور ٹکر کا متحمل نہ ہو کر نیست و نابود ہو جاتا ہی لیکن سچا اخلاقی وصف حمیدہ صرف حب وطن اور سلطنت سے پوری وفاداری ہی میں ترقی کرتا ہی۔ حکومت دراصل ہرایک مذہب کے لئے بہشت ہی۔ وہ عدل و انصاف اور ایماندارانہ آزادیٔ فعل کی جائے پناہ ہی۔ اگر قومی اسکول میں یہ خاص لحاظ رکھکر تعلیم دیجایا کرے تو وہ بہت جلد ایسے سپاہی پیدا کریگا جو ہماری اُن فوجوں میں جنکو پورے طور پر ہتیاروں کی تعلیم دی گئی ہے داخل ہوسکیں گے۔ نیز وہ اپنے ساتھ ایسا سپاہیانہ جوش لائیں گے جن سے بڑے بڑے کارناموں کی ابتدا ہوتی ہے۔ ایسی قوم کی اسپرٹ سے کیا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے جنگ حریت کی تاریخ سے جانا ہے۔ یہ حب قومی کا وہ غیر مسدود منبع ہے جس کو

قومی اور سپاہیوں کے لئے برابر جاری رہنے والے اسکولوں میں تاریخی تعلیم کا ستون اور اصل مرکز بنا چاہیئے۔ اسکا مطالعہ ہم حال کی روسی۔جاپانی جنگ میں بھی کرسکتے ہیں۔کل جاپانی رعایا کی تعلیم جسکی ابتدا گھر ہی میں اسکولوں کے ذریعہ سے ہوئی حب قومی اور جنگی اسپرٹ پر مبنی تھی۔اس تعلیم نے دیگر علوم اور جنگی کامیابیوں سے ملکر جاپانیوں میں خود اعتمادی اور اپنی طاقت پر بھروسہ کرنے کی حیرت انگیز صفت پیدا کردی۔انھوں نے فوجی خدمت نہایت فخر کے ساتھ کی اور بڑے بڑے کارناموں کے خواب دیکھے۔قوم کا تمام غور و خوض اُسی آنیوالی جنگ کی طرف تھا اور چند ہی برس میں وہ اپنی آخری پائی تک ایک زبردست فوج اور ایک مضبوط بیڑے کی طیاری پر صرف کرچکی تھی۔یہی وہ اسپرٹ تھی جس سے جاپانی فتحیاب ہوئے ''ایک نوجوان جاپانی کا فوج میں بھرتی ہونا اسکے خاندان کیلئے یوم عید تھا۔لیکن روس میں اس کے برخلاف یہ وعظ دیا جاتا تھا کہ حب قومی ایک منسوخ شدہ کہنہ خیال ہی اور جنگ ایک سنگین جرم ہی نیز جنگی امور قابل توجہ نہیں اور فوجی خدمت ایک ذلیل پیشہ ہی۔اس طرح روسی فوج زبردستی بغیر کسی جوش یا اسکو اہم قومی جنگ خیال کئے مجبوراً لڑائی پر روانہ ہوئی۔اس فوج کے افراد میں خود غرضی کے سوا قومی جوش اور انقلابی اسپرٹ نہ تھی۔وہ بڑھنے اور از خود کام کرنے کی جرأت سے بے بہرہ تھی۔پوری فوج اپنے غیر جوشیلے افسروں کی ماتحتی میں ایک مشین تھی اور اسی لئے ایک چھوٹے اور کمزور حریف سے پالتو جانور کی طرح پٹ گئی۔

میں نے ان حالات پر خوب غور کرلیا ہی کیونکہ میں خود قومی اور سپاہ کے لئے برابر جاری رہنے والے اسکولوں کی اہمیت کو اپنی فوج کی جنگی تعلیم کے واسطے اچھی طرح سمجھتا ہوں۔میرا یقین ہی کہ صرف وہی فوج جس میں حب قومی اور جنگی اسپرٹ ہو کوئی بڑا کارنمایاں کرسکتی ہی۔میں خوب جانتا ہوں کہ فقط اسکول کے ذریعہ سے لوگوں میں وہ جوش

پیدا ہونا ناممکن ہے جبکہ ہمیں اس عظیم الشان امر کا لحاظ کرکے جو ہماری نگاہ میں ہے (اگر ہماری اصلی خواہش یہی ہے کہ ہم حقیقتاً کوئی کارنمایاں کریں) ہر ممکن ذرائع سے اپنے آپ میں جگانا چاہیئے۔ اسکول کی تعلیم کا اثر اسوقت جبکہ نوخیز نسل زندگی میں قدم رکھتی ہے ختم ہوجاتا ہے۔ آینوالی نسلیں البتہ اسکی محنت کا پھل کھائینگی۔ اس کی عمدہ تعلیم کو دیگر اثرات کے امداد کی بھی نہایت ضرورت ہے جو نہ صرف موجودہ نوجوانوں پر سرسری اثر ڈالیں بلکہ انکی تمام زندگی میں سرایت کرجاتے ہیں۔ اب فقط دو ذریعہ ایسے ہیں جو عام رائے اور قوم کی روحانی و اخلاقی تعلیم پر اپنا کام کرسکتے ہیں ایک اخبار دوسرا تدبیر فعل۔

اگر گورنمنٹ چاہتی ہے کہ لوگوں پر اپنا خوشگوار اثر قایم کرے نہ اسلیئے کہ اسکی کسی تنگ خیال یا وقتی پالسی کی تائید ہوجائے بلکہ اس لیئے کہ اس کی عظیم الشان پولیٹکل، سوشل اور اخلاقی فرایض کی ترقی ہو تو اس کو ایک باثر قومی پریس کو اپنے قابو میں کرلینا چاہیئے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے اغراض و مقاصد کھلم کھلا اور مضبوطی کے ساتھ پیش کرتی رہے۔ گورنمنٹ کبھی صاحب ایثار اور مسلح آدمیوں پر خطرہ یا ضرورت کے وقت بھروسہ کرنے کے قابل نہو سکے گی اگر وہ خاموشی کے ساتھ جنگجویانہ جوش کو اخباروں کے ذریعہ سے پھیلے جاتے یا ایک کمزور صلح جویانہ پالسی کے وعظ کو جو لوگوں میں دیا جاتا ہو بیٹھی دیکھتی رہیگی۔ اس کو ضرور ہر ممکن ذرائع سے جنگی اسپرٹ کی پرورش اور اس بات کی کوشش کرنا چاہیئے کہ قوم شاہانہ پالسی کے فرایض و مقاصد کو سمجھ لے۔ اسکو برابر جنگ کی ضرورت اور اسکی اہمیت کو تمدن اور پالسی کا ایک نہایت ضروری جزو سمجھکر (مع ایثار کے فرض اور ملک و حکومت پر جان نثاری کے) بتلاتے رہنا چاہیئے۔

مجلسی حکومت جو صرف ایک وقتی کثرت تعداد کو ظاہر کرتی ہے فریقانہ پریس پر

اپنی رایوں کی تائید اور تحفظ کو چھوڑ سکتی ہی لیکن جرمن گورنمنٹ کیطرح
کوئی حکومت جس نے اپنے آپ کو تمام فریقوں سے برتر اور افضل ثابت
کر دیا ہو کبھی ایسا کرنا گوارا نہ کرے گی۔ اس کا نقطۂ خیال کسی فریق کی
رائے سے منطبق نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک درمیانی راستہ تمام قوم کے
فوائد کا لحاظ رکھکر اختیار کرتی ہے لہذا اسکو اپنی پالسی کا اظہار عام
اور خاص باتوں پر خودمختارانہ طور سے کرنا لازم ہے۔ نیز اُس پر یہہ
کوشش بھی کہ اس کے مقاصد جہاں تک ہوسکے عمومیت کے ساتھ سمجھے
جائیں فرض ہے۔ اس لئے میں اسکو اپنی جیسی حکومت کے لئے ایک اہم
ترین فرض خیال کرتا ہوں کہ پریس کا استعمال آزادی اور عقلمندی کے
ساتھ رعایا کو روشن خیال بنانے کے لئے کیا جائے۔ اس سے میرا یہ
مطلب نہیں ہی کہ صرف معدودے چند سیاسی رسالے کسی وقتی فوائد
کو مدنظر رکھکر خبروں سے بھر دیئے جائیں بلکہ گورنمنٹ کے مقاصد وآرا
کا بذریعہ لوکل پریس اچھی طرح اظہار ہو جائے۔

علاوہ بریں میری رائے میں یہ مفید ہوگا اگر تمام اخبار گورنمنٹ کے خاص
خاص اعلانات کو چھاپنے پر مجبور کئے جائیں تاکہ ناظرین پبلک معاملات
کے فقط یکطرفہ بیان کو جو فریقانہ پریس مہیا کرتا ہے اپنے پیش نظر نہ رکھے
یہ طریقہ پبلک کے اخلاقی و دماغی صفائی کا ہوگا اور یہ اتنا ہی ضروری
ہے جتنا کہ حفظان صحت کے لازمی اصول ہوسکتے ہیں۔

خیال اور آرا کے امراض قدیم یورپ میں جسمانی امراض سے زیادہ
خطرناک اور تباہ کن ہیں اور یہ حکومت کا فرض ہے کہ قوم اخلاقی تندرستی کا

جلد سے جلد تحفظ کرے۔

وہ شخص حقیقی مدبّر نہیں ہے جس کو ان باتوں پر لحاظ نہیں ہے۔ بسمارک میں یہ صفت تھی اور اُس نے نہایت قابلیت کے ساتھ اس سے کام لیا۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کو ایک خیال جو سب میں مشترک تھا تیار مل گیا یعنی دلی خواہش جرمن اتحاد و جرمن سلطنت کی موجودگی۔ مگر جرمن قوم اپنے نزاعات کی وجہ سے اُن طریقوں سے واقف نہ تھی جن سے یہ خیال پورا ہوتا ہے جبر سے اور سخت جھگڑے کے بعد وہ کامیابی کی شاہراہ پر آئی۔ مگر کل قوم میں جوش کی آگ لگ گئی جب آخر میں اُس نے اُس منزل مقصود کو پہچانا جس کی طرف یہ اولوالعزم مدبّر اُن کو لئے جا رہا تھا۔ کامیابی کی بنیاد پر بسمارک نے جرمن سلطنت کی زبردست عمارت قایم کی حتّٰی کہ سالہائے امن میں اُس کو معلوم تھا کہ کس طرح لوگوں کے تصور کو حوصلہ مندانہ اور عالمانہ پالسی سے قائم کرنا چاہیئے اور کس طرح باوجود مخالفت عوام کو اپنی رائے کیموافق بنانا اور اپنے عظیم الشان مقاصد میں اُن سے مدد لینا چاہیئے۔ اُس سے بھی بہ حیثیت انسان و بہ حیثیت سیاست دان غلطیاں ہوئیں۔ مگر وسیع پہلوؤں میں اُس کی پالسی ہمیشہ شاہی اور عالم کی وسعت رکھنے والی رہی۔ اور اُس نے اس اصول کو کبھی نظرانداز نہیں کیا کہ کوئی مدبّر مستقل طور پر بڑے نتائج ہرگز حاصل نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ رعایا کے دلوں پر حاوی نہو۔

یہی خیال زمانۂ ماضیہ کے بڑے لوگوں کا تھا۔ مثلاً الیکٹر اعظم فریڈرک ثانی تھارن ہورسٹ ( ) اور بلوشر۔ کیونکہ بوڑھا بلوشر بھی ایک سیاسی قوت اور سیاسی خیال کا مجسمہ تھا۔ وہ قوت وہ خیال جو واثنا کی

کانگریس کے سامنے نمایش کے لئے نہیں آیا۔ اُس مدبّر کو جو تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہتا ہے سب سے پہلے اس بات کو جاننا چاہیئے کہ عوام پر اثر حاصل کرنے کے لئے کامیابی ضروری ہے اور یہ اثر صرف اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ قومی تصوّر کی طرف رجوع کیا جائے اور عام خیالات اور عظیم الشان قومی حوصلوں میں اُس تصور کے لئے دلچسپی حاصل کیجائے۔

ایسی پالسی سب سے بہتر اسکول ہے جس میں عظیم الشان فوجی کاموں کے لئے تعلیم دیجا سکتی ہے۔ جب افراد قوم کی قوتیں اعلیٰ مقاصد کی طرف رجوع ہوتی ہیں تو وہ جنگ کا دلاوری کے ساتھ خیال کرنے اور اپنے ارادوں کو اُسکے واسطے تیار کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

آدمی مردانگی کے اولوالعزمانہ مقاصد سے نشو و نما پاتا ہے۔

اس بارہ میں جاپان سے ہم تھوڑا سبق لے سکتے ہیں۔ اُسکی آنکھیں نہایت بلند مقاصد پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ لوگوں پر نہایت سخت فرایض عاید کرنے سے نہ جھجکا بلکہ وہ یہ جانتا تھا کہ کل رعایا کے دلوں میں اپنے اعلیٰ خیالات کا جوش کس طرح بھرنا چاہیئے۔ اور اس صورت سے مردانِ جنگی کی قوم کو تعلیم دیگئی جس سے فوج کے لئے نہایت اعلیٰ سپاہی نکلے جو بڑی بڑی قربانیوں کے لئے تیار رہتے تھے۔

ہم جرمن لوگوں کو بمقابلہ بڑی ایشیائی سلطنت جاپان کے تہذیب کا زیادہ عظیم الشان اور ضروری فرض ادا کرنا ہے ہم مثل جاپانیوں کے اُسکو تلوار سے پورا کرسکتے ہیں۔

پھر کیا ہم ایک جری اور عاملانہ پالسی کے اختیار کرنے سے انکار کریں؟

یہ درحقیقت نہایت اچھا ذریعہ اپنی قوم کے لئے فوجی فرض کی تیاری کا ہوگا۔ یہ نصیحت صرف اُن لوگوں کے واسطے ہو سکتی ہے۔ جو جرمن قوم کی قوّت اور ناموری کے لئے کوئی جذبہ نہیں رکھتے۔
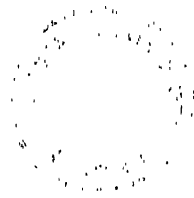
خاتمہ

صفحات ماسبق کے عملاً ختم ہوجانیکے بعد فرانسیسی جرمن معاہدہ متعلق مراکش و معاوضہ کانگو شائع ہوا۔ ٹرکی اطالوی جنگ چھڑ گئی۔ انقلاب چین نے ایسی صورت اختیار کر لی جس سے مشرقی ایشیا میں تازہ شورشوں کا احتمال پیدا ہوگیا اور یہ معلوم ہوا کہ مابین فرانس و انگلستان ہمارے ساتھ نہ صرف دوستانہ ائتلاف بلکہ حقیقی مجارعانہ و مدافعانہ اتحاد ہے۔

یہ اتحاد ان دو سلطنتوں میں دوامی نہیں معلوم ہوتا۔ مگر جنگ کے ہر امکان کی پیش بینی و انتظام صاف نظر آرہا ہے۔ میں نے پہلے دو واقعات کے متعلق کل ضروری اشارات اپنی کتاب میں کر دئے ہیں۔ مگر وہ روشنی جو حال میں فرانسیسی معاہدات پر ڈالی گئی ہے مجھے مجبور کرتی ہے کہ چند آخری باتیں گذارش کروں۔

جرمن گورنمنٹ نے اہم اسباب سے جو بحث میں نہیں آسکتے موجودہ صورتوں میں انگلستان یا فرانس سے ہر طرح سے بھڑنے سے احتراز کرنا قرین مصلحت سمجھا ہے اس نے اس مقصد کو فرانس سے بات چیت کر کے پورا کر لیا ہے اور یقیناً یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اور زیادہ مراعات قابل حصول نہ تھے کیونکہ ابتدا ہی سے جنگ کا سر دست ارادہ نہ تھا۔ صرف اس پہلو سے جرمن گورنمنٹ کی روش بجانب فرانس و انگلستان صحیح خیال کیجا سکتی ہے۔ برطانیہ عظمے کے کل طرز رفتار سے ظاہر ہے کہ وہ جنگ کا موقع اختیار کرنے پر تلا ہوا ہے اسکی فوری جنگی تیاریاں اس کے جہازوں کی نقل و حرکت اور انگریزی اعلے محکمہ مال کی سب سے زیادہ ممتاز جرمن بینک پر حملہ سے جو اس نازک موقع پر وقوع میں آیا اس بارہ میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہتی۔ فرانس نے ہمارے ساتھ مراعات ضرور اس وجہ سے کر دئے ہیں کہ اس جنگ کے لئے جسکا عرصہ دراز سے اسکو خیال ہے ابھی اچھا موقع نہیں آیا ہے۔ غالباً وہ اسوقت تک ٹھیریگا جب تک ایک طرف تو اتحاد ثلاثہ کمزور ہو جائے اور دوسری طرف اس کی بحری و بری قابلیت اور مکمل ہو جائے اور علاوہ بریں جب تک کہ اسکی افریقائی فوج کی تعداد اسقدر زیادہ ہو جائے کہ وہ اچھی طرح رائن کی فوج کو

مدد دیسکے۔ یہ خیال گورنمنٹ کی مراکش پالیسی کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے۔ مگر اسمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگر فرانس کے معاہدہ کو بغور دیکھا جائے تو اس سے ہماری جائز خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔

یہ امر باعث نزاع نہیں ہے کہ مراکش کے تجارتی و سیاسی معاہدات نے ہمارے کاریگروں اور تاجروں کے لئے اچھے موقع پیدا کر دئے ہیں یہ کہ تحصیل علاقہ کی آئندہ فرانسیسی کانگو میں یقینی اور بڑی امید ہے بالخصوص اگر ساحل پر ہسپانوی علاقہ ہمکو ملگیا اور صرف اسی سے مقبوضہ گرانقدر ہوسکتا ہے برخلاف ازیں جو کچھ بھی ہمکو ملا ہے اس سے اس کا کافی معاوضہ ہرگز نہیں ہوسکتا جو ہمکو چھوڑنا پڑا ہے۔ میں نے کسی اور جگہ اس بات پر زور دیا ہے کہ تجارتی مراعات عطا کردہ فرانس صرف اسوقت تک قابل قدر ہوسکتے ہیں جب تک کہ ہماری مسلح فوج انکے عملدرآمد کی ضامن رہے۔ علاقہ کانگو کی تحصیلات پر جیسا کہ شاہی چانسلر نے اپنی تقریر مورخہ ۹۔ نومبر ۱۹۱۱ء میں اعلان کیا ہے انکے موجودہ نقطہ خیال سے لحاظ نہ کرنا چاہیے بلکہ آئندہ مفاد کے اعتبار سے بھی اسپر غور کرنا واجب ہے لیکن افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ہے کہ اس نقطہ خیال سے مراکش کے مقابلہ میں وہ بہت حقیر ہیں کیونکہ اسمیں شبہ نہیں کہ زمانہ آئندہ میں بمقابلہ کانگو جرمنی کے لئے مراکش کہیں زیادہ بیش قیمت مقبوضہ ثابت ہوگا بالخصوص اگر ہسپانوی علاقہ ہاتھہ لگا سردست اباتگی اور کانگو تک دسترس ابھی کم و بیش اصولی قیمت رکھتی ہے اور اس کا دروازہ سنگالیو کی جنگ کمپنیاں بحالت جنگ ہم پر بند کرسکتی ہیں۔

اگر ہم اس نوآبادیانہ معاہدہ سے جو ہم نے فرانس کے ساتھہ کیا ہے یہ سمجھیں کہ بہترین سمجھوتے کے لئے راستہ ہموار ہوگیا ہے تو یہ اپنے کو دھوکا دینا ہے۔ فرانس کبھی اپنی کی پالیسی کو جسپر وہ غیر متزلزل استقلال کے ساتھہ قرنوں سے عامل رہا ہے ایسے وقت میں نہ چھوڑیگا جبکہ اسکو انگلستان سے مدد ملنے کا یقین ہے محض اسوجہ سے کہ اس نے مصلحتاً ہم سے معاہدات کر لئے ہیں اس خیال کو باوجود شاہی چانسلر

کی تقریر مورخہ ۹ نومبر ۱۹۱۱ء کے کوئی اہمیت نہیں دیجا سکتی اس لیئے اس معاہدہ کو معینہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ اسمیں مثل الجزاس کے معاہدہ کی ترمیم ممکن ہے اور درحقیقت اس اعتبار سے اسمیں یہ فائدہ ہے کہ فرانس سے تصادم کے نیئے مواقع پیدا ہوجائیں گے۔

کانگو کی سرزمین میں حصول علاقہ سے اول تو جرمنی کی قوت گھٹیگی۔ کثیر روپیہ خرچ کرنے کے بعد البتہ اس سے فائدہ پہونچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ ہر پائی جو بری و بحری فوج سے بچاکر اسمیں صرف کیجائیگی گویا اس سے ہماری سیاسی حیثیت کمزور ہوگی۔ مگر میرے نزدیک اس مسئلہ کی مجموعی حالت پر غور کرنے میں ان چیزوں کی جو بدلے میں ملینگی مادی قیمت پر بھی لحاظ کر لینا چاہیئے۔ بلکہ ابتداً اسکی سیاسی وسعت پر اور ہماری مجموعی پالیسی کے لئے اسکے نتائج پر بھی غور کرنا لازم ہے۔ اس نقطۂ خیال سے ظاہر ہے کہ ایسے انتظام کے معنے دنیا میں ہماری اقتدار کا تنزل ہے کیونکہ ہمنے مراکو کی فرمانروائی کی تائید میں اپنے ان دعوؤں سے دست برداری اختیار کر لی ہے جنکا کسیقدر فخر سے ہمنے اعلان کیا تھا اور فرانس کی الجزاس کی سخت خلاف ورزی کو ٹھنڈے دل سے مان لیا ہے باوجودیکہ وزنی اغراض کی بازی لگی تھی۔ معاہدہ مراکش کے مضمون میں اس فعل کو ۱۹۰۹ء کے معاہدہ کی تشریح کہا گیا ہے اور اس صورت سے یہ خیال پھیل گیا کہ ہماری پالیسی ایک ہی طرز عمل پر چلتی رہی۔

علاوہ ازیں ایک اور سیاسی نقصان یہ ہے کہ مراکش کے چھوڑ دینے سے ہمارے اسلامی تعلقات زیادہ خراب ہوگئے ہیں۔ مگر میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا کہ آیا ہمارے اُن تعلقات کو نقصان پہنچا ہے جو ٹرکی کے ساتھ متعلق بہ حکمت عملی ہیں۔ مگر اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ کل اسلامی دنیا میں ہمارا اقتدار جاتا رہا ہے اور یہ بات ہمارے لیئے اعلے درجہ کی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ بھی ایک معقول خیال ہے کہ مراکش کے معاہدہ کی وجہ سے اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا اور اس صورت سے اتحاد ثلاثہ کے استحکام کو ہلادیا۔ تسخیر مراکش کی وجہ سے فرانس کی قوت بڑھ گئی اور اطالویونکو یہ بات محسوس ہوئی کہ بحر روم میں اپنی قوت کے مضبوط کرنے میں توقف نہ کیا جائے۔

مگر ہماری مرالکش پالسی کا بدترین نتیجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ اور قومی فرقے کے درمیان ایک گہرا
شگاف ہوگیا ہے اور قوم کے بہت سے فرقوں کے دلوں سے گورنمنٹ کا اعتبار اٹھ گیا ہے
حتیٰ کہ انہیں وہ فرقے بھی شامل ہیں جو گورنمنٹ کی مستقل مخالفت کے باوجود دل سے اس کو
خارجی سلطنت کا وکیل سمجھنے میں موید ہیں۔ عام اعتماد کی اس کمزوری میں جو علانیہ طور پر اخباروں
میں ظاہر کیا گیا ہے (اگرچہ گورنمنٹ کے اعلانات سے اسمیں خفیف تبدیلی ہوئی ہے) فرانسیسی
جرمن معاہدہ کا نقصان عظیم مضمر ہے کیونکہ نازک اوقات میں جنکا ہمکو سامنا ہوگا جرمنی کی گورنمنٹ
کو کل رعایا کے اتفاق رائے پر اگر اسکو اس طوفان کے مقابلہ میں آنا ہے بھروسا کرنا لازم ہے
انگریزی فرانسیسی اتحاد کی پردہ دری سے جنگ کے متعلق اس بارہ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔
یہ تعلقات مابین انگلستان و فرانس سیاسی موقع کے اس خیال کو تقویت دیتے ہیں جس کو
میں نے اس کتاب کے مختلف بابوں میں ظاہر کرنیکی کوشش کی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے
مقابلہ میں دشمنوں کے غول ہیں جو کم از کم اسبات پر تلے ہوئے ہیں کہ جرمنی کی قوت کو اور
زیادہ نہ پھیلنے دیا جائے اسی غرض کے لئے انھوں نے کامیابی کے ساتھ اتحاد ثلاثہ کے توڑنیکی
پوری کوشش کی ہے انگریزی وزرا نے اس معاملہ میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی ہے
(سر ایڈورڈ گرے کی تقریر مورخہ ۲۷ نومبر سنہ ۱۹۱۱ء پڑھو) انگریزی مدبرین کے سرکاری اقوال سے
باوجود امنی اطمینانوں کے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی پالسی کا رخ ان اطراف کی جانب
ہے جو میں نے بتائے ہیں۔ وہ تنبیہ جو جرمنوں کو حملہ آورانہ ارادوں کے متعلق کیگئی ہے اور جو یقین
انگلستان نے دلایا ہے کہ اپنے اتحادیوں کی پشت و پناہی بحالت ضرورت تلوار سے کریگا۔ یہ سب
ان حدود کو بتلاتے ہیں جن کے باہر جرمنی قدم نہیں رکھ سکتا اگر یہ منظور ہے کہ انگلستان سے جنگ نہ
چھڑے انگریزی وزیر کے اقوال کا مفہوم انکے اس کہنے سے نہیں بدلتا کہ انگلستان جرمنی کے
افریقہ میں نیا علاقہ حاصل کرنے کے متعلق کوئی مدلل مخالفت بلند نہ کریگا۔ انگلستان خوب
جانتا ہے کہ سیر لیونا آبادیانہ تحصیل کے متعلق جرمنی کا مالی نقصان ہے اور یہ کہ ہم بحالت جنگ عرصہ

تک اپنی نوآبادیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے مگر وزیر کی تقریر کی صاف شرح یہ ہے کہ ایک بار بجٹ کے بحری تخمینوں میں بڑا اضافہ کیا گیا ہے۔

معاملات کی اس حالت میں انگریزی تبدیلی پر بھروسا کرنا پہلے سے بھی زیادہ حماقت ہوگی۔ حتیٰ کہ انگریزوں کی مصالحانہ کوششوں سے اصلی حالت کی طرف سے ہمیں اپنی آنکھیں بند نکر لینا چاہئیں زیادہ سے زیادہ ہم اُن سے یہ کام لے سکتے ہیں کہ ضروری اور اٹل جنگ میں توقف کریں جتنے کہ خاصے طور پر یہ سمجھ لیں کہ اب ہمیں کامیابی کی توقع ہے۔ شاہی گورنمنٹ کی یہ رائے تھی کہ حالات موجودہ میں جنگ سے احتراز ضروری ہے۔ مگر دنیا کی حالت بتا رہی ہے کہ اس کے لئے مختصر مہلت ہوسکتی ہے۔ قبل ازیں کہ یہ سوال ہمارے سامنے آئے کہ اپنی دنیوی حیثیت کے لئے تلوار اٹھائینگے یا ہمیشہ کے لئے حیثیت کو چھوڑ بیٹھیں گے۔ ہمکو کسی حالت میں اس کا انتظار نہ کرنا چاہئے کہ ہمارے دشمن اپنی فوجی تیاریاں مکمل کر لیں بلکہ اس بات کا فیصلہ کرنا لازم ہے کہ جنگ کا وقت آگیا ہے

ان اصولوں کے مطابق جو میں نے بتائے ہیں ہم کو اس مہلت کے اندر سرگرمی سے جنگی تیاری کرنا لازم ہے۔ کل قومی فرقوں کو گورنمنٹ کے گرد مجتمع ہو جانا چاہئے جو ہمارے عزیزترین خارجی اغراض کی وکیل ہے۔ لوگ دلی انہاک سے اس کے دلیرانہ عزم میں اعانت کریں اور فوجی و سیاسی کامیابی کے لئے راستہ ہموار کرنے میں مدد پہونچائیں اور مراکش کی پالیسی کے افسوسناک نتائج پر اور زیادہ بے سود اور ناجائز نکتہ چینی سے گورنمنٹ اور قوم کے درمیان خلیج کو چوڑا نہ کریں ہمیں گورنمنٹ سے امید ہے کہ وہ جنگی و سیاسی تیاری اس سرگرمی سے کریگی جسکی حالت موجودہ مقتضی ہے اور صاف طور سے اُسکو اُن خطرات کا ادراک ہوگا جو ہمارے لئے باعث تہدید ہیں۔ اور نیز ہماری قومی ضرورتوں اور ہماری قوم کی جنگی قوت کا صحیح احساس کریگی اور ہمیں توقع ہے کہ وہ کسی معاہدانہ پس و پیش سے اپنے آپ کو مضطرب نہ ہونے دیگی۔

قانون پنج سالہ کی تنسیخ وسیع پیمانہ پر فوج کی آراستگی۔ بحری فوج کی تیز رفتار ترقی کافی مالی وسائل کی تیاری یہ وہ ضرورتیں ہیں جنکی حالت موجودہ متقاضی ہے۔ نئی اور اخلاقی

خیالات سے اپنی پالسی کو بار آور ہونا چاہیئے اور اسکو کامیاب منزل مقصود پر پہونچایا جائے سیاسی حالت میں بہت سی باتیں ہیں جنپر توجہ درکار ہے۔ انگلستان بھی سخت مشکل میں ہے اس کے اغراض کا ایران اور نوخیز درد انیال کے معاملہ میں روس سے تصادم اور اپنی نوآبادیانہ سلطنت کے اہم حصوں میں اسلام کی قوت برطانیہ عظمے کے لئے مستقل تشویش کا باعث ہیں۔ شمالی امریکہ سے جو اسکے تعلقات ہیں انکی اہمیت اور دقت کی طرف سابق میں توجہ دلائی گئی ہے۔ فرانس کو بھی ابھی اپنی افریقائی سلطنت میں پورا فائدہ اٹھانے سے پہلے بھاری رکاوٹیں سر کرنا ہیں۔ مشرق بعید کی شورشیں غالبًا روس کی فوجوں کو پابہ زنجیر رکھیں گی اور انگلستان کے اغراض کو بہ اعتبار ہمدردی نقصان اٹھانا پڑیگا۔ یہ کل وہ صورتیں ہیں جن سے سرگرم اور دوربیں جرمنی پالسی عام سیاسی حالت پر اپنے وطن کے اغراض کی خاطر اثر ڈالنے کے لئے کام لے سکتی ہے۔

اگر قوم اور گورنمنٹ متفق رہیں اور جرمنی کے ناموس کے تحفظ کی دل میں ٹھان لیں اور اپنے ملک و سلطنت کے مستقبل کی قابل اطمینان حالت کرنے کے لئے خون اور دولت کی ہر قربانی کے واسطے آمادہ ہوجائیں تو اپنے حقوق اور قوت کے لئے ہم آنے والے واقعات کا بھروسے کے ساتھ مقابلہ کرسکتے ہیں اُس حالت میں اپنی دنیوی حیثیت کے واسطے لڑنے میں ہمیں خوف کی ضرورت نہیں بلکہ ہم ارنسٹ مارٹینر ارنڈ کے ساتھ اپنے ہاتھ آسمان کیطرف اٹھا سکتے ہیں اور خدا سے پکار کر کہہ سکتے ہیں۔ ستاروں بھرے آسمانی بلندی سے تیری جھنکار والی تلوار آب و تاب چمکے۔ ہر بزدل آواز تیری قوت سے دب جائے۔

شائع ہونے سے اسکی کل جلدین ہاتھون ہاتھ نکل گئی تھین اب پھر دوسری مرتبہ اسی انتظام و اہتمام سے چھاپا گیا ہی کاغذ و چھپائی نہایت اچھے۔ اس شہادت نامہ کو سنی شیعہ دونون پسند کرتے ہین۔ (عہ)

فتوحات غوثیہ - باضافہ نسخہ **فضائل الابدال** (اردو) شروع مین نبی آخر الزمان علیہ الصلوۃ والسلام کے کچھ فضائل بیان کیے گئے ہین بعدازان حضرت محبوب سبحانی کے حالات و مناقب ہین طرز بیان عمدہ ہی (۳/)

تقریر العینین عن مناقب الحسنین - (اردو) اس کتاب کے دو حصے ہین پہلے حصہ مین خلیفۂ پنجم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حالات ہین جو اردو کی اور کتابون مین نادر الوجود اور کمیاب ہین۔ دوسرے حصہ مین مناقب و فضائل حضرات خلفای راشدین رضی اللہ عنہم بیان کیے گئے ہین۔ زبان شستہ اور پاکیزہ ہی قیمت صرف (۲/)

تاریخ فقہ یعنی مفید المفتی (اردو) مدت سے ملک کو ضرورت تھی کہ فقہای حنفیہ کے تاریخی حالات اور فقہ حنفی کی تالیفات سے قوم کو اطلاع دیجائے اسلیے کہ کسی مذہب کے محامد سے اسی وقت بحث کیجا سکتی ہی جبکہ بزرگان قوم کی تحقیقات علمیہ سے پوری واقفیت ہو اور مذہبی کتابون پر کافی عبور ہو، صرف اس ضرورت کو محسوس کر کے یہ کتاب جدید طرز مین تالیف کی گئی ہی جو فتوے نویسون کے لیے دستور العمل و راہل نظر کے لیے سرمایۂ تاریخ ہی اس کتاب مین نہایت جانفشانی سے تمام لوازم افتا و تاریخ و تالیف کا استیفا کیا ہی اور نیز اُن کتابون کا ذکر کیا ہے جو غیر معتبر ہین اور جن سے فتوے درست نہین۔ پھر فقہ حنفی کی تمام مستند کتابون کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے درج کیے ہین۔ کتاب کا مقدمہ صرف ۱۴۸ صفحون مین ہی کمال حُسن و خوبی کے ساتھ چکنے خشک کاغذ پر چھپی ہی (عہ/)

مطلع آفتاب رسالت - (اردو) یہ جدید التالیف کتاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات مین ہی ابتدای ولادت سے ایام وفات تک تمام حالات درج ہین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعات شہادت بھی ضمناً لکھے ہین دراصل یہ مولود کی کتاب ہی جستہ جستہ نعتیہ غزلین اور قصائد بھی ہین۔ قیمت (۲/)

کتاب المعارف ابن ابی قتیبہ - جلد اول - (اردو) ابتدای آفرینش عالم سے زمانۂ اسلام تک کی تاریخ جس مین حضرت آدم علیہ السلام سے جناب رسالتمآب ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم تک انبیا علیہم السلام و دیگر صنادید عرب اور صحابۂ کرام کے مکمل حالات و سوانح عمریان اور ضروری تذکرے بروایات صحیحہ بیان کیے گئے ہین اسکے مصنف علامہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن ابی قتیبہ الکاتب الدینوری روح اللہ روحہ متوفی ۲۷۶ھ ہین یہ کتاب عربی سے اردو مین ترجمہ ہوئی ہی۔ عبارت سلیس عام فہم شستہ ہی کاغذ گندہ۔ قیمت صرف (عہ/)

جلستان تعریب گلستان مع ترجمۂ **سنبلستان** - علامہ ابن مخلع اسرائیلی نے کتاب گلستان سعدی کا ترجمہ عربی زبان مین کیا ہی عبارت بالکل مرصع و مسجع ہی نثر کا ترجمہ نثر مین اور نظم کا ترجمہ نظم مین ہی۔ فن ادب مین اس سے اچھی اور عمدہ کتاب آجتک تالیف نہین ہوئی، لفظی ترجمہ اردو بھی دوسرے کالم مین بنام سنبلستان درج ہی لفظی رعایت کے ساتھ طلبہ کے سمجھنے کا زیادہ خیال کیا گیا ہی یہ ترجمہ تعلق لفظی کے ساتھ مطلب خیز با محاورہ روزمرہ قاعدہ کے موافق ہی عربی زباندانی ملکی اور اخلاقی معاملات مین اسکے سوا

دوسری کتاب سے ایسی مدد نہیں مل سکتی۔ عربی علم ادب اور زباندانی کے شائقین کو اس نایاب کتاب سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ قیمت .... (عہ)

جوامع الکلم ۔ ان مختصر کلمات طیبات کا مجموعہ جو تمام دینی و دنیاوی امور کے دستور العمل اور سعادت دارین کے وسائل ہیں۔ قیمت .... (۴ر)

الدر النضید فی غر القصید ۔ عربی زبان کے وہ قصائد غرا جو طلبہ و کملہ سب کے لیے سرمایۂ ناز ہیں (۸ر)

تمرین الطلاب بحصول الآداب ۔ علم ادب حاصل کرنے میں طلبہ کو اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ (۵ر)

اصلاح ترجمۂ دہلویہ (اردو) مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے ترجمۂ قرآن مجید میں جو غلطیاں کی ہیں ان سب کی اصلاح جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کی ہے قیمت .... (۱ر)

الحرز الاعظم ۔ اس رسالہ کا حاجیوں اور عازمان منازل مقدسہ کے پاس ہونا بہت ضروری ہے اس میں شروع سے آخر تک ہر متبرک مقام سے مشرف ہونے اور وہاں مناسب دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ درج ہے (۴ر)

الغزالی مع لائف شمس العلما علامۂ شبلی مرحوم۔ جو نہایت عمدہ کاغذ و چھپائی اور صحت کیساتھ چھپی ہے (عہ)

معارج الدین ۔ مولوی سید نواب علی صاحب۔ ایم۔ اے پروفیسر بڑودہ کالج نے زمانہ کا یہ رنگ دیکھکر کہ علم دین کی طرف سے لوگ کیسے غافل ہیں ارادہ کیا کہ علوم جدیدہ کے طیاروں سے جو شکوک اور اعتراضات کے گولے دشمنان دین برسا رہے ہیں انکے شر سے حرم اسلام کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ شکر ہے کہ حصۂ اول پورا ہوگیا۔ چونکہ معرفت نفس معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے اسلیے پہلے روح اور معاد سے بحث کی ہے۔ باب اول میں مسائل سائنس کا ایک مختصر مگر مسلسل خاکہ کھینچ دیا ہے۔ قیمت .... (عہ)

مقالات شبلی ۔ شمس العلماء علامۂ شبلی مرحوم کی تصنیف ہے اس میں مختلف علوم و فنون نیز سلاطین و علمای دین اور عہد حکومت اسلام میں مسلمانوں کے دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات اور فرقہاے اسلام پر خاص طور پر تفصیلی بحث کی گئی ہے قیمت .... (۸ عہ)

مواعظ قرآنی ۔ خردسال مسلمان بچوں کے لیے ابتدائی تعلیم کے واسطے نہایت مفید ہے اولاً سورۂ فاتحہ اور چند سورتیں سورۂ فیل تک نماز سیکھنے کو اور بعد ازاں قرآن مجید کے مختلف مقامات سے منتخب آیات پند و نصائح یکجا جمع کرکے اخلاقی تعلیم دینے کو مع ترجمہ درج کی گئی ہیں (۲ر)

اوراد مرشد مؤلفہ مولانا مولوی عبد الاول صاحب جونپوری۔ اس میں مولانا نے مجرب تیر بہدف وظائف جمع کردیے ہیں جسکے ورد سے ہزاروں مسلمان دولت دنیا و دین سے مالامال ہوگئے (۴ر)

ملنے کا پتہ۔ محمد عبد الولی مالک اصح المطابع آسی پریس شہر لکھنؤ